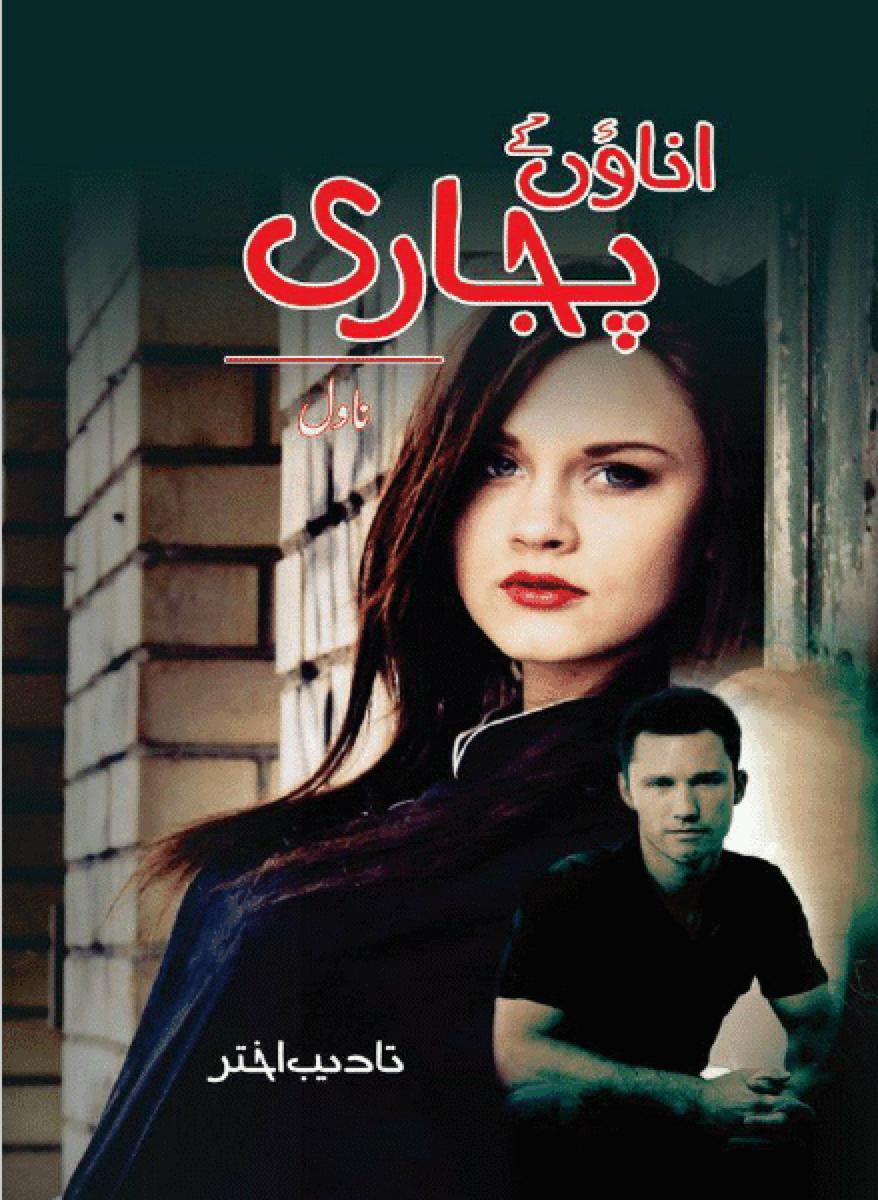
اناؤں کے
پجاری
ناول
تادیب اختر

اناؤں کے پجاری

تادِیب اختر

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40-اُردو بازار، لاہور۔
فون: 37352332، 37232336 فیکس: 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ ہیں

کتاب کا نام	:	اناؤں کے پجاری
مصنفہ	:	تادیب اختر
ناشر	:	علم وعرفان پبلشرز
کمپوزنگ	:	دلدار حسین
سن اشاعت	:	جنوری2016ء
تعداد	:	500
قیمت	:	-/500روپے

ملنے کے پتے......

علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ،40۔اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی

اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

جناح سپر مارکیٹ F-7 مرکز، اسلام آباد

خزینہ علم وادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

بیکن بکس

گلگشت کالونی، ملتان

رشید نیوز ایجنسی

اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی

کشمیر بک ڈپو

تلہ گنگ روڈ، چکوال

فرید پبلشرز

اُردو بازار، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرماویں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

اپنے اس "اناؤں کے پجاری" کے نام کے تناظر سے اپنی نظم سے ابتداء کروں گی۔

اناؤں کے پجاری میں کیا کہوں تمہیں
تیری انا کی بھینٹ کتنے لوگ چڑھے ہیں
زندگیاں مشکل بنا دیں خوشیاں سب چھین لیں
ہر طرف روشنی میں بھی اب وہ اندھیرا کئے ہیں
مایوسیاں ہر طرف سے ان کو نظر آئی ہیں
بے بس تڑپ کر کتنے وہ مرے ہیں
آگے بڑھنے کے جذبے اور زندگی سے پیار کرنے والے تھے وہ
جو اب بے خبر اور اپنے سے بھی مایوس پڑے ہیں
بے سکونی ہر طرف سے تو نے دے دی ایسی ان کو
زندگی کو مصائب کا گھر وہ سمجھے ہیں
زندگی بہاروں سی تو نے ان کی کیسی مشکل بنا دی
یہ سوچ بنا کہ وہ تیرے ہی پیارے ہیں
یہ تو نے ان کو انجانے میں سزا کیسی دے دی
کہ خون کے آنسو وہ ہر روز ہی روئے ہیں
تو نے اپنی حکمرانی کے نشے میں ایسا کھیل کھیلا ان سے
کہ وہ محفل جان سب سے بدظن ہو کر بیٹھے کنارے ہیں
زندگی کو کسی کی مذاق نہ سمجھنا کبھی دیب
کہ انمول جوہر اک بار کے لئے ہی ملے ہیں

☆......☆......☆

انتساب

اپنے شوہر عاطف کے نام

ساکھ

صباحت بہت معصوم اور بھولی بھالی پیاری سی بچی تھی جو کہ سب کی لاڈلی تھی۔سب سے معصوم اور خوبصورت بچی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔قدرت نے صباحت کو ہر شے سے نوازا تھا۔دولت کا کیا کہنا سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھی۔

ماں باپ دونوں ہی بہت مصروف رہتے تھے۔ماں سوشل ورکر ہونے کے ساتھ اپنا پارلر بھی چلاتی تھی جو کہ شہر کا مشہور ترین پارلر تھا۔

لیکن وہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی خواہشمند تھی۔

باپ تو اعلیٰ درجے کے ڈاکٹر تھے۔صبح ہسپتال اور شام کو کلینک ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

دونوں کے پاس ہر نعمت کے ساتھ ساتھ صباحت جیسی پیاری سی بیٹی بھی ان کے پاس موجود تھی۔زندگی ہر لحاظ سے ہی خوشحال اور قابل رشک تھی۔ماں باپ تو اپنی اپنی سرگرمیوں میں اس انداز سے مصروف تھے کہ انہیں صباحت کو دینے کے لئے وقت نہ تھا اور بڑی عجیب بات تھی کہ دونوں کو اس بات کا احساس بھی نہ تھا۔

صباحت کے پاس سب کچھ تھا لیکن وہ اپنے ماں باپ سے وقت چاہتی تھی لیکن ماں باپ دونوں ہی اس سے بے خبر تھے کہ بچی کے معصوم ذہن میں کیا ہے؟

دونوں اپنی مصروفیت میں اس طرح کھوئے ہوئے تھے کہ کوئی بھی اپنی مصروفیت کم کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ماں رابعہ اور باپ سرمد تو اپنی سرگرمیوں میں مصروف اور خوش تھے بس چند منٹ دونوں صباحت کی بات کرتے اور آیا سے اس کے کھانے پینے کا پوچھ لیتے۔

صباحت کو آیا صبح اٹھا کر ناشتہ کرواتی اس کو تیار کر کے ڈرائیور کے ساتھ سکول روانہ کرتی۔سکول سے اس کو ڈرائیور ہی واپس چھٹی کے وقت لاتا۔آیا کھانا کھلاتی اور سلا دیتی۔صباحت اپنے ماں باپ کی کمی بہت محسوس کرتی۔اس کے معصوم سے ذہن میں بار بار یہ سوال آتا کہ سب کے ماں باپ بچوں کو چھوڑنے یا لینے آتے ہیں اس کے ماں باپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟

رابعہ بیگم اور سرمد تو صبح ناشتہ کرتے بیٹی سے پیار کر کے پوچھ لیتے

صباحت کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔

بس اتنا پوچھ کر اپنے آپ کو فرائض سے بری الذمہ سمجھتے کہ سب ذمہ داری پوری کر دی۔

صرف صبح ناشتہ کے وقت ہی صباحت ماں باپ کو دیکھتی ورنہ دن بھر تو ماں کو خاص طور پر یاد کرتی خاص طور پر دن کے کھانے کے دوران

ماں کی کمی محسوس کرتی لیکن کسی سے کچھ نہ کہتی۔

صباحت کے پاس بے شمار کھلونے تھے اس کے لئے رابعہ نے الگ کمرہ مقرر کیا تھا جو آیا کے زیرِ نگرانی تھا۔ ہر قسم کے کھلونے اور گیمز تھیں جن سے وہ مصروف رہتی لیکن ماں باپ سے بات کرنے کے ساتھ پارک جانے کی حسرت وہ روز کرتی۔

جب کلاس میں بچے اپنے لنچ کے بارے میں بتاتے کہ امی نے بنا کر دیا ہے تو صباحت اپنا لنچ نہ کھولتی اور افسردہ ہوتے ہوئے بیٹھ جاتی سوچتی کہ کاش اس کی امی بھی اس کے لئے لنچ تیار کرے۔

وقت کے ساتھ ساتھ صباحت کو ماں باپ کی کمی شدید محسوس ہونے لگی اور ان کی توجہ کی ضرورت اس کو زیادہ ہو رہی تھی لیکن ان دونوں کو اپنی اس ذمہ داری کا نہ احساس تھا اور نہ اس بارے میں سوچتے کہ صباحت اب بڑی ہو رہی ہے وہ کیا ان سے چاہتی ہے وہ ان کی اولاد ہے جو کہ دماغ، دل اور احساسات رکھتی ہے۔ انہیں پرواہ تھی تو صرف اور صرف اپنی ترقی اور شان و شوکت کی۔

صباحت کے لئے شروع سے ہی اچھے اساتذہ کا انتظام گھر پر شام کو کیا جاتا جو محنت سے پڑھاتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتی رہی اور اس طرح کرتے کرتے آٹھویں جماعت میں پہنچ گئی۔ اب صباحت کو اساتذہ کے علاوہ خود سے محنت کی ضرورت تھی اس عمر میں اولاد پر ہر طرح سے نظر رکھنے اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے اس طرح کا کچھ صباحت کے ساتھ نہیں تھا۔ نہ اس کو دیکھا جاتا کہ وہ کیا کر رہی ہے اور کیا نہیں کر رہی؟ کون سی سرگرمیوں میں مصروف رہتی ہے؟

کون کون سی دوستیاں ہیں؟

کیا کیا کس وقت کرتی ہے؟

لیکن صباحت کو کسی نے نہ دیکھا، پوچھا اور نہ رہنمائی کی گو کہ اساتذہ رہنمائی کرتے لیکن گھر میں کسی نے نہ دیکھا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صباحت پڑھائی پر توجہ دینے کی بجائے فلمیں دیکھنے لگی اور گانے سننے لگی۔

آیا صباحت کو یہ کام کرتے دیکھتی تو اسے برا لگتا کہ وہ پڑھائی پر وقت لگانے کی بجائے فلموں اور گانوں پر وقت برباد کرتی ہے۔ اس کا دھیان ان چیزوں کی طرف ہے جو کہ اس کو اچھائی کی بجائے برائی کے راستے پر لے جائیں گی۔ اس کو یاد آتا کہ بڑے کہا کرتے تھے کہ

"جو انسان گانے اور فلموں میں مگن رہنے لگے وہ برائی کی طرف چل پڑتا ہے۔ کیونکہ شیطان کا راستہ ہے جو کہ برا راستہ ہے ناکامی کا اور سراسر ناکامی۔"

آیا کو یہ یاد آتا اس کا جی چاہتا کہ صباحت کو سمجھائے لیکن اس کو سمجھ نہ آتا کہ کس طرح سمجھائے کیونکہ صباحت اپنے معاملات میں آیا کا زیادہ بولنا پسند نہ کرتی تھی۔ اور نہ صباحت کو خود اندازہ تھا کہ وقت کا برباد کرنا اس کے لئے کتنا نقصان دہ ہوگا۔

آیا حیران ہوتی کہ ماں باپ دونوں ہی اپنی سرگرمیوں میں اتنے کھوئے ہوئے ہیں کہ اولاد کی خبر نہیں ہے۔ صباحت کی سہیلیاں جب اپنے والدین کے ساتھ ہونے والی گفتگو کا ذکر کرتیں تو صباحت حیرت اور افسردگی کے ساتھ ان کو دیکھتی وہ اندر ہی اندر احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتا

شروع ہوجاتی جب اس سے ماں باپ کے بارے میں پوچھتے وہ بھی اپنے ماں باپ سے باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن وہ جس وقت گھر آتے صباحت سو چکی ہوتی اگر جاگ بھی رہی ہوتی تو بھی ماں باپ وقت دیکھتے اور کمرے میں چلے جاتے۔

ماں باپ میں سے کسی نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ''اس وقت ان کی بیٹی کو ان کی ضرورت ہے یہی وہ عمر ہے جب اس کو مثبت سوچ دینے کی ضرورت ہوتی ہے ان کو غلط صحیح میں تمیز پیدا کرنے کی ضرورت ہے' بچوں کو اس عمر میں ہی مثبت سرگرمیوں میں مصروف رکھنا ہوتا ہے ان کو وقت دینا چاہیے زیادہ سے زیادہ ان کے پاس بیٹھنا چاہیے ان کے ساتھ بات چیت کر کے ان کے رجحان کو مثبت سمت دی جا سکتی ہے۔

اس لئے دونوں کو وقت دینا چاہیے آخر کار وہ ان کی اولاد ہے لیکن افسوس کہ دونوں ماں باپ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ جس کام میں مصروف ہیں وہ دنیا کا سب سے اہم کام ہے لیکن اپنی ذمہ داری کو تو سمجھنے اور ادا کرنے سے قاصر تھے اور اس خام خیالی کا شکار تھے کہ اگر انہوں نے اپنی سرگرمیوں کو کم وقت دیا تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔

ستم یہ تھا کہ اگر صباحت بیمار ہو جاتی تو ماں باپ سے تقاضا کرتی کہ وہ اس کو ڈاکٹر کے لے جائے اور باپ ماں سے تقاضا کرتا کہ صباحت کو ڈاکٹر کے لے جائے۔ان دونوں کے پاس سب کاموں کے لئے وقت تھا لیکن وقت نہیں تھا تو بیٹی کے لئے نہ تھا۔دونوں اس نعمت خداوندی کی ناقدری کر رہے تھے وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ وقت گزر جاتا ہے اور کسی کے بس میں وقت کو واپس لانا نہیں ہے۔

آٹھویں کے امتحانات ہوئے صباحت بہت کم نمبروں سے مشکل سے پاس ہوئی۔سکول والوں نے آرٹس میں بھیج دیا۔ماں باپ کو اتنے کم نمبر دیکھ کر بہت دھچکا لگا وہ کچھ دن فکر مند رہے لیکن پھر عادت سے مجبور ہو کر اپنی روٹین میں گم ہو گئے کسی نے سچ کہا ہے کہ عادت کی زنجیر دیکھنے میں کمزور ہوتی ہے لیکن انسان بدلنا چاہے تو بہت مشکل سے بدلی جا سکتی ہے۔

رابعہ اور سرمد دونوں کو اپنی مصروفیات میں بیٹی کا دھیان رکھنے کا خیال نہ رہا کہ معلوم کریں کہ وہ کیوں نہیں پڑھتی کن سرگرمیوں میں مصروف رہتی ہے رابعہ سرمد سے یہ توقع رکھتی کہ وہ صباحت کا خیال رکھے اور سرمد رابعہ کو اس کام کے لئے سمجھتا کہ وہ کرے۔

دونوں ماں باپ نے صباحت کے ہر معاملے میں ایک دوسرے کو ذمہ دار قرار دے کر خود اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھ لیا۔یہ معاملہ سکول میں والدین کے بلوانے پر بھی ان کا رہا۔والد یہ کہہ کر کہ ماں کو جانا چاہیے اور ماں یہ کہہ کر کہ باپ کو جانا چاہیے ٹال دیتی۔

سکول والوں نے داخلہ بھیجنے سے پہلے بچوں کے والدین کو بلایا تا کہ بچوں کی کارکردگی سے آگاہ کیا جا سکے۔اس معاملے میں بھی صباحت کے والدین نے اپنی پرانی روٹین جاری رکھی اور ایک دوسرے کو جانے کا کہتے رہے صباحت نے ٹیچر کے کہنے پر اس دن پہلے والد سے کہا تو باپ نے سوری کرتے ہوئے کہا کہ ماں کو لے جانا آج بہت ضروری میٹنگ ہے وقت نہیں نکال سکتا۔

صباحت پر یہ بات بجلی بن کر گری اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنی منت کے باوجود پاپا اس طرح صاف انکار کر دیں گے۔کافی دیر خاموش رہنے کے بعد ماں سے کہا کہ مما آپ سے ایک بات کرنی ہے ماں جو ابھی ناشتے کے لئے آئی تھی جلدی سے بولی صباحت بیٹا جو کہنا ہے جلدی سے کہو کیا بات ہے؟

صباحت ممی کو مخاطب کرتے ہوئے بولی

''مما آج آپ کو سکول میں میٹنگ کے لئے آنا ہے۔''

رابعہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا

''آج نہیں آج تو میں بیٹا بہت مصروف ہوں۔''

صباحت نے لجاجت سے کہا مما ٹیچر نے بہت تاکید کی تھی' پلیز مما چلیں نا بس کچھ دیر کے لئے۔''

رابعہ ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولی

''صباحت Understand me بتا رہی ہوں آج مجھے ضروری کام ہے' نہیں جا سکتی میں کوئی فارغ تو نہیں کہ فضول میں چلی چلوں۔''

صباحت کو ماں کی یہ بات سن کر بہت دکھ ہوا۔ اس کی آنکھیں اشک بار دیکھ کر سرمد نے رابعہ سے کہا کہ کچھ وقت نکال کر ہو آؤ۔

رابعہ Oh For God sake میں آپ کو کیسے بتاؤ کہ آج تقریب میں مہمان خصوصی ہوں نہیں جا سکتی ہوں۔''

صباحت بادل نخواستہ سکول گئی اور ٹیچر کو آہستہ سے بتایا کہ مما سکول فون کریں گی۔ اس کے بعد وہ بہت افسردہ ہوئی سب کے والدین آئے اس سے سب سہیلیوں نے ہمیشہ کی طرح پوچھا کہ تمہارے ماں باپ کیوں نہیں آئے یہ تو ضروری تھا۔

رانی نے صباحت سے پوچھا کہ تمہارے ماں باپ کبھی میٹنگ میں نہیں آئے۔

سحرش نے مزید انکشاف کیا کہ صباحت کو تو وہ کبھی لینے بھی نہیں آئے۔

نادیہ نے کہا کہ صباحت کی کبھی کوئی برتھ ڈے یا کوئی پارٹی بھی نہیں ہوئی گھر میں۔

سب نے کچھ نہ کچھ ضرور کہا جس سے صباحت کا موڈ جو پہلے ہی خراب تھا مزید خراب ہو گیا۔ گھر آ کر صباحت سوچ میں پڑ گئی کہ آخر اس کا قصور کیا ہے؟ کیوں ایسا کرتے ہیں کیا وہ مجھے انسان نہیں سمجھتے بلکہ ایسی چیز سمجھتے ہیں جو احساسات سے عاری ہو۔

صباحت یہ سوچ کر رونے لگی کہ سب کے ماں باپ اپنی اولاد کو لینے آتے ہیں لیکن میرے ماں باپ کبھی نہ لینے آئے۔ نہ کبھی لنچ بنا کر دیا نہ کبھی عید میرے ساتھ گزاری اور کبھی اساتذہ کے ساتھ میٹنگ تک نہ آئے۔ ان کے لئے میرے پاس کوئی وقت نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں ان کی سوتیلی اولاد ہوں ورنہ کوئی اپنی اولاد کو ایسے کیسے اگنور کر سکتا ہے۔ باقی سب کزنز اور سہیلیاں تو اپنے ماں باپ کے ساتھ شادیوں میں جاتے ہیں' سیر کرنے جاتے ہیں' کتنے خوش ہوتے ہیں اور میں۔ میں ان بے جان چیزوں سے ہی کھیل کر دل بہلاتی ہوں۔ کیا میں ان کے لئے کچھ نہیں ہوں؟ صباحت شروع میں تو فارغ اوقات ہی فلموں اور گانوں سے دل بہلاتی تھی اور بعد میں پڑھائی کے اوقات بھی انہی سرگرمیوں کی نظر رہنے لگے وہ اتنی باشعور نہیں تھی کہ وہ اپنے وقت کو قیمتی جانتے ہوئے پڑھائی پر بھرپور توجہ دیتی۔ یا پھر کسی اچھی سرگرمی میں گزارتی جس سے اس کے ذہن پر مثبت اثرات مرتب ہوتے اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ انسان اچھے کاموں کی نسبت برے کاموں کی طرف جلد مائل ہو جاتا ہے کیونکہ برائی میں زیادہ دلکشی ہوتی ہے جو اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔

یہی حال صباحت کے ساتھ تھا کہ اس کا معصوم ذہن جلد ہی پڑھائی کی بجائے فلموں گانوں یعنی بے مقصد کاموں کی طرف مائل ہو گیا جو صرف اور صرف وقت کی بربادی اور دماغ کو غلط سوچ دینا تھا۔ اس عمر میں تو خاص طور پر بچوں کو رہنمائی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور جن بچوں کی رہنمائی نہیں کی جاتی وہ ایسے ہی تمیز کئے بغیر غلط راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ کیونکہ بچہ جو چیز دیکھتا ہے اس کے ذہن پر جلد اثر کرتی ہے برے مناظر بار بار دیکھنے سے برائی اس کے نزدیک برائی نہیں رہتی بلکہ ایک روٹین سی ہو جاتی ہے۔

اور صباحت کو تو بتانے والا بھی کوئی نہیں تھا جو تمیز کرواتا اور دونوں کے فائدے اور نقصان سمجھاتا۔ اسی لئے صباحت بہت سی چیزوں میں فرق نہ کر سکی کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟

بار بار ٹی وی پر یا دوسرے ذرائع سے اس طرح دیکھنے کے بعد ذہن پر یہی نقوش ثبت ہو گئے کیونکہ بار بار بے حیائی کے برہنہ مناظر دیکھنے سے آنکھوں سے شرم وحیا کا پردہ ہٹ جاتا ہے تو پھر رہ کیا جاتا ہے کیونکہ شرم وحیا ہی وہ خوبی ہے جس کے باعث انسان با کردار ہوتا ہے اور اچھی خصوصیات پروان چڑھتی ہیں جو برائیوں سے بچاتی ہیں جب برائیوں کے دروازے بند ہو جائیں تو اچھائی کی طرف انسان راغب ہو جاتا ہے جو کہ کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ خوشیوں کا سبب بنتی ہیں اور غموں کو دور کرتی ہیں لیکن یہ باتیں صباحت کو کون سمجھاتا۔ وہ ماں یا باپ ہوتے ہیں جو اولاد کو مختلف مثالوں' واقعات کے ذریعے اولاد کو سمجھاتے ہیں کہ وہ غلط اور درست میں فرق کر سکیں۔ لیکن صباحت کی طرف دھیان دینے والا اور سمجھانے والا کوئی نہیں تھا۔

وہ بیچاری خود رو پودے کی طرح ادھر ادھر بڑھتی جا رہی تھی کوئی کانٹ چھانٹ کرنے والا نہ تھا۔ والدین کے بعد اساتذہ کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ بچوں کی تربیت کریں ان کو غلط صحیح میں تمیز کرنا سکھائیں تا کہ ان کے شاگرد ٹھوکروں سے بچ سکیں کیونکہ وہ "روحانی والدین" کا درجہ رکھتے ہیں لیکن اساتذہ کا سارا دھیان سلیبس ختم کروانے کی طرف تھا۔ وہ بھی تربیت کی طرف وقت نہ دے سکے۔

اگر اساتذہ بچوں کی رہنمائی کریں وقت کے درست استعمال کی اور ان کو ایسی سرگرمیوں میں مصروف رکھیں جن میں مصروف رہ کر بچے وقت ضائع کرنے سے بچ جائیں ان کو سمجھائیں کہ وقت کو برباد کرنے یعنی ضائع کرنے والے بعد میں کتنا پچھتاتے ہیں۔ اسی طرح ان کی مختلف معاملات میں صحیح رہنمائی کریں تو بہت سے بچے بھٹک کر ٹھوکریں کھانے سے بچ سکتے ہیں۔

افسوس کہ صباحت کی نہ کسی نے گھر میں رہنمائی کی اور نہ اساتذہ نے کہ وہ اپنا وقت بے مقصد کاموں میں برباد نہ کرے اور اس کو درست طریقے سے استعمال کر کے کامیاب ہو لیکن جب ایسا نہ ہوا صباحت وقت ضائع کرتی رہی اور آخر کار میٹرک میں بہت ہی کم نمبروں سے پاس ہوئی۔

اتنے کم نمبر دیکھ کر ماں باپ کو زبردست دھچکا لگا جیسے ان میں لینڈ سلائیڈنگ ہو رہی ہو۔ کچھ سمجھ نہ آیا صدمے نے ان کا ذہن ماؤف کر دیا۔ باقی سب رشتے داروں کے بچوں نے اچھے نمبر لئے تھے اور صباحت کے نمبر تو......

ماں باپ کی آنکھیں تو کھلیں لیکن بہت دیر بعد جب کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو کوسنے لگے دونوں نے ٹیچرز اور ٹیوشن والوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ماں حیرت سے بولی کہ اتنی فیس ٹیوشن والوں کو تو دیتے تھے اس کے مارکس اتنے کم کیسے ہو سکتے ہیں باپ غصے سے بپھرا کھڑا

تھا۔ وہ رابعہ پر ہی برس پڑا

''جن کی مائیں گھروں میں رہ کر دیکھیں ہی نہ کہ اولاد کیا کر رہی ہے اس کی اولاد نے خاک پڑھنا ہے۔''

رابعہ جو پہلے ہی دلبرداشتہ تھی پھوٹ پڑی

''اب سارا الزام مجھے ہی دیں' آپ مردوں کی یہی عادت ہوتی ہے کہ اولاد اچھی ہو تو سارا کریڈٹ خود وصول کرتے ہیں اور اگر کوئی خرابی ہو جائے تو ماؤں کا ہی سارا قصور ہوتا ہے۔''

سرمد غراتے ہوئے بولا

''رابعہ Stop it بس کرو۔ ایک لفظ آگے مت بولنا۔''

ٹھہر کر مزید بولا

''تم عورتیں جذباتی ایکٹ مت کیا کرو۔ اپنا کام وقت پر کرتی ہو نہیں اور الزام دوسروں کو کرنا شروع کر دیتی ہو۔'' یہ کہہ کر سرمد باہر نکل گیا۔

صباحت کو اب بھی پرواہ نہیں تھی وہ اسی روٹین کو اپنائے ہوئے تھی۔ اب وہ بھی ہیروئن کی طرح اپنے آپ کو بنانے سنوارنے لگی میک اپ کر کے شیشے میں دیکھتی۔ چہرے کا جائزہ لیتی اور کپڑے نئے ڈیزائن کے خریدتی۔ وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ ٹی وی پر چمکتے دمکتے چہرے اپنے کام کے لئے کس طرح دن رات محنت کرتے ہیں کتنی مشکلات سہنا پڑتی ہیں دن رات سیٹ پر کھڑے رہ کر کام کرتی ہیں یہ بہت مشکل کام ہے۔ شروع شروع میں صباحت کی فرینڈز نے اسے اس طرح بہت میک اپ کرنے' بال بنوانے اور کپڑوں کے بارے میں سوچتے رہنے سے منع کیا۔

مدیحہ نے تو صاف الفاظ میں کہا صباحت یہ بہت زیادہ بننے سنورنے پر توجہ دینے کی بجائے تم اپنا اچھا کیریئر بناؤ۔

سحرش نے صباحت کو سمجھایا کہ یہ ہیروئنیں وغیرہ صرف ٹی وی پر ہی اچھی لگتی ہیں۔ ان کی لائف بھی بھرپور ہوتی ہے مشکلات سے۔ وہ تمہیں مس حمیرا کی بات یاد ہے کہ وہ کہا کرتی تھی کہ انسان کو اصل خوشی فضول کاموں سے نہیں ملتی بلکہ اصل خوشی تو اچھا کیریئر بنا کر ملتی ہے۔ اچھے پیشے میں مصروفیت سے انسان کو عزت' اطمینان اور شہرت سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ یہی اصل خوشی ہوتی ہے وقت اچھا گزرتا ہے۔''

نادیہ نے بھی صباحت کو اچھے سے سمجھایا کہ ''وقت تو گزر جاتا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے والے ہی فائدے میں رہتے ہیں محنت کرو یہی وقت ہے۔''

صباحت کو سب کی باتیں ناگوار گزرتیں کیونکہ اس کا ذہن مکمل طور پر فلموں کے زیر اثر تھا۔

خادمہ نے صباحت کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ صباحت نے اندر آنے کا کہا

خادمہ نے بتایا کہ بڑی بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔ صباحت نیچے آئی تو حنا کو پایا۔ حنا اور صباحت ایک دوسرے سے ملیں۔ صباحت نے ماموں اور ممانی کے بارے میں پوچھا۔ حنا نے بتایا کہ ڈرائنگ روم میں ہیں۔ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ صباحت ماموں اور ممانی سے ملی اور گلہ کیا کہ بہت دنوں بعد آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مصروفیت ہی ایسی ہے۔ صباحت نے حنا کو بورڈ میں پوزیشن پر مبارکباد دی۔ حنا نے خوش

دلی سے مبارکباد قبول کی۔

حنا کی ماں زاہدہ نے صباحت کو نصیحت کی کہ اب سے محنت کرو تا کہ آگے تمہارے نمبر بھی شاندار ہوں۔ صباحت کے ماموں انجم اپنی بیوی کی بہت تعریف کرتے کہ اس نے حنا کی تربیت بہت محنت سے اعلیٰ کی ہے۔ زاہدہ نے حنا کو شروع سے ہی سارے کام سکھائے یہی وجہ تھی کہ حنا ہر کام میں بہت تیز طرار تھی اور بہت سمجھداری سے سارے کام کرتی اور ساتھ ساتھ وہ پڑھائی میں بھی سب سے لائق ہمیشہ سے رہی۔ سلیقہ شعار اور معاملہ فہم تھی جبکہ اس کے مقابلے میں صباحت ناسمجھ لاوبالی سی لڑکی رہی تھی۔ یہ سب دیکھتے ہوئے زاہدہ رابعہ اور سب عورتوں سے کہا کرتی تھی کہ اپنی لڑکیوں کو ہر کام سکھایا کرو تا کہ پڑھی لکھی ہونے کے ساتھ باقی سب کام بھی جانتی ہوں معاشرے کی اقدار جانتی ہوں ان کے مطابق چلنا سیکھیں کیونکہ معاشرے میں ہرفن مولا لوگوں کو ہی سراہا جاتا ہے۔ اپنی بیٹی کی انہوں نے تربیت اسی طرح کی تھی اب انہیں فکر نہ تھی جبکہ رابعہ کو اب ہر وقت اندر ہی اندر سے فکر رہنے لگی تھی زاہدہ نے اب رابعہ کو علیحدگی میں سمجھایا کہ رابعہ اب صباحت پر توجہ دو کیونکہ زندگی کسی کی بھی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی کہ آرام سے آنکھیں بند کر کے گزر جائے گی اس میں بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔

وہ کہتی کہ اس نے حنا کو شروع ہی سے مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے سمجھا دیا تھا کہ زندگی میں مشکلات اور تکالیف بہت زیادہ ہو جاتی ہیں جب ہم سہل پسند ہو جائیں اس لئے محنت ہمت کر کے سب کام کرو۔

رابعہ حسرت سے زاہدہ کو دیکھتے ہوئے بولی

"تم ٹھیک کہتی ہو صباحت کے معاملے میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے بچی کو وقت دینا چاہیے تھا تم نے بچوں کو وقت دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہارے بچے ذہین وجسمانی دونوں لحاظ سے اعلیٰ ہیں سب سے آگے، پرعزم، بلند حوصلہ اور اچھی سوچ کے مالک ہیں بہت اچھی اور اعلیٰ شخصیت ہے ان کی اور اس کے برعکس صباحت کی شخصیت منتشر ہے ہماری کوتاہی کی وجہ سے نہ توجہ اسے ملی اور نہ تربیت ہوئی۔"

زاہدہ نے رابعہ کو افسردہ دیکھ کر کہا "او ہو رابعہ اب توجہ دو بیٹی ہے تمہاری ٹھیک ہو جائے گی۔"

زاہدہ اور انجم کے جانے کے بعد گھر کی فضا ایک مرتبہ پھر تلخ ہو گئی۔ سرمد پھر رابعہ پر برس پڑے اور رابعہ بھی اپنا دفاع خوب کرتی رہی۔ صباحت اپنے کمرے میں ہونے کی وجہ سے بے خبر تھی خادمہ فریدہ چیخ چیخ سن کر گردن اکڑا کر بولی "قصور دونوں کا ہے مانتا ایک بھی نہیں۔ ایک دوسرے کو ہی قصوروار ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔"

فریدہ سر جھٹک کر اٹھی اور اپنے آپ سے مزید بولی "بجائے اس کے کہ اب دونوں مل بیٹھ کر مسئلے کا حل ڈھونڈیں مزید خرابی کر لیں گے۔"

یہ بڑبڑاتے ہی فریدہ نے ادھر ادھر دیکھا اور شکر ادا کیا کہ کسی نے سن نہیں لیا ورنہ تو شامت آ جاتی۔ مزید اپنے آپ سے بولی چھوڑو فریدہ اپنے کام سے کام رکھو ورنہ یہ تو صباحت لوگ ہیں کسی وقت بھی چلتا کر دیں گے اور کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔

صباحت کا داخلہ چاروناچار پرائیویٹ ہی کروانا پڑا کیونکہ کسی کالج میں داخلہ نہ ہو سکا۔ اتنے تعلقات اور اتنا اثرورسوخ کوئی کام نہ آیا۔

اب کالج کی زندگی صباحت کے لئے بالکل نئی تھی وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ کالج میں ہر قسم کی لڑکیاں ہوتی ہیں بہت پڑھنے والی بھی ہوتی ہیں کہ

جن کا دھیان پڑھائی پر ہی رہتا ہے یا یوں سمجھ لیا جائے کہ ان کا مرکز و محور کتابیں ہی ہوتی ہیں اور ایسی لڑکیاں تو اپنے کام سے کام رکھنے والی ہوتی ہیں۔ دوسری لڑکیاں جو بھی نظر آنے کے چکروں میں بنتی سنورتی ہیں پڑھائی بھی کرتی ہیں یہ بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی لیکن ایک گروہ ایسی لڑکیوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے جو دوسروں کا نقصان چاہتی ہیں وہ تیز طرار اور شاطر طبیعت کی ہوتی ہیں جو دوسروں سے ہر لحاظ سے فائدہ اٹھاتی ہیں چاہے اس کے لئے رابطے لڑکوں سے کروانے پڑیں' لڑکیاں پھنسا کر لانی پڑیں' غلط نشہ آور چیزیں دینی پڑیں یا غلط مشورے دے کر غلط راستے پر چلا دیں یہ سب کام ایسی تیز طرار لڑکیوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتے ہیں کیونکہ یہ باقاعدہ کسی گروہ سے رابطے میں ہوتی ہیں اور ان کے لئے کام کرتی ہیں۔

بعض ان میں سے کسی گروہ کا حصہ نہیں ہوتی لیکن یہ ان کی سرشت ہوتی ہے کہ وہ معصوم اور سادہ لڑکیوں کو بے وقوف بنا کر خوش ہوتی ہیں یہ ان کی فطرت ہوتی ہے۔ بالکل سانپ کی فطرت کی طرح ڈسنا۔ لیکن صباحت ان سب باتوں سے بے خبر تھی کیونکہ وہ گھر میں اکیلی تھی اس سے پہلے وہ اس طرح کے ماحول میں نہیں تھی۔ کالج میں لڑکیاں بہت تیز تھیں۔ اس لئے اسے دوسروں کا اندازہ نہ ہو سکتا کہ کون کیا کہہ رہا ہے اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

اگر وہ پڑھائی پر توجہ دیتی تو کسی سے دوستی اس طرح نہ کرتی اور نہ کسی اور بات پر توجہ دیتی لیکن وہ تو ہیروئن کی طرح بنتی سنورتی جو کہ کسی طور درست نہ تھا۔ لیکن یہ سب کچھ اس کی عادت بن چکی تھی عادت کی زنجیر دیکھنے میں بہت نازک اور کمزور معلوم ہوتی ہے لیکن توڑنے لگو تو بہت مضبوط ہوتی ہے۔ صباحت کے لئے تبدیلی مشکل تھی۔ انعم جو کہ لڑکوں سے سادہ لڑکیوں کی دوستی کرواتی اور اپنا حصہ وصول کرتی تھی اس نے صباحت کا جائزہ لیا اور دوستی کی پیشکش کی۔ صباحت نے بنا سوچے سمجھے دوستی کر لی۔ انعم بہت تیز اور تجربہ کار تھی اس کے لئے صباحت جیسی لڑکیاں تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتی ہیں۔ انعم نے صباحت سے دوستی کر کے ایک دو ماہ بہت محتاط طریقے سے اچھائی کا لبادہ اوڑھ کر صباحت کا اعتبار حاصل کر لیا۔ انعم نے صباحت کے ساتھ ساتھ مہوش اور کچھ اور لڑکیوں کو بھی پھنسانے کے لئے جال پھیلا رکھا تھا۔ سب ہی انعم کو بہت مخلف اور اچھی لڑکی سمجھنا شروع ہو گئی تھیں۔ اب انعم آہستہ آہستہ ان کو بہکانے لگی اور ان کو کلاسز مس کروانے لگی۔ یہ پرائیویٹ کالج میں اتنا آسان نہ تھا لیکن انعم کی عیاری کے آگے سب ناممکن بھی ممکن ہو رہا تھا۔ وہ اب ان سے کہتی کہ شام کو مارکیٹ کا پروگرام بناتے ہیں اسی طرح سب پروگرام بنا کر ملاقات کرنے لگیں۔ کچھ ملاقاتوں کے بعد اب انعم نے مہوش کی دوستی عادل سے کروانے کے لئے اس کو چھٹی کے وقت ساتھ مارکیٹ چلنے کو کہا۔

وہ اس کو اپنے ساتھ مارکیٹ لے جانے کے لئے تیار تھی اور فون پر عادل کو مقررہ جگہ کا وقت دے رکھا تھا لیکن مہوش کو اس کا علم نہ تھا۔ عادل انعم کی بتائی ہوئی جگہ پہنچ گیا اور انعم کو دیکھ کر ایسے خوشی کا اظہار کیا جیسے اچانک ہی ملاقات ہوئی ہو۔ اور اس کی خبر پہلے نہ ہو۔ عادل انجان بن کر انعم کے پاس آیا اور کہا کہ کس لئے کہاں کا پروگرام ہے؟ انعم نے کہا کہ آپ کہاں اور اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں۔ عادل نے بتایا کہ ''وہ مارکیٹ جا رہا ہے۔'' انعم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا

''کیا اتفاق ہے ہم بھی مارکیٹ ہی جا رہے ہیں۔'' عادل نے انعم کو اپنی گاڑی میں جانے کی آفر کی۔ انعم نے مہوش کی طرف دیکھ کر انکار کرنے والا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا آج میری سہیلی بھی ساتھ ہے اس کو اچھا نہیں لگے گا اس لئے ہم رکشہ لے کر چلے جائیں گے۔

عادل نے As you Wish کہہ کر ادھر ادھر نظر دوڑائی اور دوبارہ کہا کہاں تم رکشہ ڈھونڈی پھرو گی چلو میرے ساتھ ہی چلو؟

انعم مزید مہوش کا اعتبار حاصل کرنے کے لئے بولی نہیں اچھا نہیں لگتا۔ پھر ٹھہر کر ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا رکشہ ڈھونڈنا بھی بہت مشکل ہے۔ چلو انتظار کرلیں گے تم ایسا کرو جاؤ ہم کچھ دیر انتظار کرلیں گے مہوش کیا وقت ہوا ہے؟

مہوش نے وقت بتایا تو انعم نے Oh My God' سر پکڑ کر کہا

مہوش حیرت سے ''کیا ہوا۔''

انعم نے سر جھٹکتے ہوئے کہا'' پتہ نہیں مجھے کیا ہوگیا ہے میں بھول ہی گئی ایک کام تھا۔''

انعم نے مہوش کو سوچنے کا موقع دیئے بغیر کہا کہ ایسا کرتے ہیں عادل کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ عادل سوری ہمیں تمہارے ساتھ ہی جانا پڑے گا۔'' انعم نے افسردگی سے کہا۔

عادل جو کہ گاڑی کھول کر جھوٹ موٹ کا انجن چیک کر رہا تھا بولا چلو ٹھیک ہے شکر کرو کہ میں نکل نہیں گیا۔ گاڑی کو چیک کرنے کا خیال آ گیا ورنہ تم تو نہ جانے کب تک رکشے کے انتظار میں ہی کھڑی رہتی۔

انعم مہوش سے یہ کہہ کر کہ مجبوری ہے ورنہ رکشے کا انتظار کر لیتے یہ کہہ کر مہوش کو لے کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ عادل نے ہی انعم کے فون پر راستے میں مس کال کی اور میسج کیا۔ انعم نے میسج پڑھنے کے بعد ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا''اوشٹ مجھے تو جانا پڑے گا۔'' مجھے نائمہ سے کچھ کام ہے مارکیٹ تو آنے والی ہے وہ عادل کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

''تم ایسا کرو مہوش کو لے کر مارکیٹ پہنچو میں بس پانچ منٹ میں آئی'، وہ یہ کہہ کر جلدی سے گاڑی سے اتر گئی۔

مہوش کو شک ہونے لگا کہ دال میں کچھ کالا ہے لیکن اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ ساری کی ساری دال ہی کالی ہے۔ مہوش نے بہانہ بنا کر باہر نکلنا چاہا اس نے باہر دیکھتے ہوئے کہا کہ ایک منٹ کے لئے یہاں روکیں مجھے وہ پرس خریدنا ہے لیکن اسے عادل کی آنکھوں میں مکاری اور عیاری صاف دکھائی دی وہ بہت چالاکی سے ہنسا۔ مہوش کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ عادل نے رومال مہوش کے قریب کیا وہ تو جیسے نیم بے ہوش ہوگئی۔ عادل مہوش کو لے کر ہوٹل پہنچا اس نے دوبارہ کوئی دوائی سونگھائی جس سے وہ ہوش میں آ گئی لیکن اس کا ذہن جیسے کام نہیں کر رہا تھا۔

عادل نے اسے کہا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آئیں کچھ دیر آرام کرلیں۔

مہوش باہر نکلی اور سب سمجھ گئی اس نے رش میں شور مچا دیا اور عادل کو مارنے لگی۔ عادل کے باقی ساتھی تو بھاگ گئے اور لوگوں نے عادل کو خوب مارا اور پولیس کے حوالے کر دیا۔ مہوش باعزت گھر پہنچ گئی۔ عادل اور اس کا تمام گروہ پکڑا گیا۔ مہوش کے گھر والوں نے سب کو گرفتار کروا لیا۔ انعم بھی گرفتار ہوگئی۔

کالج سے انعم کا نام خارج کر دیا گیا۔ مہوش نے سب کو بتایا کہ کس طرح وہ گروپ کے لئے کام کرتی تھی۔ اس نے باقی ایسی لڑکیوں کے نام بھی بتا دیئے۔

صباحت کومہوش نے انعم کے بارے میں سب کچھ بتایا تو وہ بہت حیران ہوئی اور کہنے لگی کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے انعم تو بہت ہمدرد غمگسار اور ایماندار تھی۔

مہوش ہنسی میں بھی ایسا ہی سمجھتی تھی اسی لئے بھروسہ کیا۔ ارم جو پاس ہی بیٹھی تھی بول اٹھی واقعی جن پر بہت اعتبار اور بھروسہ ہوتا ہے دھوکہ وہی لوگ دیتے ہیں۔ وہ شعر سنا ہے تم نے

دل کو ہوتا ہے جن پہ بہت بھروسہ تابش
وقت پڑنے پر وہی لوگ دغا دیتے ہیں

صباحت نے حیرت سے ارم سے پوچھا کہ تم لوگ کیسے اشعار یاد رکھ لیتے ہو۔ ارم زور سے ہنسی اور کہا بس رہ جاتے ہیں۔ صباحت مجھے یقین نہیں آتا کہ انعم ایسی نکلے گی۔ مہوش آہ بھرتے بولی یقین تو مجھے بھی نہیں آتا لیکن کیا ہوجاتا اگر لوگ نہ پہنچتے۔

صباحت حیرت سے مہوش کو دیکھنے لگی۔ مہوش لمبی سانس لیتے بولی پتہ ہے صباحت میں بھی امی سے یہی کہا تھا تو انہوں نے کیا کہا

صباحت مختصراً بولی کیا۔

مہوش آنکھیں جھکائے ہوئے بولی امی کہتی ہیں کہ ایسے لوگ جو دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں انہوں نے اپنے اوپر اچھائی کا خول چڑھایا ہوتا ہے ورنہ اگر ان کا اصلی چہرہ سب کے سامنے ہو تو ان پر بھروسہ کون کرے یہ لوگ نیکی اور اچھائی کر کے دوسروں کا اعتبار حاصل کر کے اس کو دھوکہ دیتے ہیں بس۔

صباحت کو انعم کی اصلیت کا بہت دھچکا لگا کہ وہ اوپر سے کیا بنتی تھی اور نکلی کیا۔

☆......☆......☆

گروپ کی سب لڑکیاں عید کی تیاری کے بارے میں بتاتیں۔ صباحت کی ماں نے بھی ہمیشہ کی طرح چیزیں خود خرید کر اس کے کمرے میں پہنچادیں۔

عید کے دن صباحت نو بجے اٹھی اپنی سہیلیوں کو فون کر کے عید مبارک کہا باتیں کیں اور تیار ہو کر نیچے آئی۔ آیا کو عید مبارک کہا اور امی ابو کے کمرے میں آئی وہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ کمرہ خالی ہے اور دونوں کمرے میں نہیں ہیں۔ فریدہ سے پوچھا کہ امی ابو کہاں ہیں فریدہ نے بتایا کہ وہ تو کچھ دیر پہلے چلے گئے ہیں کسی ادارے میں بچوں کے ساتھ عید منانے کے لئے گئے ہیں۔ فریدہ یہ کہہ کر کچن میں جاتے صباحت کو کہہ گئی۔

آپ بیٹھیں آپ کے لئے چیزیں تیار کی ہیں لگاتی ہوں فریدہ یہ کہہ کر کچن میں چلی گئی۔

صباحت کو بہت دکھ ہوا کہ آج عید کے دن بھی اس کو ماں باپ نے گلے نہیں لگایا اس کے ساتھ چند گھنٹے نہ گزارے وہ اپنے آپ سے غصے سے بولی کہ

''میرے ماں باپ کو سب کا خیال ہے نہیں ہے تو میرا نہیں ہے۔ آج بھی میرا کچھ خیال نہ کیا ہے۔''

وہ فریدہ کو چیزیں لے کر آتے دیکھ کر خاموش ہوگئی۔فریدہ جان چکی تھی لیکن وہ بھی بیچاری کیا کرسکتی تھی چیزیں رکھ کر دوبارہ کچن میں چلی گئی۔صباحت کرسی کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی ایک دو اور تین صباحت فون کی طرف بڑھی اور اس امید سے اٹھایا کہ امی یا ابو میں سے کسی کو اس کا خیال آیا ہوگا اس لئے انہوں نے کیا ہوگا۔صباحت نے فون اٹھایا تو دوسری طرف سے آواز آئی ریحان بول رہا ہوں۔صباحت کی امیدیں ایک مرتبہ پھر ٹوٹ گئیں۔۔ریحان نے صباحت کو عید مبارک کہا۔

صباحت نے پوچھا کہ کس سے بات کرنی ہے؟

ریحان نے مختصراً کہا ”آپ سے۔“

صباحت نے حیرانگی سے پوچھا کہ آپ کون۔

ریحان رک کر آہ لیتے ہوئے بولا کہ ریحان بتایا تو ہے ابھی آپ کو۔

صباحت ہاں آپ نے بتایا ہے لیکن میں آپ کو نہیں جانتی ہوں کہ آپ کون ہیں؟ اور کیوں فون کیا ہے؟

ریحان بولا ظاہر ہے عید مبارک کہنے کے لئے فون کیا ہے صباحت لیکن میرا نمبر آپ نے کہاں سے لیا ہے؟

ریحان رک کر بولا چاہنے والے تو حاصل کر لیتے ہیں۔

صباحت بے دلی سے بولی جو ریحان صاف جانچ گیا۔اس لئے اس نے مناسب سمجھا کہ فون بند کردیا جائے۔

ریحان نے کہا کہ میں آپ کو دوبارہ کال کروں گا اور بتاؤں گا اس وقت مجھے کچھ ضروری کام ہے مصروفیت ہے۔

صباحت نے بیزاری سے فون رکھ دیا۔

ریحان فون رکھ کر بہت ہنسا اور کہنے لگا میں نے بڑی بڑی سمجھدار لڑکیوں کو بے وقوف بنالیا اپن کے لئے تجھے بے وقوف بنانا کیا مشکل ہے۔ذرا سی تو چڑیا ہے اور وہ بھی سونے کی۔

ریحان کا کام ہی امیر لڑکیوں کو بے وقوف بنا کر شادی کا جھانسا دے کر نکل جانا تھا بس مال لے کر اپنا مطلب نکالنا تھا اس مقصد کے لئے اس نے صباحت کو بھی کال کی اور پکا کام کرنا چاہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صباحت اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہے۔

شام کو صباحت کے والدین اس کے لئے تحائف لے کر آئے۔اس کے ساتھ وقت گزارا کھانا کھایا گپ شپ کی اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

صباحت جو صبح سے اداس تھی کچھ دیر کے لئے خوش ہوگئی۔کمرے میں آ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا جائزہ لینے لگی۔کافی دیر کھڑی اپنے آپ کو دیکھتی رہی اور نجانے کن سوچوں میں گم ہوتی رہی کہ بہت دیر بعد نظر گھڑی پر پڑی تو بارہ بج رہے تھے۔صباحت نے کپڑے تبدیل کئے اور اپنے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ماں باپ کے ساتھ گزرا وقت ذہن میں اتر آیا اور سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ جن بچوں کے ماں باپ روزانہ ان کے ساتھ وقت گزارتے ہیں کھانا کھاتے ہیں وہ کتنے خوش رہتے ہونگے۔وہ یہ سوچ کر افسردہ ہوجاتی کہ میرے ماں باپ کو اس بات کا اندازہ کیوں

نہیں کہ مجھے بھی ان کی ضرورت ہے۔ان سے اپنے احساسات شیئر کرنا چاہتی ہوں' باتیں کرنا چاہتی ہوں' اپنے مسئلے بتانا چاہتی ہوں لیکن ماں باپ کوتو اس بات کا احساس ہی نہیں ہے۔

صباحت یہ سوچ کر بیٹھ گئی نیند کا نام ونشان نہ تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے کی کھڑکی میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ رات کے اس پہر بھی اکا دکا گاڑیاں سڑک پر رواں دواں تھیں۔ ہر طرف عجیب قسم کی خاموشی تھی۔ بہت کم لوگ سڑک پر تھے۔اس خاموشی کو دیکھ کر صباحت پر بھی عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ ہر طرف خاموشی اور سکون میں کھڑکی کے پاس کھڑی آسودگی محسوس کر رہی تھی۔ اور وہ سب کچھ باہر دیکھتے ہوئے بھول چکی تھی۔اس وقت وہ صرف اور صرف آسمان پر موجود ستاروں اور چاند کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ سب کتنا خوبصورت ہے۔اس نیلے آسمان پر چمکتا ہوا چاند اور اس کے ساتھ ہر طرف بکھرے ستارے ہی تو خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔اگر صرف چاند ہوتا اور ستارے نہ ہوتے تب بھی آسمان ایسا خوبصورت تو نہ لگتا اور اگر چاند نہ ہوتا اور صرف یہ ستارے اسی طرح ہوتے تو بھی تو یہ خوبصورت نہ رہتا۔ وہ بہت رات اسی طرح کھڑی رہی نجانے کس گھڑی وہ جا کر بستر پر لیٹی اور آنا فانا سوگئی۔

دوسرے دن صباحت بہت خوشگوار موڈ میں اٹھی جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو کر نیچے آئی تھی کہ آج امی ابو سے کہے گی کہ سیر کے لئے چلیں ناشتے کے دوران اپنی فرمائش ان کے آگے رکھ دی۔ اور التجا کے ساتھ خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ضرور مانیں۔ صباحت کی بات سن کر سرمد اور رابعہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ رابعہ نے کہا

''بیٹا کہاں اتنا وقت ہے آج تو تمہیں پتہ ہے کہ عید میلہ ہے بچوں کے پروگرام کروا رہی ہوں۔''

صباحت نے سوالیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔ سرمد پیار بھرے الفاظ کے ساتھ بولے

''ہم دوستوں نے پارٹی رکھی ہے سوری بیٹا مصروفیت ہی ایسی ہے۔''

ناشتے کے دوران صباحت نے مزید کوئی بات نہیں کی۔ ناشتے کے بعد بجھے بجھے اور بوجھل دل کے ساتھ کمرے میں آ گئی۔

صباحت نے موبائل کو ہاتھ میں لیا اور واپس رکھ دیا کیونکہ سب سہیلیاں کہیں نہ کہیں گئیں ہوئی تھیں۔ سب اپنے گھر والوں کے ساتھ کسی نہ کسی مقام کی سیر کو گئی ہوئی تھیں۔ سب کسی نہ کسی رشتہ داروں کے ساتھ عید مناتے ہیں اور میرے ماں باپ ہی گھر پر نہیں آتے اس لئے رشتہ دار بھی گھر نہیں آتے۔

صباحت کافی دیر انہی سوچوں میں محو رہی اس کے بعد پانی پینے کے لئے کچن میں آئی۔ پانی پی کر فارغ ہوئی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

صباحت نے دیکھا کہ شاید فریدہ آجائے جب چار پانچ گھنٹیاں بج چکی تھیں تب اس نے فون اٹھالیا۔

دوسری طرف سے آواز آئی کہ میں ریحان بول رہا ہوں۔ صباحت نے پوچھا' کون ریحان؟''

دوسری طرف سے رک کر آواز آئی کہ کل فون کیا تو تھا۔ صباحت نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا

''اچھا۔''

ریحان نے بات شروع کی۔صباحت نے بات کاٹتے ہوئے صاف کہہ دیا''مجھے آپ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لئے پلیز فون مت کیا کریں۔''

ریحان یہ سن کرہنس پڑا۔وہ کہاں ماننے والا تھاوہ اس میدان کا پکا کھلاڑی تھا۔اب ریحان نے مناسب یہی سمجھا کہ کچھ دن کے بعد دوبارہ فون کیا جائے۔وہ باہر اپنے دوست کے پاس چلا گیا نعمان نے ریحان سے پوچھا۔وہ تم بتاؤ وہ نئی چڑیا دانے پر بیٹھی کہ نہیں۔ریحان گہری سوچ سے نکلتے ہوئے بولا۔

''واہ نعمان یہ کام اتنا آسان اور جلدی کا نہیں ہوتا۔''

''لیکن تم تو ماہر ہو۔''نعمان نے سراہتے ہوئے کہا۔

ریحان نظریں اٹھاتے ہوئے بھنویں اچکاتے ہوئے بولا

''واہ واہ تم کیا سمجھے؟''

''ارے میاں!یہ کام بہت ہوشیاری اور آہستہ کرنا ہوتا ہے ورنہ ذرا سی غلطی سارا بنا بنایا کام خراب کر دیتی ہے۔''

نعمان وہ تو میں جانتا ہوں کہ ذرا سی غلطی دوسرے کو ہوشیار کر دیتی ہے۔

ریحان نے مزاحیہ انداز میں کہا کہ واہ نعمان لگتا ہے کہ تم نے بھی یہ کام شروع کر دیا ہے۔

نعمان سر کو جھٹکا دے کر بولا......خدا کے لئے ریحان باقی سب میرے لئے کہہ دینا......لیکن......کبھی بھول کر یہ مت کہنا کہ

''میں کسی لڑکی کو بے وقوف بناؤں گا یا کسی کے جذبات سے کھیلوں گا۔میں کسی کے ساتھ ایسا بھیانک مذاق کا بھی نہیں سوچ سکتا اور کروں ایسا تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔''

کافی دیر غصے کے بعد بولا

''تم نے یہ سوچا بھی کیسے میں تو تمہیں منع کیا کرتا ہوں خدا کے لئے کسی لڑکی سے اس قسم کے کھیل مت کھیلا کرو۔ان معصوموں نے تمہارا کیا بگاڑا ہوتا ہے تم کیوں ایسا کرتے ہو؟''

ریحان نے آہستہ سے کہا

یار نعمان میرا آج بھی وہی جواب ہے جو ہمیشہ سے تھا۔

''یہ لڑکیاں کوئی معصوم نہیں ہوتیں''

نعمان نے بات کاٹتے ہوئے غصے سے کہا

''یہ معصوم ہی ہوتی ہیں جو کہ تم جیسے عیار اور تجربہ کار مکاروں کا شکار ہو جاتی ہیں۔''

ریحان نے تلخ ہو کر جواب دیا

"یہ لڑکیاں کوئی دودھ پیتی بچیاں نہیں ہوتیں اور نہ یہ روٹی کو نوٹی کہنے والی ہوتی ہیں جن میں دماغ اور عقل نام کی کوئی چیز نہ ہوتی ہو۔"

نعمان لمبا سانس لیتے ہوئے بولا

"کچھ بھی ہو تمہارا طریقہ کار ہی ایسا ہے اچھی خاصی کو بھٹکا دیتے ہو۔"

ریحان طنز کرتے ہوئے بولا

"تم مجھے بتاؤ کہ کوئی مرد بھی اس لڑکی کو بے وقوف بنا سکتا ہے جو خود بے وقوف نہ ہو۔اس طرح کی لڑکیاں تب ہی مرد کے ہاتھوں بے وقوف بنتی ہیں جب وہ ہوتی ہیں کم عقل اور کمزور کردار کی۔"

نعمان افسردگی سے آہ بھرتے ہوئے بولا

"تمہیں کیا ضرورت ہے یہ کام کرنے کی کیوں خود کو غلط راستے پر چلاتے ہو۔"

ریحان اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے بولا۔

"نعمان میں یہ نہیں کہتا کہ میں بالکل ٹھیک کر رہا ہوں۔تم مجھے منع کرتے ہو میں تمہاری باتوں کی قدر کرتا ہوں۔تمہاری عزت کرتا ہوں......تمہاری اچھائی کا مداح ہوں......لیکن......تمام تر قصور میرا نہیں......سب غلطیاں میری نہیں۔تم خود سوچو کہ

"میں جن لڑکیوں کو بے وقوف بناتا ہوں اگر وہ اچھے سیرت و کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے بات نہ کریں تو میں زبردستی تو نہیں کر سکتا اور اس سے بھی بڑی بات کہ وہ اتنی بے وقوف ہیں کہ اپنے والدین جنہوں نے انہیں پالا ہوتا ہے خود سوچو یار کتنے سال کس کس طرح ماں باپ اولاد کو پالتے ہیں وہ ان کی پرواہ نہیں کرتی بلکہ میری دوستی اور مجھ پر اعتبار زیادہ کرتی ہیں تو ایسی لڑکیوں کے ساتھ ایسا تو ہوتا ہے اگر یہ مجھے اپنے والدین پر فوقیت نہ دیں ان کی عزت کا پاس رکھتے ہوئے مجھ سے نہ بات کریں تو خود سوچو کہ میں زبردستی نہیں بے وقوف بنا سکتا تم مانو یہ لڑکیاں واقعی بے وقوف ہی ہوتی ہیں اس لئے ہم جیسے لوگ تو اپنا فائدہ اٹھا لیتے ہیں"

نعمان حیرت سے ریحان کو دیکھتا رہا۔

ریحان نے نعمان کو حیرت میں مبتلا دیکھ کر کہا

او یار آؤ چائے پیتے ہیں

چائے کے دوران پھر نعمان نے ریحان سے کہا

"تم ایسا مت کرو تم ایسا کر کے اپنے ضمیر پر کیوں بوجھ ڈالتے ہو ان کاموں سے بعد میں پچھتانا ہی پڑتا ہے لیکن اس وقت تو فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ وقت کبھی بھی اور کسی قیمت پر لوٹ کر نہیں آیا کرتا۔مت کسی کا دل دکھایا کرو یہ نہ ہو کہ کسی کے دکھوں کا ذمہ دار تم بن تو جاؤ لیکن اپنا آرام و سکون ہر لحاظ سے تم گنوا دو اور اپنے کیے پر پچھتاؤ لیکن وقت نہ لوٹ کر آئے۔"

پلیز ریحان ایسا مت کرو یہ کہہ کر نعمان خاموش ہو گیا۔

ریحان کے کانوں میں دادا کی آواز گونجنے لگی۔

''بیٹا کبھی کسی کی آہ نہ لینا بعض اوقات کسی کی آہیں زندگی تباہ کرنے کے لئے کافی ہوتی ہیں۔''

نعمان نے ریحان کو سوچ میں گم دیکھا تو وہ بھی خاموش رہا کچھ نہ بولا۔

کافی دیر بعد نعمان نے اجازت چاہی اور دونوں دوست اپنے اپنے راستے روانہ ہوئے۔ راستے میں ریحان کو نعمان کی باتیں یاد آنے لگیں۔ ابھی انہی سوچوں میں تھا کہ فرحان کے فون سے سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ فرحان کا فون نعمان کے مختصر اُبات کے بعد یہ کہہ کر بند کر دیا کہ گھر جا کر فون ضرور کرے گا۔ فون بند کر کے رکھنے کے بعد وہ گاڑی سے باہر محو ہو گیا۔ ہر طرف بسوں' کاروں' سائیکلوں کی گھنٹیاں' موٹر سائیکلوں اور رکشوں کا ہجوم تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سارے کے سارے لوگ ہی سڑکوں پر آ گئے ہوں۔ ہر طرف خوب گہما گہمی تھی۔ دفتروں سے آتے جاتے لوگ' بازاروں اور مارکیٹوں سے عورتوں اور بچوں کی آمد و رفت' بزرگ لوگوں کا آہستہ چلنا سب ہی دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ ریحان یہ سب دیکھ کر سب کچھ بھول رہا تھا اور محو ہو گیا تھا۔ ریحان کو قدرے افسوس بھی ہونے لگا۔

کافی دیر کے بعد کھلے باغ میں جا کر بیٹھ گیا۔ اپنا جائزہ لینے لگا۔ کیا میں غلط کر رہا ہوں یا کیا یہ لڑکیاں ہی غلط ہیں۔ اگر میں انہیں بے وقوف نہ بھی بناؤں تو کوئی اور انہیں بے وقوف ضرور بنا لے گا لیکن میں...... لیکن میں بھی غلط ہوں کہ نہیں...... یہ درست ہے کہ میں بھی غلط ہوں لیکن یہ بھی تو غلط ہی ہیں۔

پاپڑ بیچنے والے بار بار آوازیں لگا رہے تھے۔ چائے کے بڑے بڑے تھرمس لئے کچھ لوگ آ جا رہے تھے اور چائے آفر کر رہے تھے۔

ریحان نے پہلے سوچا کہ چائے پینی چاہیے پھر سوچا کہ گھر قریب ہے گھر چلے جانا چاہیے۔

شام کا منظر آنکھوں کو خوبصورت نظارہ دے رہا تھا۔ پرندے اپنے اپنے گھروں کو رواں دواں تھے۔ سب لوگ آفس سے گھروں کو جا رہے تھے۔ کچھ مائیں بچوں کو باغ لے کر تفریح کی غرض سے آئی ہوئی تھیں جواب ان کو گھر جانے کا کہہ رہی تھیں۔ کچھ بچے کھانے کی ضد کر رہے تھے کچھ کھا رہے تھے ہر طرف ملے جلے لوگ مختلف کام کر رہے تھے۔ کچھ واک کرنے آئے تھے۔ بڑی توند والے تیزی سے بھاگ رہے تھے تا کہ کسی طرح ان کا بڑھا ہوا پیٹ اندر ہو جائے۔ ریحان اٹھا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ گھر پہنچ کر ماں سے باتیں کیں اور کمرے میں چلا گیا۔

صباحت کا دل پڑھائی میں نہ لگ رہا تھا کبھی ادھر اور کبھی ادھر کمرے میں چکر لگانے لگی۔ کافی دیر اسی طرح چکر لگاتی رہی۔ کمرے سے نکل کر نیچے آئی فریدہ سے چائے کا کہا۔ چائے کے لئے ٹیبل پر بیٹھ گئی۔ چائے پی کر فریدہ کے پاس کچن میں کھڑی ہوئی اس کے بعد باہر لان کی طرف نکل گئی۔ لان میں پودے دیکھ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

پودوں کو دیکھ کر صباحت سوچوں میں کھو گئی اور ان کا بغور جائزہ لینے لگی۔ کیاریاں صاف ستھری پھولوں کے پودوں سے بھری ہوئی تھیں۔ مختلف پھولوں کے پودے اتنی خوبصورتی سے لگائے گئے تھے کہ واقعی ہر طرف دلفریب نظارے تھے۔

صباحت باغ میں کافی سکون محسوس کر رہی تھی۔ گھاس پر ننگے پاؤں چلنے لگی۔ پھولوں کا جائزہ لینے لگی۔ وہ نئے کھلتے تازہ پھولوں کو غور سے

دیکھنے لگی اور سوچنے لگی کہ یہ پھول چند گھڑی کے لئے کھلتے ہیں اور اپنے ماحول کو معطر کر دیتے ہیں ہر طرف بھینی بھینی خوشبو بکھر کر مرجھا جاتے ہیں بالکل اسی طرح انسان بھی تو چند گھڑی کے لئے دنیا میں آیا ہے اور پھر چلا جاتا ہے۔ دنیا چھوڑ کر تو پھر وہ اپنے ماحول اور باقیوں کے لئے اپنی خوشبو کیوں نہیں بکھیرتا حالانکہ اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔

صباحت کو اپنی دوستوں کی باتیں یاد آنے لگیں۔ جو وہ اپنے والدین کے بارے میں ایک دوسرے سے کرتی تھیں اور اپنے آپ سے بولی کہ میں تو اپنے ماں باپ کے بارے میں کسی سے کیا کہوں کہ مجھ سے بات تک نہیں کرتے کیونکہ ان کے پاس میرے لئے کوئی وقت ہی نہیں یہ کیا ہے۔

یہ کہہ کر صباحت نے سرد آہ لیتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھا اور غمگین انداز میں اپنے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔اس کے کانوں میں ماضی میں اپنے دوستوں کی ساری کی ساری باتیں گونجنے لگیں۔اس نے اپنا دھیان ہٹانے کے لئے رسالہ اٹھایا اور پڑھنا شروع کر دیا۔کچھ ہی دیر بعد رسالہ اس نے واپس رکھ دیا اور تکیے پر ٹیک لگا کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

صباحت انہی سوچوں میں کھوگئی اور وقت کا خیال تک نہ رہا۔فریدہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔صباحت نے اندر آنے کا کہا فریدہ اندر آئی اور پوچھا

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے باجی آج آپ کھانا کھانے نہیں آئیں۔"

صباحت نے گردن اٹھا کر فریدہ کو دیکھا جو دروازے میں کھڑی تھی اور پوچھا کہ

"آپ کے والدین ہیں؟"

فریدہ حیران ہوگئی اور بولی جی بی بی جی ہیں۔صباحت دوبارہ فریدہ کو دیکھتے ہوئے بولی

"آپ کے پاس ہوتے ہیں"

فریدہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا

"نہیں بی بی جی وہ تو اپنے گھر ہوتے ہیں لیکن آپ آج کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

صباحت سر کو جھٹکاتے ہوئے بولی

"بس ویسے ہی۔"

فریدہ نے دوبارہ کھانے کا کہا۔صباحت نے فریدہ سے کہا"ٹھیک ہے آپ چلیں میں کچھ دیر بعد آ جاؤں گی۔"

صباحت پھر خیالوں میں کھوگئی کہ آج اگر امی ابو ساتھ ہوتے تو کتنا مزہ آتا۔افسردگی سے سوچنے لگی کہ میری سہیلیاں بھی تو ہیں جن کے ماں باپ ان کے دوست ہیں ہر بات شیئر کرتے ہیں کتنی خوش رہتی ہیں ان کی باتیں کرتی ہیں۔کتنا مزا آتا ہوگا کاش میرے بھی ایسے ہوتے۔

صباحت آہ بھرتے اٹھی اور نیچے چلی گئی۔کھانے کی میز پر بیٹھی کھانا کھایا اور باہر لان میں جاتے ہوئے فریدہ کو بتا کر نکل گئی۔

صحن سے ہوتے ہوئے باغ میں کیاریوں کے پاس جا کھڑی ہوئی۔دھوپ میں کیاریاں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔وہ دیکھتے ہوئے خوش ہو رہی تھی۔ہرے بھرے اور خوبصورت دلکش پودے کتنے مسحور کن خوشگوار احساس دیتے ہیں۔ان پر لگے ہوئے پھل کتنے خوبصورت اور

تازہ لگتے ہیں بلکہ ان کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ صباحت پودوں پر لگے پھلوں کو دیکھ کر یہ سوچ رہی تھی۔ صباحت کی نظر جھولوں پر پڑی تو جا کر جھولے پر بیٹھ گئی۔ جھولے لیتے وہ ہر طرف کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ یہ سوچ کر افسردہ ہو گئی کہ

''ماں باپ نے ہر چیز فراہم کر رکھی ہے باغ میں موجود ہر چیز ہے اس کا خیال بھی رکھا ہے۔ جھولے سوئمنگ پول تک فراہم کئے ہیں نہیں سوچتے تو میری تنہائی کا کبھی نہیں سوچا کہ مجھے ان کی ضرورت ہے ان سے باتیں کرنے دل کو ہلکا کرنے کی ضرورت ہے ان کا وقت میرے لئے کیوں نہیں۔

صباحت یہ سوچ کر بہت افسردہ ہوئی کہ ماں باپ کو باقی سب کچھ سمجھ آتا ہے باقی ہر چیز کا خیال ہے لیکن میرا کیوں نہیں......ان کو میری پرواہ کیوں نہیں ہے......میرے احساسات کو......میرے جذبات کو......میری خواہشات کو......وہ کیوں کبھی نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ان کی اولاد ہوں کوئی گڑیا تو نہیں ہوں۔

صباحت یہ سوچ کر بوجھل دل کے ساتھ اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چلی۔ وہ کمرے میں پہنچ کر بہت رونے لگی اور بہت دیر رونے کے بعد وہ نیچے آ گئی۔ چائے پی کر رسالہ لے کر کمرے میں آ گئی۔ رات گئے تک رسالہ پڑھتی رہی فریدہ نے کھانے کا کہا

صباحت نے پوچھا کیوں امی ابو آ گئے۔ فریدہ نے آہستگی سے کہا بیگم صاحبہ کا فون آیا تھا کہ وہ لیٹ ہو جائے گی اس لئے آپ کے لئے پیغام بھیجا ہے کہ آپ کھانا کھا لیں۔ صباحت سے جواب میں کچھ نہ بولا گیا۔ فریدہ کچھ دیر کھڑی رہی اور چلی گئی۔

صباحت کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنے آپ سے بولنے لگی کہ میری اتنی بے قدری کیوں کہ عید پر بھی میرے ساتھ وقت نہیں گزار سکتے۔ بچوں کے ساتھ عید کے پروگرام کرنے کا خیال تو ہے لیکن میرے لیے کوئی وقت نہیں۔

وہ بہت دیر روتی رہی اور نجانے کب ہی کھانا کھائے بغیر سو گئی۔

عید کا تیسرا دن بھی رابعہ بیگم اور سرمد کا بہت مصروف تھا۔ دونوں نے دن کے پروگرامز کا ایک دوسرے کو بتایا صباحت جو بہت ہی چپ چپ بے دلی سے ناشتہ کر رہی تھی ماں باپ سے مخاطب ہو کر بولی۔

''آپ دونوں کو سب کی فکر ہے سب پروگرامز بنانے کا خیال رہتا ہے لیکن نہیں تو میرا خیال نہیں رہتا کہ میں بھی آپ کی اولاد ہوں مجھے بھی آپ کے وقت کی ضرورت ہے۔''

سرمد اور رابعہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے دونوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان سے صباحت اس طرح بات کرے گی۔ رابعہ نے پہلے صباحت سے پیار سے پوچھا

''صباحت کیا ہوا ہے آج یہ کیا کہہ رہی ہو۔''

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد صباحت بولی

''مجھے کچھ ہوا ہے کہ آپ دونوں کو ہو گیا ہے سارے علاقے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے لیکن میرا کوئی خیال نہیں ہے آپ دونوں کو کہ میں کس

طرح ترستی ہوں آپ سے بات تک کے لئے اکیلی سڑتی رہتی ہوں گھر میں۔"

سرمد حیرانگی سے صباحت کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولے

"بیٹا ایسا نہیں کرتے یہ کیا کہہ رہی ہو ہم تو تمہارا ہر لحاظ سے خیال رکھتے ہیں۔"

صباحت روتے ہوئے ہچکیاں لیتے ہوئے بولی

"آپ کی نظروں میں میری اتنی وقعت نہیں کہ ایک دن میرے لئے نکال سکیں پورے سال میں۔لوگ کتے بلیاں بھی پالتے ہیں تو انہیں بھی وقت دیتے ہیں۔کوئی پودا بھی گھر میں لوگ لگاتے ہیں تو اس کی بھی دیکھ بھال کرتے ہیں جو کوئی اپنے گھر میں کچھ رکھتا ہے تو اسے وقت دیتا ہے لیکن میری اتنی قدر نہیں کہ مجھے تھوڑا سا وقت بھی دے سکیں۔"

سرمد اور رابعہ ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے کہ اچانک صباحت کو کیا ہو گیا ہے۔دونوں فکر مند ہو گئے اور پیار بھرے لہجے میں صباحت کو دیکھ کر بولے

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ایسا نہیں ہے جو آپ سوچ رہی ہو۔" رابعہ کہہ رہی تھی اور سرمد تائید کر رہے تھے۔صباحت نے نفی میں سر ہلایا اور ٹیبل سے اٹھ کر چلی گئی۔سرمد نے رابعہ کو کہا کہ اس کے پیچھے جائے۔رابعہ جو تذبذب کا شکار تھی بولی کہ "اس وقت جانا مناسب نہیں ہے بعد میں دیکھنا چاہیے اس وقت اس کو اس کے حال پر چھوڑنا چاہیے بعد میں دیکھیں گے۔"

سرمد اور رابعہ اپنے اپنے پروگرام کے مطابق چلے گئے۔فریدہ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی اور صباحت اپنے کمرے میں تنہائی محسوس کرنے لگی۔وہ حد درجہ بیزار بیٹھی تھی اور اس کا سارا غصہ اس بات پر تھا کہ ماں باپ اس کے رونے اور کہنے کے باوجود چلے گئے وہ واقعی سوچنے لگی کہ اس کی پرواہ کسی کو نہیں ہے وہ جیسے ایک بیکار شے ہے جس کی کسی کو ضرورت نہیں ہے۔

کافی دیر اسی طرح افسردہ رہنے کے بعد وہ اٹھی منہ ہاتھ دھویا اور نیچے چلی گئی۔وہ نیچے آئی تو فون مسلسل بج رہا تھا۔ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف ریحان بول رہا تھا۔صباحت بہت افسردہ تھی بیزار بھی لیکن اس نے فون بند نہ کیا کیونکہ ریحان نے باتیں ہی کچھ اس مختلف انداز سے شروع کیں کہ بیزاری اور بے دلی کے باوجود فون سنتے چلی گئی۔کیونکہ ریحان کا انداز ہ گفتگو ہی کچھ ایسا تھا کہ وہ بند نہ کر سکی اور کچھ صباحت کی بیزاری نے بھی بند نہ کرنے دیا۔ریحان نے ایک دو باتیں کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔صباحت باہر چلی گئی۔وہاں بھی دل نہیں لگا تو واپس آ کر کمرے میں موبائل پر گیم کھیلنے لگی۔آدھی گیم کے بعد موبائل پھینک کر کمپیوٹر پر آ کر بیٹھ گئی۔کافی دیر کمپیوٹر پر مصروف رہی حتیٰ کہ فریدہ دن کے کھانے کا کہنے آئی وہ نیچے گئی کھانا کھا کر واپس آ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی بیزاری سے بولی کہ ابھی تو تین چھٹیاں مزید ہیں کوئی کیا کرے ان کا اتنی ساری چھٹیوں کا۔لیکن......لیکن......وہ یہ کہہ کر پھر بیڈ پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔

جن کے گھر میں سب ہوتے ہیں وقت ماں باپ کے ساتھ گزرتا ہے کہیں جاتے ہیں یہ ان کے لئے تو ہیں اور مجھ سے بے وقعت انسان کے لئے تو شاید ایک چھٹی بھی نہیں ہونی چاہیے۔"

یہ سوچ کر دکھ بھری آہ لے کر بے بسی سے لیٹ کر چھت کو گھورنے لگی۔

''ابھی بھی تین چھٹیاں باقی ہیں میں تو پاگل ہو جاؤں گی۔''

صباحت نے سر پکڑ کر کیلنڈر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔فریدہ جو اس کو کھانے کا کہنے آئی تھی دروازے کے باہر سے صباحت کی آواز سن لی دروازہ کھٹکا کر صباحت کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔صباحت نے ناگواری سے آنے کا کہا۔فریدہ نے کھانے کا کہا اور دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

شام کی چائے صباحت نے کمرے میں ہی پی اور خاموشی سے رات تک بیٹھی رہی۔نہ نیچے آئی نہ فریدہ سے کچھ کہا بس اپنے بیڈ پر ہی بیزاری سے سر گھٹنوں میں دیئے بیٹھی رہی۔

رات کو سرمد نے رابعہ سے پوچھا کہ صباحت نے کھانا کھالیا ہے رابعہ ''پتہ نہیں'' مختصراً کہہ کر خاموش ہوگئی۔سرمد نے فریدہ سے پوچھا۔فریدہ نے کہا کہ کھانا نہیں کھایا صباحت بی بی نے ان کا کہنا تھا کہ آپ کے ساتھ کھائیں گی۔سرمد اور رابعہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔سرمد نے کہا اچھا کھانا لگاؤ اور صباحت کو بلا لاؤ۔

فریدہ کھانا لگا کر صباحت کو بلانے چلی گئی۔

سرمد نے رابعہ سے کہا کہ صبح یاد ہے نا کہ صباحت کتنا پھوٹ کر روئی تھی ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہیے وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

رابعہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں کہہ کر خاموش ہوگئی۔سرمد اور رابعہ دونوں اپنی اپنی جگہ ہی فکر مند نظر آرہے تھے۔

صباحت آئی سلام کیا اور بیٹھ گئی۔رابعہ نے صباحت سے پوچھا کہ ''ابھی تک کھانا کیوں نہ کھایا؟''

صباحت ہونٹ چباتے ہوئے بولی

''بس جی نہیں چاہ رہا تھا۔''

سرمد نے نظر اٹھا کر صباحت کی طرف دیکھا پھر رابعہ کی طرف اور خاموشی سے کھانا ڈالا۔

رابعہ کو صباحت کی بات عجیب لگی اور دونوں سر چکرا کر رہ گئے۔صبح صباحت کیا کہہ رہی تھی اب کیا کہہ رہی ہے۔یہ نارمل نہیں ہے انہوں نے سوچا اور مصلحتاً خاموش رہے کچھ نہ کہا۔

صباحت دونوں کے بیزار چہرے دیکھ کر مزید بیزار ہوگئی اور خاموشی سے کھانا کھایا۔

رات کو سرمد نے رابعہ سے خفگی سے کہا کہ صباحت کا خیال رکھنا چاہیے تھا تمہیں۔

رابعہ حیرانی سے سرمد کو دیکھ کر بولی ''آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے صباحت صرف میری بیٹی ہے۔''

کچھ رک کر مزید بولی۔

''آپ کا کوئی فرض نہیں ہے سب غلطی میری ہے۔''

سرمد ناگواری سے لاحول ولاقوۃ کہتے ہوئے بولے

''تم نہ کبھی پہلے سمجھی ہو نہ اب سمجھو گی۔تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔''

سرمد یہ کہہ کر بیڈ پر ناگواری سے لیٹ گئے۔

رابعہ بھی غصے سے اونچی آواز میں بولنے لگی

''میں بھی مصروف رہتی ہوں کوئی گپ شپ نہیں کرنے جاتی اور نہ بلاوجہ باہر گھومتی پھرتی رہتی ہوں۔''

سرمد واپس مڑ کر بولے۔

''تمہارا پہلا فرض گھر کو اور اولاد کو دیکھنا ہے یہ باقی کام نہیں ہوتے ہیں حرافات ہوتے ہیں صرف اور صرف وقت کی بربادی۔''

رابعہ سر جھٹکتے ہوئے اپنا دفاع کرتے ہوئے بولی

''آپ ہر بات کا سارا قصور مجھے نہ دیں آپ مردوں کی بھی نہ کبھی کسی کو سمجھ آئی ہے نہ آسکے گی۔''

ذرا رک کر مایوسانہ لہجے میں بولی۔

''عورت گھر داری میں ماہر ہو تو بھی مردوں کو پرابلم کہ سوشل نہیں ہے باہر جانا پسند نہیں کرتی دوسری عورتوں کی مثالیں دے دے کر جینا اجیرن کرتے ہیں۔اور باہر کے کام سنبھال لے نام کمائے عزت بنائے دوسروں کے شانہ بشانہ کام کرے تب بھی پرابلم رہتی ہے۔نہ ایک حال میں خوش رہتے ہیں نہ دوسرے حال میں۔بس جس چیز کا فرق لگے تو اسی میں جان گھسی رہتی ہے؟''

سرمد غراتے ہوئے بولے۔بس Stop it رابعہ اس سے آگے ایک لفظ بھی نہ کہنا ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔

رابعہ غصے سے باہر نکل گئی کافی دیر بعد دوسرے ساتھ والے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔اپنے آپ سے کہنے لگی

''ان مردوں کی نیچر بھی بڑی عجیب ہوتی ہے کسی طرح بھی راضی نہ رہنے والے۔صحیح کہتے ہیں کہ بیویاں ان کو ہمیشہ دوسروں کی اور اولاد اپنی اچھی لگتی ہے۔''

صبح رابعہ دیر سے اٹھی اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں جا کر تیار ہو کر چلی گئی۔

صباحت صبح ناشتے کے لئے آ بیٹھی۔فریدہ نے ناشتہ لگایا وہ توس' مکھن' جیم انڈے اور چائے کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی اور فریدہ کو بلا کر اخبار دیکھنے لگی۔

فریدہ جلدی سے آ کر دیکھنے لگی۔صباحت نے چیزوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ جو سب لوگ پراٹھے کھاتے ہیں وہ آپ اگر مجھے بھی بنا دیں بچپن سے لے کر یہی سلائس' مکھن' انڈے وغیرہ سے دل اچاٹ ہو گیا ہے۔

فریدہ نے خوش دلی سے جواب دیا''ٹھیک ہے بی بی جی میں بنا دیتی ہوں۔''

پراٹھے آلو والے بناؤں یا سادے۔

صباحت نے خوش ہوتے ہوئے کہا''ہاں فریدہ آج آلو والے بنا دو اور کل قیمے والے پھر پالک والے اسی طرح روز بنا دیا کریں ٹھیک ہے۔''

فریدہ مسکرا کر بولی ’’ٹھیک ہے بی بی جی جیسے آپ کو پسند ہے ویسے ہی ہوگا۔‘‘

صباحت آلو والے پراٹھے مزالے کر کھانے لگی۔اب روزانہ ہی ایسا کرتی اور کالج جانے کے لئے ناشتہ ماں باپ کے ساتھ ہی کرنا ہوتا اس لئے سلائس اور انڈہ ہی چائے کے ساتھ لے لیتی لیکن دن کے وقت وہ ضرور فریدہ سے کہتی کہ چائے کے ساتھ شام کو پراٹھا قیمے والا یا آلو والا ضرور بنایا کرے۔

چھٹیاں ختم ہونے پر صباحت خوشی سے کالج گئی کتنے دن کی بوجھل طبیعت رہنے کے بعد آج وہ ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔کالج میں سب نے اپنی ہفتے بھر کی مصروفیات ایک دوسرے کو سنائیں۔صباحت نے کسی کو کچھ نہ بتایا۔

سحرش نے اپنی مصروفیات سنانے کے بعد صباحت سے پوچھا ’’تم بتاؤ ناتم نے کیا کیا۔‘‘

صباحت افسردگی سے بولی۔

’’میں نے کیا کرنا تھا بس ساری کی ساری چھٹیاں ہی بور گزریں نہ بہن نہ بھائی اور مما پاپا کو اپنی مصروفیات سے بالکل فرصت نہیں‘‘

نادیہ تسلی دیتے ہوئے بولی

’’تم افسردہ کیوں ہو جاتی ہو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہارے ممی پاپا اتنا کام کرتے ہیں۔‘‘

’’تنہائی بہت بری ہوتی ہے کسی کام میں دل لگنے ہی نہیں دیتی۔صباحت نے دکھی لہجے میں کہا

سحرش بات کاٹتے ہوئے بولی ’’چلو آدھی بریک گزر چکی ہے۔چلو کچھ کھاتے ہیں وہی بات پھر کھوگی۔

پہلے پیٹ پوجا پھر کوئی کام دوجا۔‘‘

تینوں نے اٹھ کر کینٹین جاتے ہوئے ہنستی مسکراتی بولیں واقعی سحرش تم ٹھیک کہتی ہو۔

بریک میں سب نے کولڈ ڈرنکس اور سموسے لیےاور واپس آکر گراؤنڈ میں بیٹھ کر مزے سے کھانے لگیں سحرش نے سموسے کو دیکھتے ہوئے کہا

’’چھٹیوں میں سموسے اور بھٹے بہت یاد آتے تھے۔‘‘ نادیہ اور صباحت نے سحرش کی بات پر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

’’کسی ٹیچر‘ کسی پریڈ یا فرینڈ کی بات کرتی تو بھی کوئی بات تھی کہ تم نے مس کیا ہوگا اور یاد بھی آیا تو کیا۔‘‘ سحرش لمبی سانس لیتے ہوئے بولی

’’کیوں تمہیں مس کرنا چاہیے تھا شکر کیا تھا کہ چڑیلوں سے جان چھوٹی کچھ دن۔‘‘

نادیہ بیل کی آواز پر اٹھتے ہوئے بولی ’’اب کلاس میں چلو مس صاحبہ کا بورنگ لیکچر سنو۔‘‘

صباحت کالج سے چھٹی کے وقت نکلی تو ایک بزرگ بابا کو سر جھکائے ہوئے گیٹ کی دائیں طرف پایا۔آنسو قطرہ قطرہ ان کی آنکھوں سے ٹپک کر جھریوں سے بہے جا رہے تھے۔کچھ دیر کو صباحت ٹھٹھک کر رہ گئی اپنے پرس سے کچھ پیسے نکال کر بابا کے ہاتھ پر رکھے۔بابا نے پیسے واپس کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسے ہی تھک کر بیٹھ گئے ہیں۔صباحت کو ایسے لگا جیسے ان کا رونا ویسی ہی بے بسی کا ہے جیسے صباحت کا تنہائی کے عذاب میں رونا ہے۔گاڑی کے ہارن نے دوبارہ اس کی توجہ چاہی لیکن صباحت نے دھیان دیئے بغیر بابا سے پوچھا کیا ہوا ہے پھر آپ ایسے کیوں رو رہے ہیں۔

بابا نے سر اٹھا کر صباحت کی طرف دیکھا اور پیار سے بولے "بیٹا آپ گھر جاؤ یوں راستے میں کھڑے نہیں ہوتے۔"

صباحت بادل نخواستہ واپس پلٹی اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی وہ اپنے بچپن میں دادا کی یادوں میں کھو گئی کہ دادا بھی تنہائی میں اسی طرح رویا کرتے تھے۔

اسے یاد آیا کہ دادا کو کتنا چھوٹا سا کمرہ دیا ہوا تھا اور وہ اکثر امی سے کہا کرتی تھی کہ دادا جان کو بھی بڑا کمرہ دیں گھر میں اتنے کمرے ہیں لیکن کبھی اس کی کسی نے بات نہ مانی تھی۔ دادا کے ساتھ بیتے لمحے اسے یاد آنے لگے۔

اب صباحت کو احساس ہو رہا تھا کہ دادا ابا کیوں روتے تھے۔ گھر آ کر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد کھانا کھا کر پھر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بیڈ پر لیٹتے ہی اسے دادا پھر یاد آنے لگے۔ اب صباحت کو ان کے رونے کی کچھ کچھ وجہ سمجھ آنے لگی اور اپنے آپ سے بول اٹھی وہ بزرگ تھے تنہائی کا شکار نہ کہیں آنا نہ جانا نہ ان کے پاس کوئی بیٹھتا تھا بیچارے روتے نہ تو کیا کرتے۔ اسے اپنی ٹیچر کی کہی ہوئی بات گونج بن کر بار بار سنائی دینے لگی۔

بچہ اور بوڑھا دونوں روتے ہیں لیکن بزرگوں کے رونے میں دکھ کرب ہوتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ بزرگوں نے ساری زندگی گزاری ہوتی ہے جوانی میں ہر چیز پر حکومت کے بعد اب بے بسی محسوس کرتے ہیں محفلوں کے بعد اب تنہائی کی زندگی مشکل ہوتی ہے سب چیزوں کے دسترس کے بعد اب خالی ہاتھ مشکل ہوتے ہیں۔

صباحت کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے دادا کے ساتھ اتنی زیادہ نہ ان کے پاس کوئی بیٹھا کرتا تھا نہ کہیں لے کر جاتے تھے۔ بالکل ہی تنہائی میں وہ روتے نہ تو کیا کرتے اور میری امی...... میری امی...... جو بڑے بڑے دعوے انسانیت کی خدمت کے کرتی ہیں دادا کو اتنے چھوٹے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر دو باتیں بھی مہینوں نہ کیں نہ ہی شکل دکھائی اور میں کوئی پرندہ ہوں کوئی انسان نہیں ہوں اف امی کے دعوے صرف دکھاوا ہے۔ شیشے میں دیکھ کر مسکرائی اور اپنے سے کہنے لگی کہ وہ محاورہ تو کسی نے امی اور ساری ہی ایسی ہی جو ہوتی ہوں گی انہی کے لئے کہا ہے۔ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور اور کھانے کے اور

شمائلہ کی خالہ بھی تو بڑی دعوے کرتی تھی اور اس کی نانی کے ساتھ کتنا برا سلوک کرتی تھی اور اس کی ممانی کا جینا دوبھر کر رکھا تھا ذرا سی اس کی خامی کو لے کر اس کے ماموں سے طلاق کی بات کرتی تھیں یہ سب ہی نہ سہی زیادہ تر صرف پیسے اور دکھلاوا ہی کرتی ہوں گی۔ شکر ہے دادی اماں دوسرے چچا کے ہی رہی تھیں ورنہ تو ان کا اس سے بھی برا حال ہوتا۔

اس کا مطلب ہے کہ دونوں کو نہیں رکھنا چاہا نہ چچا نے نہ ابو نے اس لئے ایسا ہوا؟

صباحت کو ماضی کی ایسی باتیں یاد آنے لگیں وہ انہی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک نے سلسلہ توڑ دیا وہ متوجہ ہو کر بولی آ جاؤ...... فریدہ دروازہ کھول کر بولی

بی بی جی...... چائے...... صباحت نے پوچھا پراٹھا بھی۔ فریدہ نے اثبات میں سر ہلایا اور چلی گئی۔ اب ہر دوسرے دن ریحان فون کرتا اور

صباحت سے بات چیت کرتا۔ صباحت بھی فون پر بات کر کے خوش ہونے لگی۔ ایک ماہ تو اسی طرح فون پر باتیں ہوتی رہیں۔ ریحان نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے ملاقات کا نہ کہا۔ پھر ایک ماہ بعد کبھی کبھار ملنے کی خواہش کا دبے الفاظ میں اظہار کرتا رہا لیکن صباحت کو نہ بلایا۔ وہ صباحت کو یہی یقین دلاتا رہا کہ صباحت کی عزت کرتا ہے اور سچ میں چاہتا ہے گزرتے وقت کے ساتھ صباحت ریحان میں انوالو ہونا شروع ہو چکی تھی لیکن کسی کو بھی کانوں کان خبر نہ تھی کیونکہ صباحت کو نوٹ کرنے والا کوئی تھا ہی نہیں۔

تیسرے ماہ فون کا دورانیہ بڑھنے لگا۔ فریدہ نے نوٹ کیا لیکن اس کی کسی سہیلی کا سمجھ کر ٹال دیا۔ کیونکہ ہمیشہ سے صباحت بہت معصوم اور بھولی بھالی رہی تھی صباحت فون کے ٹائم پر بے چینی سے روزانہ انتظار کرتی اسے پڑھائی کا کوئی دھیان نہ تھا۔ دھیان تھا تو صرف اور صرف فون کا۔ ریحان کبھی کبھار فون جان بوجھ کر بہت دیر سے کرتا اور صباحت کا رویہ جانچتا۔ صباحت کی بے تابی سے وہ جاننے لگا کہ معاملہ آگے بڑھ رہا ہے اور اب کس طرح آگے بڑھنا چاہیے اس سے پہلے بھی ریحان دو لڑکیوں کو بے وقوف بنا کر ان سے ان کا زیور اور پیسے لوٹ چکا تھا اس لئے اسے صباحت کو بے وقوف بنانا مشکل نہ لگ رہا تھا اور اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اب آگے کیا کرنا ہے لیکن اس کے باوجود وہ احتیاط سے کام لے رہا تھا کہ کسی کو شک نہ پڑے۔

اب ریحان نے ملاقات کے لئے بلایا تو صباحت پہلے بہت گھبرائی لیکن ریحان نے شام کو مارکیٹ میں ملنے کا کہہ کر فون بند کرتے ہوئے دوبارہ وقت بتایا۔ صباحت فون بند کر کے پہلے کچھ تذبذب کا شکار ہوئی پھر سوچنے لگی ''ڈرائیور تو ساتھ ہوگا کیا پریشانی ہے۔ اچھا ہے آمنے سامنے بات چیت کا موقع مل جائے گا اس میں حرج ہی کیا ہے۔''

صباحت مقررہ وقت پر مارکیٹ پہنچی اور وقت گزاری کے لئے جیولری دیکھنے لگی۔ ریحان کو میسج کر کے جگہ کا بتایا کچھ ہی دیر میں ریحان سامنے موجود تھا۔

''کتنا خوش شکل اور ہینڈسم ہے اتنی پیاری صورت والے کی سیرت بھی یقیناً اچھی ہی ہوگی یہ دھوکہ نہیں دے سکتا۔''

ریحان صباحت کو سوچ میں دیکھ کر اندازہ کر چکا تھا کہ صباحت پھنس جائے گی وہ سوچنے لگا ویسے بھی پھنس تو چکی ہے ورنہ ملاقات کے لئے ہرگز نہ آتی۔

☆......☆......☆

صباحت کچھ دیر کی ملاقات سے واپس جاتے وقت پہلی بار مسرور نظر آ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی بھی اہمیت ہے لیکن گھر پہنچ کر کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا اور خاموشی سے کمرے کی طرف بڑھ دی۔ دو ہفتے بعد ریحان نے دوبارہ ملنے کے لئے کہا۔ صباحت نے اس دفعہ کسی ریسٹورنٹ میں ملنے کے لئے کہا۔ ریحان نے پارک میں ملنے کے لئے صباحت کو قائل کرتے ہوئے کہا پارک میں اگر کسی نے دیکھ لیا تو کہہ دینا کہ تمہارا جی چاہ رہا تھا سہیلی کے ساتھ جھولے لینے آ گئی۔ سیدھی سادھی صباحت ریحان پر اب اعتبار کرنے لگ گئی اور اسی کے مشورے کو اہمیت دیتی۔

پارک میں پہنچ کر ریحان نے صباحت کو گجرے پھولوں کے لے کر دیئے صباحت بہت خوش ہوگئی۔ اس کے پاس جیولری بہت تھی لیکن اس

وقت یہ بہت ہی اچھے لگ رہے تھے۔اس کے بعد ریحان نے صباحت کو برگر' کولڈ ڈرنک دی کھانے کے بعد جانے سے پہلے اس نے صباحت کو آئس کریم کھلائی۔اس کے بعد کچھ دیر دونوں درخت کے نیچے بیٹھ کر باتیں کرتے رہے اور صباحت کو جانے کے لئے کہا۔صباحت جلدی سے خدا حافظ کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ڈرائیور صباحت کا منتظر تھا وہ صباحت کو اکیلے بغیر کسی سہیلی کے آتے دیکھ کر کچھ پریشان سا ہو گیا۔

''آپ کی سہیلیاں آئیں تھیں؛

صباحت ڈرائیور کے سوال پر گڑبڑا سی گئی۔کچھ لمحوں کے لئے اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے۔

''ہاں آئیں تھیں وادھر ہی ہیں مجھے گھر جانا ہے طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' صباحت نے بہانہ بناتے ہوئے کہا

''کیا ہوا طبیعت کو؟''

صباحت کو ڈرائیور پر غصہ آنے لگا لیکن قابو پاتے ہوئے بولی'' کچھ نہیں بس سر میں درد ہے گھر جا کر ٹیبلٹ لوں گی ٹھیک ہو جائے گا۔''

راستے بھر صباحت باہر دیکھتی رہی اور ڈرائیور نے بھی کوئی سوال نہ کیا لیکن اب صباحت کی گھبراہٹ میں اضافہ ہونا شروع ہو چکا تھا نجانے اسے کیوں لگ رہا تھا کہ ڈرائیور کو شک ہو گیا ہے اور آئندہ اسے احتیاط سے کام لینا ہوگا۔

اب روزانہ صباحت اور ریحان دیر تک باتیں کرتے رہتے۔صباحت کے مزاج میں کافی تبدیلی آ گئی تھی اب وہ خوش رہنے لگی تھی اور پہلے سے زیادہ اپنا خیال رکھنے لگی۔فریدہ کے ساتھ پارلر بھی جاتی ہیئر کٹ تک میں نمایاں تبدیلی آ چکی تھی۔فریدہ ڈرائیور نے اس تبدیلی کو نوٹ کیا لیکن کچھ نہ بولے۔سہیلیوں نے کالج میں بھی صباحت کے رویے سے اندازہ لگایا کہ بات کوئی ضرور ہے کہ ہر وقت پریشان اور افسردہ رہنے والی صباحت اب ہنستی مسکراتی رہتی ہے اب وہ کوئی تنہائی کا گلہ شکوہ نہیں کرتی۔اب صباحت مہینے میں ایک دو مرتبہ ضرور ملنے جاتی لیکن اب کسی پارک میں نہیں بلکہ کسی لائبریری میں۔دونوں چلے جاتے اور وہاں سے گیٹ کے دوسری طرف سے گارڈن میں بیٹھ جاتے۔گارڈن میں ریحان نے اس مرتبہ پھول گفٹ کئے۔صباحت پھولوں کا گلدستہ لے کر بہت خوش ہوئی۔ریحان نے ساتھ کارڈ دیا جس میں صباحت کی تعریف میں چند جملے لکھے تھے۔

صباحت پڑھ کر بہت خوش ہوئی ابھی دونوں باتوں میں مگن تھے کہ صباحت کو اپنی کلاس فیلو حرا اپنی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔صباحت حرا کو دیکھ کر پریشان ہو گئی ریحان صباحت کو پریشان دیکھ کر بولا کیا ہوا۔صباحت نے حرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' وہ میری کلاس فیلو' ریحان نے حرا پر نظر ڈالتے ہی کمر کر کے اٹھ کر چل دیا جیسے وہ وہاں تھا ہی نہیں۔صباحت ریحان کو جاتے ہوئے دیکھ کر الجھ گئی۔اس کی کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا وہ کچھ دیر اسی حالت میں خالی الذہن سے ریحان کو جاتے دیکھتی رہی۔حرا نے صباحت کے چہرے پر افسردگی اور تناؤ کی کیفیت دیکھی اور حیرت سے کچھ دیر دیکھتی رہی۔صباحت حرا کو دیکھ کر بہت پریشان ہو گئی اسے یہ بالکل بھی توقع نہیں تھی کہ کوئی کلاس فیلو یوں مل جائے گی۔حرا مسکراتے ہوئے بولی''

صباحت یہاں اکیلے کیا کر رہی ہو''

صباحت شش و پنج کے عالم میں حرا کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا کہے حرا صباحت کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھتے ہوئے بولی''

کیا ہوا کیوں پریشان ہو کس کا انتظار ہو رہا ہے۔''

''کسی کا نہیں وہ میری کزن نے آنا ہے ابھی آئی نہیں۔''

تو یہ گلدستہ کس نے دیا ہے شاید اسی کے لئے تم لائی ہو۔''

صباحت نے مسکراتے ہوئے کہا ''آ جائے گی ابھی آ رہی ہو گی۔''

حرا گڈ لک Good luck کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

رات کو فون پر صباحت نے ریحان سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا

''آپ وہاں سے چلے کیوں گئے تھے؟''

''تمہارا دماغ ہے خود سوچو کہ تمہاری سہیلی میرے ساتھ تمہیں دیکھ لیتی تو کیا سوچتی تمہارے بارے میں۔''

''ہاں یہ تو ہے میرا اس طرف دھیان نہیں گیا میں تو پریشان ہو گئی تھی۔''

تمہارا خیال جانا بھی نہیں چاہیے ریحان ہلکا سا بڑبڑایا صباحت کو کچھ سمجھ نہ آیا اور حیرانگی سے بولی ''مجھ سے کچھ کہا''

''نہیں ڈارلنگ تم سے نہیں کہا کچھ۔''

دونوں روزانہ باتیں دیر تک کرتے رہتے وقت یونہی گزرنے لگا۔ ایک ماہ بعد دوبارہ دونوں پارک میں ملے لیکن اس مرتبہ صباحت کالج کی بجائے ریحان کے ساتھ پارک آ گئی تھی۔ ریحان نے مکمل اطمینان کرلیا کہ صباحت اس سے ہونے والی ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کرتی ہو۔ اندر ہی اندر اسے صباحت کے سادہ پن پر ہنسی آتی اور سوچتا یہ لڑکیاں کتنی جلدی یقین کر لیتی ہیں اتنی جلدی دھوکہ کھا جاتی ہیں ویسے تو لڑکے ان بیچاریوں سے کھیل کر چھوڑ نہیں جاتے اور روتی رہتی ہیں' کمزور عقل نہ ہوں تو کالج جانے کی بجائے یہاں کیا لینے آتی ہے اور ہیں۔''

''کیا سوچ رہے ہو؟'' صباحت نے ریحان کو سوچتے دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں بس تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''کیا؟'' صباحت نے بے تابی سے پوچھا۔

''یہی کہ تم کتنی خوبصورت ہو اور میں تمہارے لئے یہ پرفیوم لایا تھا۔'' ریحان نے صباحت کو پرفیوم دیتے ہوئے کہا۔

''یہ تو بہت مہنگا ہے۔''

''تم سے زیادہ نہیں۔''

''تم مت لایا کرو کون سا ابھی تم جاب کرتے ہو۔''

''جاب تو کر رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔'' ریحان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟ تم نے پہلے تو نہیں بتایا۔''

''چلو اور کوئی بات کرتے ہیں پھر تم کہو گی کہ دیر ہو رہی ہے۔''

’’ابھی تو بہت وقت ہے مجھے چھٹی سے پندرہ منٹ پہلے پہنچا دینا۔‘‘

’’جی ضرور پہنچا دوں گا اور کوئی خدمت ہو تو جناب ہم حاضر ہیں۔‘‘ ریحان نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

دونوں بہت دیر باتیں کرتے رہے۔ ٹھیک ٹائم پر ریحان صباحت کو گیٹ پر چھوڑ کر خود ہاسٹل آ گیا۔

اب ریحان اور صباحت ہفتے میں ایک مرتبہ ضرور ملنے لگے۔ صباحت کو دن بدن ریحان پر یقین ہونے لگا تھا۔ وہ اکثر سوچتی کہ ریحان باقی لڑکوں سے بہت مختلف ہے۔ وہ اس کی بہت پرواہ کرتا ہے اس کی عزت کا خیال رکھتا ہے اور کیا کرے لیکن وہ اسی صورت ریحان کے بارے میں گہرائی سے نہ سوچ سکتی تھی کیونکہ ریحان نے نقاب ہی ایسا چڑھا رکھا تھا کہ صباحت اس کے دوسری طرف اس کی گھناؤنی شکل نہ دیکھ سکتی تھی۔

صباحت دن بدن ریحان کے جال میں پھنستی جا رہی تھی۔ ماں باپ کو صباحت کا بدلا رویہ نظر آ رہا تھا لیکن وہ اس کی وجہ نہ جانے پائے اور خوش ہو گئے کہ صباحت اب بہت خوش رہتی ہے۔ صباحت کی دوست کو اندازہ ہو گیا کہ یہ صباحت جو کالج سے غیر حاضر ہوتی ہے ہفتے میں ایک مرتبہ یہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے ورنہ یہ تو کبھی چھٹی نہ کیا کرتی تھی اس نے تنہائی میں صباحت کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن بے سود کیونکہ صباحت کوئی بات ماننے کے لئے تیار ہی نہیں تھی۔

دسمبر کی چھٹیوں میں صباحت بہت بے چینی سے ریحان کی کالز کا انتظار کرتی رہی لیکن ریحان بہانہ بنا کر اپنے گھر چلا گیا اور کوئی رابطہ نہ کیا۔ صباحت کا دل پڑھائی سے مکمل طور پر اچاٹ ہو چکا تھا۔ وہ بے تابی سے چھٹیاں ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

صباحت دسمبر ٹیسٹ میں بری طرح ناکام ہو گئی۔ کالج والوں نے اس کے ماں باپ کو فون کیا لیکن بات نہ ہو سکی اور صباحت نے ماں کے Fake signature کے ساتھ رزلٹ واپس کر دیا۔

مہینے بھر کی ملاقات سے صباحت کی بیقراری صاف نظر آ رہی تھی ریحان خوش ہو رہا تھا کہ منزل قریب ہے۔ بس تھوڑی سی اور محنت کی ضرورت ہے ریحان بھی بناوٹ سے کام لیتے ہوئے بولا

’’تم مجھے بہت یاد آتی تھی کوئی دن نہیں تھا جب میں نے تمہیں مس نہیں کیا۔‘‘

دن میں نے تو آپ کو ہر لمحہ مس کیا تھا اور آپ کہہ رہے ہیں کہ صرف دن بھر ایک دفعہ مس کیا تھا۔‘‘ صباحت نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

’’مطلب میرا یہی تھا لیکن منہ سے ہر وقت کی جگہ دن نکل گیا۔‘‘ ریحان نے تیزی سے کہا۔

’’سچ میں اگر یہ حقیقت ہے تو مجھے فون کیوں نہ کیا؟‘‘

’’فون وہ بھی تمہیں کرتا گھر سے ہو کر۔‘‘

’’کیا سوچ رہے ہو؟‘‘ صباحت نے ریحان کو سوچتے دیکھ کر پوچھا

’’کچھ نہیں بس سوچ رہا تھا کہ کاش سگنل ہوتے تو میں تمہیں روزانہ فون کرتا سچ میں بہت مس کیا ہے۔‘‘ ریحان نے بناوٹ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

صباحت سن کر خوش ہو کر مسکرانے لگی۔ ریحان دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے سوچنے لگا۔ ”یہ لڑکیاں سب اتنی ہی بے وقوف اور سادی ہوتی ہیں یا یہ ایسی ہے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ گھر میں اس کو وقت ماں باپ نہیں دیتے اس لئے یہ بہت ہی جلد یقین کر لینے والی ہے اور اچھے برے میں امتیاز نہیں کر سکتی۔

”کیا سوچ رہے ہو۔“ صباحت نے حیرت سے پوچھا

”کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں۔“

”جب سے تم آئے ہو بہت کھوئے کھوئے سے ہو کیا ہوا؟ گھر میں خیریت ہے۔“

”ہاں خیریت ہے بس تمہیں بہت مس کرتا رہا اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے یقین آ گیا ہے۔“ صباحت نے معصومیت سے کہا

ریحان ہنسنے لگا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ صباحت بھی باہر دیکھنے لگی۔ ریحان سوچنے لگا ”یہ لڑکیاں تو ہم جیسوں پر یقین کر کے ہی منہ کی کھاتی ہیں۔ لڑکی ذات کو تو کسی پر بھی بھروسہ اور یقین نہیں کرنا چاہیے اور ہم جیسوں پر تو کبھی نہیں۔“ اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے ریحان نے پوچھا” تم نے پاپا کے ساتھ چھٹیاں گزاریں۔“ صباحت نے بے رخی سے کہا۔

”میرے پاپا کے پاس میرے لئے ٹائم تھوڑا ہی ہے۔ وہ تو اپنے کاموں میں اتنے کھوئے رہتے ہیں کہ گھر کے افراد کے لئے سوچنے کا کوئی وقت نہیں ہے۔ ہسپتال چلے جانا اور مریضوں میں کھوئے رہنا ہی ان کا وطیرہ ہے اس سے وقت بچا ہی نہیں سکتے کہ میرے بارے میں سوچ لیں۔“

ریحان نے بات کاٹتے ہوئے مذاق میں کہا ”ایک طریقہ ہے تمہارے پاپا تمہیں وقت دے سکتے ہیں۔“

صباحت نے ذو معنی انداز سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وہ کیا؟“

ریحان معصومیت سے بولا۔

”اگر تم بیمار ہو جاؤ اور وہ بھی شدید ورنہ کم بیماری میں ان کو کچھ فرق نہیں پڑنے والا۔“ صباحت جواب میں صرف مسکرا دی۔

ریحان نے صباحت کے چہرے پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری امی تو وقت دیتی ہیں یا وہ بھی نہیں۔“

صباحت نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا ”ممی تو پاپا کا نمبر بھی مصروفیت میں کاٹ دیتی ہیں۔ آفس میں سب کام دیکھتی ہیں شام کو تو زیادہ مصروف ہو جاتی ہیں۔ اس سے جو وقت بچ جائے وہ رشتوں کو نبھاتی ہیں۔

مطلب کہ دوستوں اور رشتے داروں اور مزید تعلقات کے لئے جدوجہد کرتی ہیں۔“

ریحان یہ سن کر مزید خوش ہوا کہ کام آسان ہے اب تو ہر طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ چاہے بھگا لے جاؤں جب تک کسی کو پتہ چلتا کام کر لوں گا سارے کا سارا۔

صباحت نے پریشانی کے عالم میں ریحان کو دیکھا اور یک دم اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور خوشی بھانپ کر بولی ریحان تمہیں افسوس کی

بجائے خوشی ہوئی ہے۔

ریحان نے یکدم درست انداز میں بیٹھتے اور سر کھجاتے ہوئے کہا او یار تمہاری ذات پر تھوڑا ہی مسکراہٹ آ سکتی ہے وہ ایک لطیفہ یاد آ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ تمہاری کہانی تو فلمی ہے۔

"ہاں یہ تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے گھر میں ماں باپ بچوں کو بہت وقت دیتے ہیں ان کا ہر لحاظ سے خیال رکھتے ہیں لیکن میرے مما پاپا نے شروع سے ہی میرے ساتھ وقت نہیں گزارا' کبھی کہیں نہیں لے کر گئے۔ واقعی یہ تو فلمی ہی زندگی ہے مصنوعی اور حقیقت سے دور۔" صباحت نے تلخ ہوتے ہوئے کہا۔

سوری میں نے تمہیں پریشان کر دیا چلو کھانا آ رہا ہے کھاتے ہیں اور اب اس طرح کی کوئی بات نہیں کرنی کھانے کے دوران خوش گپیوں میں مصروف رہے اس کے بعد ریحان صباحت کو گھر ڈراپ کر کے فرحان سے ملنے کے لئے اس طرف ڈرائیو کرنے لگا۔ راستے میں ریحان کو صباحت کی بات یاد آنے لگی۔ "گھر میں ماں باپ بچوں کو بہت وقت دیتے ہیں ان کی خواہشات پوری کرتے ہیں ہر لحاظ سے ان کا خیال رکھتے ہیں لیکن میرے مما پاپا نے شروع ہی سے میرے ساتھ وقت نہیں گزارا یہ زندگی جو مجھ جیسے لوگ گزارتے ہیں مصنوعی اور حقیقت سے دور۔"

ریحان سر جھٹک کر خیال سے نکلنے کے لئے جوس لے کر پینے لگا۔ اسے پھر صباحت کی آواز سنائی دینے لگی "میرے پاپا کے پاس میرے لئے وقت تھوڑا ہی ہے وہ تو اپنے کاموں میں اتنے کھوئے رہتے ہیں کہ گھر کے افراد کے لئے سوچنے کا کوئی وقت نہیں ہے ان کے پاس۔"

ریحان کچھ دیر خیالات سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اس لئے اس نے باہر نکل کر کچھ تھوڑی بہت شاپنگ کی اور دوبارہ فرحان کی طرف راہ لی۔ اسے راستے میں صباحت پر ترس آ رہا تھا اور سوچنے لگا ماں باپ کو اپنی اولاد کی اس طرح ناقدری نہیں کرنی چاہیے اسے پیدا کر کے اچھے برے کی تمیز ضرور سکھانی چاہیے کم از کم صباحت کو تو ماں باپ نے وقت نہیں دیا جن لڑکیوں کو ماں باپ اتنا پیار اور وقت دیتے ہیں وہ بھی تو ایسا ہی کرتی ہیں کیا ان لڑکیوں کی سرشت ہی ایسی ہوتی ہے۔ فرحان کا انتظار کرنے کے لئے ریحان خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ریحان بار بار وقت دیکھ رہا تھا کہ فرحان کیوں لیٹ ہو گیا ریحان سے فرحان ملنے آیا تو دونوں دوست ایک دوسرے سے کافی دیر گلے لگے۔ گلے شکوے کرتے رہے۔ دونوں نے اپنی اپنی مصروفیات ایک دوسرے سے شیئر کیں۔ ان میں خوب بنتی تھی کیونکہ ان کا مقصد ایک ہی تھا وہ دونوں ہنستے اور کہتے کہ یار ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔

ریحان نے رک کر مزید کہا۔

سچ پوچھو تو ہم دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

فرحان گردن اچکاتے ہوئے بولا۔

وہ ہمارا تیسرا نعمان کس پر گیا ہے دوسروں کے حقوق کا اس پر ہر وقت بھوت سوار رہتا ہے۔ اب تو ملتا ہی کم کم ہے۔

ریحان ہنستے ہوئے بولا ظاہر ہے وہ موصوف تو ہمیں سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہم پر تو اثر ہوا نہیں اور وہ خود ہی دور ہو گئے۔

فرحان ہاتھ اٹھاتے ہوئے فخریہ انداز میں کہنے لگا

''ہمارے ساتھ سر پٹخنے کا کیا فائدہ ہم کون سا سدھرنے والے ہیں۔''

ریحان نے تائید کرتے ہوئے کہا''ہم تھوڑا ہی کسی کو گھر سے اٹھا کر لاتے ہیں ان امیر زادیوں کو یہ خود ہی تو کمزور کردار کی ہوتی ہیں پیچھے چل پڑتی ہیں۔'' یہ کہہ کر زور سے قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

فرحان نے ماضی میں جھانکتے ہوئے نیچے دیکھا اور کچھ رک کر افسردگی سے بتایا ریحان وہ عظمیٰ تھی نہ وہ جو دو سال پہلے ہمارے جال میں پھنسی تھی نعمان اسے جانتا تھا نعمان نے بڑی منت سماجت کی کہ وہ شریف اور عزت دار گھرانے کی لڑکی ہے اس لئے میں اس سے شادی کر لوں۔''

ریحان حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا''ہاں ایسی باتیں نعمان مجھے بھی کہتا ہے وہ بھی بڑا ہی سیدھا ہے۔''

فرحان۔''سچ پوچھو تو وہ سیدھا نہیں سمجھدار ہے جو غلط کو غلط سمجھتا ہے کہتا ہے۔ ہماری طرح بہکا ہوا نہیں ہے۔''

ریحان''تو بتاؤ تم نے نعمان سے کیا کہا تھا۔''

فرحان''تم بتاؤ میری جگہ وہ تمہیں یہ مشورہ دیتا تو تم کیا کرتے۔'' ریحان سے سوال کرتے ہوئے کہا۔

ریحان''کہنا کیا تھا۔ یہی کہتا کہ تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ ایسی لڑکیوں سے صرف وقت پاس کیا جاتا ہے گھر میں نہیں رکھا جاتا۔ انسان کوئی برتن بھی خریدتا ہے تو ٹھونک بجا کر خریدتا ہے یہ کچے رنگ اور کچے کردار بالکل ویسے ہی ہیں جیسے کچے مٹی کے گروندے جن کو ہاتھ لگاؤ تو ٹوٹ جاتے ہیں۔''

کافی دیر خاموشی کے بعد ریحان نے فرحان سے پوچھا تم بتاؤ میں تمہارا جواب سننا چاہتا ہوں۔

فرحان مسکراتے ہوئے بولا کہ نعمان نے عزت دار اور شریف کا لفظ استعمال کیا تھا۔ میں نے کہا کہ والدین تو شریف ہونگے اور ہوتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن ان لڑکیوں کے لئے عزت دار اور شریف کا لفظ سب کی توہین ہے۔ ان کی عزت اور شرافت اسی روز رخصت ہو جاتی ہے جب یہ فون پر انجانے شخص سے باتیں کرتی ہیں اور ملاقات کے لئے گھر سے قدم باہر نکالتی ہیں۔ یہ اور عزت اور شرافت۔

ریحان چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا''اگر سچ پوچھو تو لڑکیاں بھی بڑی شے ہوتی ہیں۔ ہوتی تو یہ خود بے غیرت اور گھٹیا ہیں لیکن سادہ سے مردوں کو پھنسا لیتی ہیں تھوڑی مثالیں بھری پڑی ہیں۔''

فرحان''ہاں یہ تم نے ٹھیک کہا' ایسی تو مردوں پر کیا ڈورے ڈالتی ہیں اور خاص طور پر دولت مند مردوں پر تو ہی اور مزے کی بات ہے کامیاب بھی ہو جاتی ہیں۔''

ریحان لمبی سرد آہ لیتے ہوئے بولا''یار ایسی بے غیرت اور بے حیا عورتیں زیادہ تر شادی شدہ مردوں پر ڈورے ڈالتی ہیں ان کے گھر برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔''

فرحان تائید کرتے ہوئے بولا''تم ٹھیک کہتے ہو ہمارے پھوپھا بہت دولت مند تھے۔ گاؤں کے لحاظ سے وہ امیر تھے۔ وہاں کی ایک نٹنی

ہی سمجھو یسے اس کے خاندان والے شریف تھے ماں باپ تو بہت ہی شریف تھے لیکن وہ بے غیرت اور گھٹیا عورت میرے پھوپھا کے پیچھے ایسے پڑی کہ پہلے دوستی لگائی پھر خود دن رات فون کرتی رہی۔ اس طرح احتیاط سے کام کرتی جا رہی تھی کہ وہ اس طرح بناوٹ سے کام لیتی جا رہی تھی کہ پھوپھا یہ سمجھیں کہ وہ بہت شریف ہے اور پرپوزل تک بات لے آئی اور شادی بھی کر لی۔"

ریحان تم ٹھیک کہتے ہو ایسی شاطر چالاک اور بے غیرت لڑکیاں دوسروں کے گھروں پر نقب لگاتی ہیں جہاں چار پیسے نظر آ جائیں انہی کو محبت کا جھانسا دیتی ہیں تو پھر کیا ہوا پھوپھو نے مارا نہیں تھا اسے بعد میں۔" ریحان نے اچانک پوچھا۔ فرحان آہستگی سے بولا

"نہیں پھوپھو نے کچھ نہیں کہا لیکن اس کے رب نے بہت کچھ کیا ان دونوں کے درمیان لڑائی جھگڑے طول پکڑتے گئے اور بات پھوپھا کو سمجھ آنے لگی کہ یہ صرف مال و دولت کی رسیا ہے۔ خرابی ہوئی اور تھوڑا بے عزتی ہوئی ان کی ہر ایک نے تو مذاق کیا کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ ایسی عورتیں تیز بہت بنتی ہیں ہر کسی کو پاگل بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔"

لیکن یار افسوس کہ ان کے منہ پر تو لوگ پھر بھی لحاظ رکھ لیتے ہیں لیکن پیٹھ پیچھے ان کو ہر کوئی بے غیرت اور گھٹیا عورتیں ہی کہتا ہے۔ ساری زندگی ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ ریحان ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے اوپر دیکھتے ہوئے فرحان کو مخاطب کرتے ہوئے بولا

"تمہیں اندازہ ہے کہ ایسی عورتیں لوگوں کے گھروں کو صرف آگ لگانا جانتی ہیں اور تمہیں پتہ ہے کہ اس میں سب سے پہلے کس کو جھلساتی ہیں۔" کچھ دیر رک کر بولا۔ اس کی پہلی بیوی کو۔" آہستگی سے بولا۔ اس کا سکون، اطمینان، غارت کر دیتی ہیں۔" ریحان" ہاں فرحان تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"ایسی ڈائنیں جب کسی کے شوہر سے پینگیں لگاتی اور اپنی برائیوں پر بھی اچھائی کا ملمع کر کے اس طریقے سے پیش کرتی ہیں جیسے انمول ہوں۔"

فرحان یار ایسی بات نہیں دراصل ایسی گھٹیاں عورتیں اچھے طریقے سے آنکھوں پر پردہ ڈالے رکھتی ہیں شادی تک ہر طرح سے اور بعد میں جب مردوں کی آنکھوں سے پردہ ہٹتا ہے تب ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔

ریحان تائید کرتے بولا تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو ایسی عورتوں کی کسی کے دل میں نہ کوئی عزت ہوتی ہے اور نہ ان عورتوں پر کبھی کوئی بھروسہ کرتا ہے۔

فرحان ہنستے ہوئے بولا" واقعی ان پر کبھی کوئی کسی بھی طرح کا بھروسہ نہیں کرتا نہ عزت کرتا ہے اور پتہ ہے ایسی عورتوں کو کیا کہا جاتا ہے۔"

مسکرا کر بولا" برا ہی کہا جاتا ہے اچھا تو کوئی نہیں کہتا۔"

واقعی یہ عورتیں تھوڑا ہی ہوتی ہیں یہ تو چلو چھوڑو یار۔ بس گھٹیا کردار کی مالک کسی کام وام کی بالکل نہیں ہوتی سوائے مردوں کو پاگل بنانے کے۔" کچھ دیر رک کر مزید بولا۔

"یہ کبھی عزت، سکون، کامیابی اور کوئی کسی کے خاندان میں مقام تو نہیں پا سکتی ہیں اور نہ کبھی شوہر حقیقی معنوں میں ان سے خوش رہ سکتے ہیں۔ یہ اصل میں واقعتاً بیچاری اور قابل رحم ہوتی ہیں۔"

دونوں باتیں کرتے رہے اور اسی موضوع پر سیر بحث بہت دیر تک جاری رکھی رات گئے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

صباحت کی سوچوں میں اب ریحان نے قبضہ مکمل طور پر جما لیا تھا۔ وہ روزانہ فون پر دیر تک باتیں کرتی رہتی۔ سرمد اور رابعہ نے اس کی سالگرہ بہت دھوم دھام سے منائی۔ صباحت بہت خوشی خوشی تیار ہوئی اور بہت اچھی اور خوش لگ رہی تھی اس کی کلاس کی بیشتر لڑکیاں آئیں۔ فنکشن ہی اتنا اعلیٰ اور شاندار تھا ماں باپ نے صباحت سے پوچھا کہ اب تو گلے شکوے نہیں ہونے چاہئیں۔ واقعی اب سرمد اور رابعہ بیگم صباحت کو وقت پہلے کی نسبت دیتے تھے لیکن اب بے سود تھا کیونکہ پانی سے سر اونچا ہو چکا تھا۔

صباحت ریحان کے پنجرے میں مکمل طور پر جکڑے جانے کے قریب تھی کیونکہ اب ریحان اس کے حواس پر مکمل طور پر چھا چکا تھا۔ وہ اس حد تک گرفتار ہو چکی تھی کہ ریحان کے کہنے پر اس نے کسی کو بھی نہ بتایا نہ کسی سہیلی سے اس کا ذکر کیا۔ کلاس کی ایک دو لڑکیوں نے اس کو دیکھا ضرور تھا لیکن صباحت نے ریحان کے بتائے ہوئے فرضی نام اور رشتے دار ہونے کا بتایا۔ صباحت کی سالگرہ واقعی بہت شاندار اور اعلیٰ پیمانے پر منائی گئی۔ رابعہ بیگم نے اپنی جان پہچان والیوں اور اعلیٰ افسران اور ان کی فیملیوں کو مدعو کر رکھا تھا اسی طرح سرمد نے بھی اور سب ہی حاضر تھے۔ پارٹی کی تقریب بہت ہی پر رونق تھی سب گپ شپ کرتے مشروب ہاتھوں میں لئے بیٹھے یا کھڑے تھے۔ کیک بہت ہی اعلیٰ تیار کیا گیا تھا اور اس کے بعد اسی طرح اعلیٰ درجے کا کھانا دیا گیا۔ آنے والوں نے صباحت کے لئے تحائف بھی بہت عمدہ اور مہنگے دیئے تھے۔ ریحان نے بھی رات کو بہت مبارکباد دی اور اگلے روز ملاقات کے لئے کہا۔

چنانچہ اگلے روز ریحان اور صباحت حسب معمول ملے۔ خوب گھومنے پھرنے کے بعد ریسٹورنٹ گئے۔ وہاں ویٹر کو آرڈر دینے کے بعد ریحان نے صباحت کو آنکھیں بند کرنے کو کہا۔ صباحت نے ایسا ہی کیا۔ ریحان نے گولڈ کی رنگ ٹیبل پر رکھ دی اور آنکھیں کھولنے کو کہا۔ صباحت دیکھ کر خوش ہو گئی۔ ریحان نے بناوٹ کرتے ہوئے کہا "جی میں تو تھا کہ تمہاری سالگرہ والے دن سب کے سامنے پہناتا لیکن چلو میں گھر میں بات کروں گا لیکن اصل مسئلہ تمہارے گھر والوں کا ہوگا۔"

صباحت نے خوش ہوتے ہوئے کہا کہ وہ گھر والوں کو منوا لے گی۔ ریحان نے مزید نرمی سے کہا کہ سوچ لو تمہارے گھر والے مان جائیں گے میرا خیال ہے کہ نہیں مانیں گے کسی بھی صورت۔"

صباحت نے مزید زور دے کر کہا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ اس پر ریحان سوچ میں مبتلا ہو گیا کہ اب کیا کرے۔ یک دم اس نے صباحت سے پوچھا کہ تمہارے ایگزامز کب ہو رہے ہیں۔ صباحت نے مختصراً جواب دیا کہ ابھی دو ماہ باقی ہیں۔ ریحان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور بولا ٹھیک ہے تم ابھی اپنے گھر میں بات مت کرنا اور پیپرز کی تیاری کرو بعد میں گھر والوں کو بھیجوں گا۔ دل ہی دل میں ہنسنے لگا کہ ضرور تمہارے لئے ہی تو بھیجوں گا۔

صباحت نے ریحان کو سوچتے دیکھ کر پوچھا کہاں کھو گئے لگتا ہے کوئی حسین یاد آ گئی ہے۔

ریحان صباحت کی طرف دیکھ کر بولا "جب تم میرے ساتھ ہوتی ہو تو سب حسین ہی تو لگتا ہے۔"

کھانا کھانے کے بعد آئس کریم کھانے چلے گئے کافی دیر گھومنے پھرنے کے بعد ریحان صباحت کو گھر کے قریب ڈراپ کر کے آگے چلا گیا۔ گھر دیر سے آنے پر فریدہ نے وقت دیکھا تو صباحت نے کالج میں فنکشن کہہ کر ٹال دیا۔

اب صباحت ہفتے میں دو دن تو ریحان سے ضرور ملتی ریحان نے صباحت سے کہا کہ گھر والے تو رشتے پر راضی نہیں ہیں ان کا کہنا ہے کہ کچھ ماہ پہلے ہی رشتہ رشتے داروں میں طے کر دیا ہے۔

وہ جھوٹ موٹ باتیں بنا کر صباحت کو قائل کرنے کی کوششیں کرتا لیکن ڈائریکٹ کوئی بات نہ کہتا۔

وہ یہ بھی کہتا کہ جب کچھ ماہ پہلے مجھ سے گھر والوں نے پوچھا تھا تو ان کو کہہ دیا تھا کہ مرضی ہے جہاں آپ کی' کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

کچھ دیر رک کر بولا

"ظاہر ہے اس وقت تک تو تم مجھے نہیں ملی تھی اور اب تو میں بے حد پریشان ہوں میں ثمن سے شادی تو کسی قیمت پر نہیں کروں گا چاہے مجھے جان دینی پڑ جائے میں نے صرف اور صرف تم سے محبت کی ہے۔" صباحت بھی جذباتی ہو گئی اور رو دی۔

کچھ دیر بے رنگ فق رنگ سے اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر آہستگی سے بولی۔

"میرے بھی تمہارے لئے یہی جذبات ہیں۔"

ریحان سوچ میں ڈوبے ہوئے بیٹھا رہا اور کچھ نہ بولا۔ دونوں کافی دیر بے بسی سے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ ریحان لمبا سانس لیتے ہوئے بولا۔

"فکر نہ کرو میں کوشش کر رہا ہوں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔"

"اب تم مسکرا دو۔" کچھ دیر بعد ریحان نے کہا

صباحت کے ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر نمودار ہوئی۔ دونوں اٹھ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

راستے میں ریحان نے صباحت کو برگر اور کوک لے کر دی اور حسرت سے آہ بھرتے کہا

"کاش گھر والے راضی ہو جائیں تو جلد از جلد انگیجمنٹ ہو جائے۔"

صباحت ایک لمحے کے لئے رکتے ہوئے بولی

"اگر آپ کے گھر والے مان بھی جائیں تو میرے گھر والوں کی طرف سے مسئلہ شروع ہو جائے گا۔"

ریحان نے برگر کاٹتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن بات یہیں ختم کرتے ہوئے کہا دیکھو کیا ہوتا ہے؟"

صباحت نے کچھ سوچتے ہوئے فیصلہ کن الفاظ میں کہا

"شادی ہم دونوں کی ضرور ہو گی چاہے کچھ ہو جائے۔"

ریحان چونکا اور ٹاپک تبدیل کر دیا باہر دیکھتے ہوئے رش کو ڈسکس کرنا شروع کر دیا۔

صباحت کوگھر کے قریب اتار کرآ گے جاتے ہوئے زور سے ہنسااور اپنے آپ سے کہا

"لڑکی تو گئی کام سے اوہو بڑی جلدی عشق ہو جاتا ہے ان بیچاریوں کو۔"

کچھ دیر رک کر Back mirror میں دیکھتے ہوئے بولا بے وقوف کیسا یقین کر کے چل پڑتی ہیں ایسے ہی تو لوگ جوتی کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتے ان کم عقل لڑکیوں کو اوئے بیچاریاں۔"

وہ فرحان کی طرف گیا اس کو لیا اور ریسٹورنٹ میں جا پہنچے۔فرحان کچھ الجھا الجھا دکھائی دے رہا تھا۔

ریحان نے حیرانی سے پوچھا "کیا بات ہے الجھے ہوئے ہو۔"

فرحان تشویش بھرے انداز میں بولا بس کچھ نہیں سونے کی چڑیاں تین دن ہو گئے ہیں فون پر کنٹیکٹ نہیں کر رہی ہے۔"

ریحان نے فرحان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"صبر سے آہستہ آہستہ کام کیا کرو کرے گی ورنہ کچھ دن بعد تم کرنا کہیں مصروف ہو گی تم بھی مصروفیت ہی ظاہر کرو۔"

فرحان بے نیازی سے بولا وہی تو کر رہا ہوں۔بس ایسے ہی کسی وقت خدشہ سا ہو جاتا ہے۔

ریحان سر جھٹکتے ہوئے بولا "کوئی اور بات کرو۔ ہر وقت ان پر کٹیوں کی باتیں کیا کرتے ہیں......ان بیچاریوں کے پر تو ہم کاٹ دیتے ہیں......نہ پھڑ پھڑا سکیں......نہ اڑ سکیں...... بیچاریاں...... بے وقوف سی تو ہوتی ہیں۔"فرحان نے مسکراتے ہوئے بے اختیار کہا۔

"یار یہ سمجھتی اپنے آپ کو بہت ہوشیار اور سمجھدار عاقل ہیں لیکن پتہ نہیں کہ آخری درجے کی گھٹیا اور لوفر جہاں کسی نے ہڈی ڈالی وہیں بیٹھ جاتی ہیں۔"

ریحان سوچتے ہوئے مزید بولا

"یوں سمجھو کہ یہ پاگل کتیاں ہی ہوتی ہیں جو اپنے مالک سے زیادہ راہگیروں کی ہڈیوں کو پسند کر لیتی ہیں۔"

فرحان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

'یہ تم نے سو فیصد ٹھیک کہا یہ تو وہ بدنصیب لڑکیاں ہوتی ہیں کہ جن والدین نے انہیں اٹھا کر پالا ہوتا ہے پہلے دن سے خرچے پورے کیے ہوتے ہیں ان کو چھوڑ کر ہم جیسے عاشقوں کے پیچھے چل پڑتی ہیں۔پھر واقعی ان کو کوئی پاگل کتیاں نہ کہے تو اور کیا کہے۔"

ریحان کندھے اچکاتے ہوئے بولا

"ان جیسی لڑکیوں کو زندگی میں ملتا کچھ بھی نہیں ہے ماں باپ کو دکھ دے کر خوشیوں کو جو تلاش کرتے ہیں ان کی زندگی میں صرف اور صرف دکھ اور تکالیف ہی ہوتی ہیں۔

اگر عاشق سچا نکل بھی آئے تو بھی قدرت ان کو ہر قدم پر دکھ ضرور دیتی ہے۔"

فرحان تائید کرتے ہوئے بولا۔

''اس سے بڑھ کر اور کیا خرابی ہو کہ ان کی زندگی ان کے لئے طعنے سے کم نہیں ہوتی منہ پر ان سے ٹھیک بات بھی کرلے کوئی تو پیٹھ پیچھے ان کو کیا نہیں کہا جاتا۔''

کچھ دیر رک کر مزید بولا

''ساری عمر تو ان کو بھاگی ہوئی بے غیرت لڑکیاں ہی کہا جاتا ہے کوئی عزت نہیں ہوتی اور تو اور اولاد کی زندگی بھی ان کے لئے صرف اور صرف طعنہ بن جاتی ہے۔بات بات پر ان کو طعنے سہنا پڑتے ہیں۔''

''ریحان واہ واہ تمہارا تو بڑا تجربہ ہے۔ویسے کچھ اچھا کام تو ہم بھی نہیں کر رہے ہیں۔''

فرحان چونکتے ہوئے بولا

''آج کل لڑکوں کے ساتھ گپیں ہانک کر یہ شو کرتے ہیں کہ ہم ایڈوانس ہیں اپنے فیصلے خود کریں گے یہ پتہ نہیں کہ بے غیرت ہیں اور نام ایڈوانس کا دے رہے ہیں۔ریحان یار بس اب اس Enough۔ کہہ تم ٹھیک رہے ہو سب طے کر کے ماں باپ کو بتانے کو ایڈوانس نہیں بے غیرتی کہتے ہیں۔''

فرحان تائید کرتے ہوئے بولا

'پتہ نہیں ان لڑکیوں کو کیوں سمجھ نہیں آتا کہ اس طرح گپ شپ کرنے اور چکر چلا کر شادی کرنے سے وہ زندگی بھر معتبر نہیں ہوسکتیں۔''

ریحان نے بات کاٹتے ہوئے کہا

'نہ شوہر کی نظر میں نہ ماں باپ کی نظر میں نہ رشتے داروں کی نظر میں نہ معاشرے کی نظر میں۔''

فرحان نے آہستگی سے کہا

''یار ایسی عورتیں حد درجے کی گری ہوئی ہوتی ہیں بری عورتیں ہوتی ہیں بے حس بے حیا اور گھٹیا جو دوسروں کے شوہروں سے گپیں لگانا اور شادی کرتی ہیں یہ ان کا شیوہ ہوتا ہے۔''

ریحان نے انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

''کل سے میں تمہیں دوسری شادی والی عورتوں کو ڈسکس کرتے پا رہا ہوں۔''

فرحان لمبی آہ لے کر

''ہاں کل سے ہی مجھے پھوپھو یاد آ رہی ہیں اور پھوپھا کا اس عورت سے گپیں لگاتے رہنا اور شادی کر لینا اس عورت کو سب ہی گھٹیا اور بے کردار کہتے تھے۔''

ذرا رک کر بولا

''ظاہر ہے اس نے شادی خود پھوپھا سے کی تھی بس گھر میں ایک دن پہلے بتایا تھا۔''

ریحان حوصلہ بڑھاتے ہوئے بولا

'تم کیوں پریشان ہو رہے ہو تم نے تو بتایا تھا کہ پھوپھو کو افسوس نہیں ہوا تھا۔''

فرحان ماضی میں جھانکتے ہوئے بولا

''ہوا تو ہوگا لیکن ظاہر نہیں کیا ہوگا یا شاید نہ ہوا ہو کیونکہ وہ کہتی تھیں

''یہ لڑکیاں بے غیرت بن کر ہر پیسے والے کے پیچھے چلنے والی ہوتی ہیں ان کی عزت کوئی نہیں ہوتی نہ اللہ اس طرح کی عورتوں کو کبھی معتبر ہونے دے جو والدین کو بتائے بغیر گپیں لگا کر خوش ہوتی ہیں۔ان سے زیادہ بے وقوف عورت کوئی ہو ہی نہیں سکتی بے کردار اور گھٹیا ہوتی ہیں بیچاریاں کمزور کردار کی کم عقل لڑکیاں۔نہ ان کو اپنی عزت کی پرواہ ہوتی ہے نہ دوسروں کی۔''

ریحان ہاں یہ تو ہے وہ ٹھیک کہتی ہیں۔

بے لگام اور اپنی عزت اور دوسروں کی عزت کی پرواہ نہ کرنے والی لڑکیوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔'

گہری سوچ میں ڈوبا ہوا فرحان افسردگی سے بولا

'ہم جو کام کرتے ہیں کیا وہ عزت والے ہیں۔''

ذرا توقف کے بعد بولا

''ہمارے گھر والے سب بھی تو عزت والے ہیں۔انہوں نے ہم پر اعتبار کیا ہمیں پڑھنے کے لئے ہاسٹل بھیجا لیکن ہم کیا کرتے پھر رہے ہیں؟''

ریحان جو اس کی باتیں سن کر حیرانگی میں مبتلا تھا تائید کرتے ہوئے بولا

''واقعی انہوں نے ہمیں تعلیم کے لئے بھیجا ہے لیکن ہم دوسروں کی دیکھا دیکھی کیا کرنے لگے ہیں۔''

فرحان گردن اثبات میں ہلاتے ہوئے بولا

''زیادہ تر تو ہاسٹل میں یہی کرتے ہیں ہم کیا فرشتے ہیں کہ اثر ہی نہ ہوتا۔''

'وہ تو ٹھیک ہے لیکن غلط ہوتا غلط ہی ہے چاہے وہ ہم کریں یا کوئی اور۔'' ریحان نے حقیقت بیان کردی۔

''بات تمہاری بالکل ٹھیک ہے بلکہ میں تو اکثر نعمان کی باتیں سوچتا ہوں وہ بالکل صحیح کہتا ہے ہم غلط کر رہے ہیں واقعی ہمیں یہ کچھ کر کے حاصل تو کچھ نہ ہوگا۔'' فرحان افسردگی سے بول رہا تھا۔

''تم ایسے مت کرو تم ایسا کر کے اپنے ضمیر پر بوجھ وہ ڈالتے ہو جو زندگی بھر نہیں اتار سکو گے یہ کام بعد میں تمہارے لئے پچھتاوے کا سبب بن جائیں گے لیکن اس وقت تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وقت کبھی بھی اور کسی بھی قیمت پر لوٹ کر نہیں آتا۔مت کسی کا دل دکھایا کرو یہ نہ ہو کہ تم کسی کے دکھوں کا ذمہ دار بن جاؤ لیکن اپنی ساکھ' سکون' اطمینان سب کچھ ہمیشہ کے لئے گنوا دو۔اس وقت اپنے کئے پر بہت پچھتاؤ لیکن وقت لوٹ کر نہ

آئے۔"

ریحان کے ذہن میں نعمان کی آواز گونجنے لگی اور گونج آہستہ آہستہ بلند ہو کر کچھ نہ سمجھنے دے رہی تھی۔

فرحان جو ریحان کو مسلسل دیکھ رہا تھا پوچھ بیٹھا ریحان تم ٹھیک ہو کیا ہوا ہے۔ ریحان جیسے نیند سے بیدار ہو کر غنودگی میں آہستگی سے بولا" کچھ نہیں بس یونہی نعمان کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔"

"یار ہم ایسے کام میں مزید پھنستے جا رہے ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں البتہ نقصان ضرور ہے۔" فرحان نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ریحان نے مختصراً کہا۔

"ہمیں تو ماں باپ نے پڑھنے کے لئے یہاں بھیجا ہے کس طرح کتنی مشکلوں سے پیسے جمع کئے ہونگے اور کتنی بچت کر کے ہم پر لوٹا رہے ہیں اور ہم یہاں کیا کر رہے ہیں۔" ریحان نے مزید حقیقت سے پردہ چاک کرتے ہوئے کہا

"لڑکوں کی دیکھا دیکھی ہم بھی وہ سب کچھ کرنے لگے نہ جانا کہ درست کیا ہے نہ سوچا کہ غلط کیا۔ فرحان آہستگی سے بولا۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد دونوں دوست اپنے گھر کی جانب رخصت ہوئے۔

صباحت بے چینی سے کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔ کبھی گھڑی کی طرف دیکھتی کبھی باہر کھڑکی سے دیکھنے لگتی۔ بار بار موبائل چیک کرتی۔ اب وہ کال ملانے لگی لیکن بے سود نمبر بند ملا صباحت تڑپ گئی اسے بار بار یاد آنے لگا کہ ریحان کے گھر والے رشتے کے لئے راضی نہیں ہیں۔ شاید اس لئے وہ بات نہیں کرنا چاہ رہا ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔ وہ خود ہی روزانہ کر دیتا تھا۔ دو دن سے نہیں کیا......نہ ملاقات ہوئی...... یہ کیا......صباحت نے سب اندیشوں کو جھٹکنے کی کوشش کی لیکن قرار نہ مل رہا تھا۔ دوبارہ موبائل لے کر فون کیا اس دفعہ بیل جا رہی تھی لیکن ریحان نے ریسیو نہ کیا۔ کافی دفعہ کرنے کے بعد چار و نا چار ریحان نے فون ریسیو کیا۔

صباحت نے بے چینی سے پوچھا کیوں فون دو دن سے نہیں کیا میں انتظار کرتی رہی۔

ریحان نے بہانہ بناتے ہوئے صباحت کو یقین دلایا کہ کچھ نہیں ہے۔ ایسی بات بالکل نہیں ہے جس سے تم پریشان ہو رہی ہو۔

صباحت بہت جذباتی ہو کر بولی" چلو اسی وقت ریسٹورنٹ پہنچو میں نہیں جانتی۔" یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

ریحان ہکا بکا رہ گیا۔ فون بند کر کے صوفے پر لیٹ گیا۔ دوبارہ صباحت نے آدھے گھنٹے بعد فون کیا کہ کیوں نہیں پہنچے کہاں ہو؟

بس آ رہا ہوں۔ ریحان نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

ریحان نے پکا ارادہ کیا کہ آخری ملاقات ہے اس کے بعد وہ ملے گا اور نہ لڑکیوں سے بات چیت کرے گا وہ اٹھا اور ریسٹورنٹ پہنچ گیا۔

صباحت جو پہلے ہی منتظر تھی خفگی سے پوچھا کیا ہوا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ فون کیوں دو دنوں سے بند تھا۔

ریحان نے ناگواری سے جواب دیا کچھ نہیں۔ ایسی بات جو تم سمجھ رہی ہو۔

صباحت نے ریحان کے چہرے پر بیزاری بھانپ لی اور پوچھ بیٹھی" گھر والے مان گئے ہیں۔"

ریحان یہ سن کر چونک گیا اور ذو معنی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے کیا جواب دے۔ اچانک خیال آیا کہ اچھا موقع ہے جان چھڑانے کا لیکن پھر سوچنے لگا کہ اس پر محنت کی ہے اب کام کر لینا چاہیے ایک اور گناہ سہی خود نہ آتی تو میں نے بلایا نہیں تھا۔۔

صباحت اس طرح ریحان کو گم صم دیکھ کر چڑ کر بولی

"بتاؤ نا کیا ہوا گھر والے مانے۔"

ریحان نے یکدم موڈ بناتے ہوئے آہستگی سے جواب دیا۔ "نہیں۔"

یہ لفظ صباحت کے لئے کرنٹ سے کم نہ تھا۔ دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔

ریحان نے بناوٹ سے افسردہ ہو کر مدہم آواز میں صباحت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"صباحت تم پریشان نہ ہو ہمارا ساتھ اتنا ہی تھا اب کیا ہو سکتا ہے سوائے جدائی کے۔"

صباحت کو اس کی بات سے شاک لگا وہ اداسی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پریشانی صباحت کے چہرے سے صاف عیاں تھی۔ صباحت کا چہرہ دیکھ کر ریحان نے بہت مشکل سے مسکراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا "چلو پریشان نہ ہو ہم دونوں اچھے دوست تو رہیں گے۔"

صباحت اس بات پر سخت خفا ہوتے ہوئے بولی ایسا نہیں ہو...... یہ کہہ کر ادھورے جملے پر ہی رو دی۔ ریحان دل ہی دل میں خوش ہوا لیکن سنجیدگی سے بولا

"اب کچھ نہیں ہو سکتا سمجھا کرو۔ گھر والے کسی صورت راضی نہیں ہو رہے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

صباحت آنسو صاف کرتے ہوئے بولی کوئی تو راستہ ہوگا۔ اس کی آواز کی لرزش نے ریحان کی راہ مزید ہموار کر دی۔ لیکن وہ جان بوجھ کر انجان بن کر بیٹھا صباحت کو نوٹ کرتا رہا۔ صباحت کا اضطراب بڑھ رہا تھا وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی اور بے بسی سے دانت کچکچا رہی تھی۔

کافی دیر خاموشی کے بعد ریحان نے سوال کیا "کیا کھاؤ گی کچھ منگواؤں؟"

"زہر" صباحت نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

ریحان نے اسے مطمئن کرتے ہوئے پوچھا "بتاؤ تم اب ہم کیا کریں۔"

صباحت نے کانپتی ہوئی آواز سے جواب دیا "کورٹ میرج"

ریحان نے سوری کرتے ہوئے کہا میں ایسا نہیں سوچ سکتا مزید بناوٹی انداز میں بولا

"نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا اس سے تمہاری عزت پر حرف آئے گا اور مجھ سے یہ برداشت کبھی نہیں ہو سکے گا اس لئے ہم ایسا نہیں کریں گے۔"

دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ ریحان صباحت کو تذبذب میں دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ مکمل طور پر باتوں میں آ چکی ہے۔ صباحت نے

ریحان کے جذبات کی تعریف کی اور سراہتے ہوئے کہا ”تم کتنے اچھے ہو میرا کتنا خیال رکھتے ہو مجھے تم ہی اچھے لگتے ہو۔“

ریحان نے مزید شکل بنا کر کہا ”تمہیں مجھ سے اچھا ہر لحاظ سے انسان مل جائے گا میرا کیا ہے جی لوں گا یادوں کے سہارے لیکن تمہیں بے عزت نہیں ہونے دوں گا۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔“

صباحت متاثر ہوتے ہوئے بولی۔

”نہیں میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی کبھی گھر میں کسی نے میرے جذبات کا خیال نہیں رکھا تم نے میرے جذبات' احساسات کا بہت خیال رکھا ہے تم واحد ہو جس سے میں بہت باتیں کرتی ہوں اور باتیں کر کے مطمئن رہتی ہوں۔“

کچھ دیر رک کر مزید بولی

”تم ایسے میری زندگی میں آئے جیسے ویرانے میں بہار آجاتی ہے سچ میں بہت بیزاری اور تنہائی تھی۔ وحشت ہوتی تھی گھر میں اور گھر مجھے کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ ایسے میں تمہاری موجودگی بہار ثابت ہوئی بس میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔“

ریحان کے ساتھ پورا پروگرام تیار کیا۔ ریحان نے سوچا کہ لوہا خوب گرم ہے کام ہو جائے گا۔

اور پورا پروگرام ترتیب دیا ساتھ ہی اس کو ہدایت کی کہ ساری جیولری لے آئے اپنی اور امی کی تاکہ ہمیں مشکل پیش نہ آئے ورنہ گھر چھوڑ کر تو ہم پائی پائی کو ترس جائیں گے۔ صباحت نے مزید بتایا کہ وہ پیسے بھی لے آئے گی تاکہ سال دو سال مشکل نہ ہو۔

گھر آ کر صباحت کو کچھ اور نہ سوجھ رہا تھا بس ایک ہی فکر لاحق تھی کہ ریحان کہیں ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ چنانچہ رات کو صباحت نے اپنا زیور اور کپڑے بیگ میں رکھے اور سو گئی۔ صبح صباحت دیر سے اٹھی ماں باپ کے جانے کے بعد ان کے کمرے میں جا کر زیور اور پیسے لے کر پرس میں رکھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ریحان کو فون کر کے جگہ کا تعین کیا وقت بتانے سے پہلے ریحان نے صباحت سے کنفرم کر لیا کہ اس نے اپنے اور ماں کے زیورات اور پیسے رکھ لئے ہیں مقررہ وقت پر ریحان نے اسے لیا اور دوسرے شہر لے گیا۔ راستے میں صباحت کا دل گھبرایا لیکن سچ ہے کہ قدم ایک مرتبہ غلط راہ نکل جائیں تو واپسی ناممکن ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں عورت تو خاص طور پر کہیں کی نہیں رہتی۔

دوسرے شہر کے گنجان آبادی میں چھوٹا سا فلیٹ لے کر صباحت کو لے آیا۔ صباحت ادھر ادھر دیکھ کر افسردہ ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے دو کمرے اس کے گھر کے مقابلے میں تو سرونٹ کوارٹر ہی تھا۔ شام دیر تک فریدہ انتظار کرتی رہی اور رابعہ بیگم کو اطلاع دی کہ صباحت بی بی ابھی تک گھر نہیں پہنچی۔ رابعہ بیگم نے یہ سن کر گھڑی کی طرف بے اختیار ہو کر دیکھا تو کافی وقت ہو چکا تھا۔ رابعہ نے فریدہ سے کہا کہ بس آ رہی ہوں۔ رابعہ نے کسی سے کچھ ذکر نہ کیا اور فوراً گھر آ گئیں۔ اس کی سہیلیوں کے گھر فون کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ آج کالج بھی نہیں آئی۔ سرمد کو فون کر کے آگاہ کیا گیا۔ سرمد بھی گھر آ گئے اور پولیس میں رپورٹ درج کروا کر ان کے ساتھ ڈھونڈنے میں شامل ہوئے۔ رات اسی طرح کشمکش میں گزری رشتے دار بھی گھر موجود تھے۔

صباحت کو فلیٹ پر چھوڑ کر ریحان کام کا بہانہ بنا کر صبح سویرے نکل گیا۔ اس کے لئے کچھ سامان خورد و نوش لا کر رکھا۔ جلدی سے کمرے

سے اس کے زیور لے کر کام کا بہانہ بنا کر واپس آ گیا۔اس طرح سارا کام کر لیا کہ کسی کو شک تک نہ ہوا۔فرحان کو فون کر کے ریسٹورنٹ بلایا۔اسے سب معاملہ بتا دیا۔فرحان نے بتایا کہ اب وہ ایسا کام نہیں کرے گا۔اس پر ریحان نے فرحان کو اصل حقائق بتاتے ہوئے کہا سچ میں میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ اب نہیں کروں گا لیکن اس کے بار بار ملنے کے اصرار سے میں نے یہ قدم نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھایا ورنہ میرا ارادہ نہیں تھا۔

فرحان ماضی میں جھانکتے ہوئے بولا'' ہم نے جو کچھ کیا سب غلط تھا اور اس طرح کے کاموں کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے۔''

ریحان نے تائید کرتے ہوئے کہا

'' یہ کام غلط اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہے۔انجام بہت برا ہونے کے ساتھ یہ بہت ہی ہر لحاظ سے گھاٹے کا سودا ہے۔''

فرحان نے مزید بات بڑھاتے ہوئے کہا

'' یہ بات تو سچ ہے کہ ہم کسی کی آہ یا بددعا لیں گے تو ہماری زندگی بھی تباہ و برباد ہی ہو گی۔پتہ نہیں ہم کام کرنے سے پہلے سوچتے کیوں نہیں ہیں۔''

ریحان نے غصے سے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا'' اگر صباحت مجھے بار بار فون نہ کرتی نہ ملاقات ہوتی نہ آج وہ بیچاری بے بس ہوتی۔''

فرحان نے تلخ لہجے میں حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا' یہ لڑکیاں پتہ نہیں کیوں اتنی بے عقل ہوتی ہیں جب تک باہر نہ گھومیں پھریں ان کی جیسے خوراک ہی ہضم نہیں ہوتی۔اپنے آپ کو بھی برباد کرتی ہیں اور دوسروں کو بھی۔''

ریحان سر جھٹکتے ہوئے بولا

'' ماں باپ ان کو ہر سہولت دیتے ہیں بجائے اس کے کہ اللہ کا شکر کریں ان سے فائدہ اٹھائیں پڑھیں اور ترقی کریں گپیں ہانکنا گھومنا پھرنا اور اس سے بڑھ کر ان کی سوئی شادی پر اٹک جاتی ہے۔''

فرحان مسکراتے ہوئے

'' اور بے غیرتی اور بے حیائی کو انڈرسٹینڈنگ کا نام دیتی ہیں جیسے ان سے بڑا افلاطون اور ارسطو کوئی نہیں ماں باپ تو جیسے جاہل رہ گئے ہیں۔یہ محترمائیں بہت سمجھدار ہیں خود فیصلے کریں گی۔پھر اسی لئے تو مردان کو مزا چکھاتے ہیں۔''

ریحان افسردگی سے بولا

'' ان جیسی لڑکیوں کی وجہ سے جو لڑکیاں واقعی پڑھنا چاہتی ہیں اور ترقی کرنا چاہتی ہیں ان کی راہوں میں بھی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں ان کو ان کے جائز کاموں سے بھی روک دیا جاتا ہے صحیح ہے کہ ایک مچھلی سارے جل کو گندا کر دیتی ہے۔''

فرحان نے بات بدلتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے شہر جا کر پیپرز کی تیاری کرے گا ایڈمشن تو چلا گیا ہے ویسے بھی ہاسٹل کے لڑکے تو پڑھنے دیتے نہیں۔

ریحان نے تعریف کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں۔دل لگا کر دن رات پڑھتے ہیں پہلے توبہ کریں گے کہ اللہ معاف

کردے آئندہ کبھی کسی کے ساتھ برا نہ کریں گے جو ہو گیا سو ہو گیا۔شکر ہے صباحت نے گھر میں کسی سے میراڈ کر تک نہ کیا تھااور نہ دوستوں تک۔
اب تو یہ بس ساری زندگی اس کا ازالہ نہ کرسکیں گے۔

سرمداور رابعہ کی حالت غیر ہوگئی سرمد نے جب لاکر سے پیسے غائب دیکھے تو رابعہ نے بھی اپنے مخصوص زیور کے دراز کھول کر دیکھے۔زیور غائب دیکھ کر سرمد کو تو ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا اب ہسپتال میں خطرے سے باہر آ گئے تھے اور رابعہ پر غشی طاری تھی لیکن اب ٹھیک تھی۔

دونوں بے چین اور سرد جسم لئے چھت کو گھور رہے تھے۔کچھ دن ہسپتال میں رہنے کے بعد دونوں کو گھر شفٹ کر دیا گیا۔دونوں بہت دکھی تھے۔

دونوں کو دکھ تھا کہ صباحت کا کہیں بھی کوئی مقام نہیں ہوگا جن کی شادی باقاعدہ ہوتی ہے ان کو بھی بہت مسائل کا سامنا رہتا ہے اور جو اس طرح چلی جائے ان کی تو کوئی عزت نہیں ہوتی نہ کوئی قدر رہتی ہے۔حتیٰ کہ شوہر کے دل میں بھی کوئی قدر نہیں ہوتی۔زندگی کے ہر قدم پر ان کے لئے ٹھوکریں اور طعنے ہی ہوتے ہیں۔

☆......☆......☆

صباحت کچھ دن انتظار کرنے کے بعد بہت گھبرا گئی اس نے ریحان کے نمبر پر بار بار ٹرائی کیا لیکن نمبر ہمیشہ بند ملا۔اب اسے یقین ہو گیا کہ سب فراڈ تھا یہ خیال آتے ہی اپنا خاص بیگ تلاش کیا جس میں زیور تھا جب سب زیور غائب پایا تو بہت پچھتائی دن رات روتی رہی۔باہر جا کر سلیپنگ پلز لائی۔پھر ماں باپ کا چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا۔بار بار خیال آیا کہ واپس چلی جاؤں پھر سوچتی کہ اب جانے کا فائدہ نہیں ہے کیونکہ لڑکیوں کے دامن پر ایک مرتبہ غلط داغ کبھی نہیں دھل سکتا گو کہ کچھ بھی نہیں کیا نہ نکاح نہ کوئی غلطی بس بھاگ جو آئی کون میری بات سمجھ سکے گا۔اسے اپنی دوست کی بات یاد آئی جو ملاقاتوں کا جان کر اسے سمجھاتی تھی کہ صباحت تم لڑکی ہو اور لڑکی باکردار ہی پسند کی جاتی ہے میں تمہیں غلط نہیں کہہ رہی لیکن کسی مرد سے گپ شپ جب کیا جاتا ہے تو وہ مرد بھی باکردار اور عزت دار کبھی نہیں سمجھتے تم جانتی ہونا کہ لڑکیاں سفید چادر کی مانند ہوتی ہیں ایک دفعہ داغ لگ جائے تو وہ کتنا واضح نظروں میں رہ جاتا ہے اور مرد کالی چادروں کی مانند بہت سے داغ بھی نظر نہیں آتے۔اس لئے پلیز کسی سے بات چیت نہ رکھا کرو۔

صباحت انعم کی باتیں یاد کر کے زار و قطار رونے لگی۔دن رات بہت روتی رہی سب ماضی نگاہوں میں گھوم کر رہ گیا۔سب سہیلیاں اور کزنز یاد آتی رہیں ماں باپ اور فریدہ سب بار بار نگاہوں میں آجاتے۔صباحت نے بہت سوچا کہ اب زندگی میں کچھ اچھا نہیں ہو سکے گا نہ دوستوں کا رویہ......نہ ماں باپ کا اعتبار......نہ کسی سے بات چیت کا فائدہ......نہ کسی کے ساتھ بیٹھنے کی امید۔

یہ سب سوچیں اسے بار بار تنگ کرنے لگیں۔آخر کار صباحت نے سلیپنگ پلز کھالیں۔اس کو انعم کی باتیں اور بار بار سمجھانا بار بار یاد آنے لگا۔آواز گونجنے لگی۔

"پلیز صباحت اس راستے پر کسی صورت کوئی بھلائی نہیں ہے۔پلیز اس راستے کو چھوڑ دو اس کا انجام صرف اور صرف ذلت بربادی تباہی

اور پچھتاوا ہے دیکھو میں تمہاری بھلائی چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اس طرح تباہ و برباد ہو کر رہ جاؤ میرا یقین کرو اس طرح ہر لحاظ سے صرف تباہی ہو گی۔''

صباحت کو شدت سے تکلیف ہوئی اور اوندھے منہ گر گئی۔ اسی طرح کچھ دن پڑی رہی ساتھ والے اپارٹمنٹ والوں نے انسانی گوشت کے گلنے سڑنے کی بو سونگھ کر پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے لاش کو اپنی تحویل میں لے لیا اور اپارٹمنٹ کو سیل کر دیا۔ سرد خانے میں لاش رکھوا کر تحقیق کروائی اور سرمد سے رابطہ کیا۔ جب سرمد کو لاش کی شناخت کے لئے بلایا گیا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جلدی سے پہنچے۔ شناخت کے بعد لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دی۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ سے یہ واضح ہو گیا کہ صباحت کے ساتھ ریپ نہیں کیا گیا کوئی کسی قسم کا تشدد نہیں تھا۔ اپارٹمنٹ میں سب چیزوں کے فنگر پرنٹس لئے گئے۔ ریحان کو گرفتار کر لیا گیا۔ سب زیورات برآمد کئے گئے اور باقی کئے گئے جرائم بھی اگلوا لئے گئے۔ سب کی روشنی میں سزا سنائی گئی۔ فرحان نے سنتے ہی سم پھینک دی اور معافی مانگ کر پڑھائی میں مصروف ہو گیا۔ نعمان جیل میں ریحان سے ملنے آیا افسوس کا اظہار کیا کہ ضمانت نہیں ہو سکتی۔ ریحان نے نعمان کو شکستہ لہجے سے صرف اتنا کہا کہ ہم کام کرتے وقت بے خبر ہو جاتے ہیں کہ ہم نے بھرنا بھی ہے جیسے کام تھے ویسی سزا تو کاٹنی ہی ہے۔ مخلوق خدا کو سیدھا راستہ دکھانے کی بجائے لوٹ کر یہ کیوں بھول جاتا تھا کہ ان کا رب بھی ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ایسا تو ہونا تھا لیکن ہم سمجھ نہیں سکتے اور جب سمجھ آتی ہے تب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

کچھ دیر رک کر آنسو پونچھتے بولا ''تم بہت اچھے ہو تم نے ہمیں بار بار روکا' ہر طرح سے سمجھایا لیکن ہم نجانے کیوں عجیب و غریب غلط دلائل سے اپنے آپ کو قائل کرتے تھے کہ ہم غلط نہیں ہیں۔ تم صحیح کہتے تھے کہ غلط ہمیشہ غلط ہی ہوتا ہے چاہے وہ کوئی بھی کرے اور کسی بھی طریقے سے کرے اور صحیح صحیح ہی رہتا ہے چاہے اسے کوئی غلط کہتا رہے۔

نعمان جو کافی دیر سے خاموشی سے سن رہا تھا بولا

جس طرح دن رات اکٹھے نہیں ہو سکتے نہ بارش دھوپ اور موت اور حیات اکٹھے نہیں ہو سکتے بالکل اسی طرح شر اور خیر' نیکی اور بدی' اچھائی اور برائی بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے کبھی بھی برائی کا انجام اچھا نہیں اور نہ اچھائی کا برائی ہوتا ہے۔

''ریحان'' نعمان نے ہاتھ پکڑ کر آنسو پونچھتے ہوئے کہا ''چلو جو ہو گیا سو ہو گیا۔'' میں نے تمہارے لئے بہت سوچا ہے تم سنو گے تو تمہیں یقیناً اچھا لگے گا۔ اس میں واقعی تمہارا فائدہ ہے۔'' ریحان نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

نعمان نے مشورہ دیا کہ تم یہاں رہ کر پیپرز کی تیاری کر لو اجازت مل جائے گی اس طرح سزا کے ختم ہونے تک اپنی تعلیم جاری رکھ لو۔

ریحان کو جیسے کوئی امید کی کرن دکھائی دی ہو آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور نعمان کی ہاں میں ہاں ملا کر کہا

''سچ نعمان میں مکمل طور پر مایوس ہو گیا تھا ایسے لگتا تھا کہ زندگی بے مقصد اور بے رنگ ہو کر رہ گئی لیکن ایسے میں یہ امید کی کرن تم نے دکھائی۔''

ایک مرتبہ پھر رک کر بولا ''واقعی نعمان تم بہت اچھے ہو ورنہ ایسے میں تو اپنے بھی پرائے ہو جاتے ہیں۔تم نے اتنا سوچا ایسا کوئی نہیں کرتا۔''

نعمان نے حوصلہ دیتے ہوئے مزید کہا ''اب محنت کرو' تمہارے لئے وکیل کا انتظام کریں گے۔وکیل کا انتظام فرحان نے کیا ہے تم پڑھو تمھیں اس میں مشکل نہیں ہوگی۔چلو یہ لو میں نے تمہارے لئے خاص پکوان بنوایا ہے کھاؤ اور مطمئن ہو جاؤ۔کچھ دن بعد فرحان آئے گا تم سے ملنے۔

یہ کہہ کر نعمان چلا گیا اور اس کے کچھ دیر بعد فرحان آیا۔ریحان فرحان کو دیکھ کر رونے لگا۔فرحان نے چپ کراتے ہوئے کہا ''ہم دونوں نے معافی تو مانگ کر تہیہ کیا تھا کہ اب نہیں کریں گے پھر یہ کیوں اور کیسے؟ ریحان بس یار سوچا کہ آخری معرکہ مار لوں نہیں چھوڑ رہی تھی پیچھا' پھر غلطی کر بیٹھا۔سچ کہتے ہیں کہ بچھو کا ڈسا بچ سکتا ہے لیکن عورت کا ڈسا نہیں بچ سکتا۔''

فرحان کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد جلد لوٹ آیا۔ریحان اپنے کئے پر پچھتا رہا تھا اور اسے اپنی دلیل بار بار یاد آ رہی تھی کہ مرد انہی عورتوں کو بے وقوف بناتا ہے جو کمزور دار اور کھسکی ہوئی ہوتی ہیں ورنہ مضبوط کردار اور شریف کو تو بے وقوف نہیں بنا سکتا۔'' اب تو اس دلیل کی جگہ یہ کہنا چاہیے کہ مرد انہی عورتوں سے دھوکہ کھاتا اور سزا کاٹتا' بے عزت ہوتا ہے جن کی طرف مائل ہوتا ہے ورنہ تو نہ کسی سے ڈسا جائے اور نہ بے قدرا ہو کر رہے بے وقعت ہو کر رہ جائے۔

اب تو یہی ٹھیک ہے ہم عورتوں کو کھلونا سمجھتے ہیں اور ان کا پیدا کرنے والا ہمیں ذلیل کر دیتا ہے لیکن ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آتی ہے۔

سرمد اور رابعہ بیگم پورا دن اپنے کمرے میں ہی رہتے' مہمان بہت آتے سب افسوس کرتے بیٹھتے اور باتوں باتوں میں طنز کرتے۔سرمد اور رابعہ حیران تھے کہ جن لوگوں کے ساتھ اتنا وقت گزرا جن کے لئے کیا کچھ نہیں کیا وقت پڑنے پر کس طرح طعنہ دے جاتے ہیں۔

رابعہ نے سرمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

''ہمیں لوگوں کی چبھتی ہوئی نظریں اور عجیب وغریب سوال مار ڈالیں گے۔''

سرمد لمبی آہ لے کر بولے

''یہ تو اولاد کے دیئے ہوئے تحفے ہیں اور تحفے تو قبول کرنے پڑتے ہیں۔''

''ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو وہ تو بہت خوش نصیب ہوتے ہیں جن کی اولادیں ان کا خیال رکھتی ہیں۔اور صباحت نے تو ہمیں گرا دیا ہے واقعی سچ ہے کہ جن کی اولاد دھوکہ دے جائے پھر وہ کہاں کبھی اٹھ سکتے ہیں۔''

'' کہتے ہیں ہر زخم کا مول ہوتا ہے لیکن نہیں یہ غلط ہے اس کا نہیں ہو سکتا وہ ہمیں اس عمر میں کیا دکھا گئی۔اتنا گہرا زخم دے گئی ہے جو شاید کبھی بھی نہ بھر سکے۔''

''سرمد تم کافی دیر سے خاموش ہو دکھ تو بولو' رابعہ نے سرمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کسی گہری سوچ میں بیٹھے تھے۔

''کچھ تو بولیں۔'' رابعہ نے بے چینی سے کہا۔

''کیا بولوں تم ہی بتاؤ۔'' سرمد نے سرد آہ لیتے ہوئے کہا

’’کچھ تو بولیں ایسے خاموش تو نہ رہیں۔‘‘ رابعہ نے سرمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’اب کسی کام کا جی نہیں چاہتا ایسے لگتا ہے سب کچھ ختم ہو گیا ہے کچھ نہیں نہ مقصد نہ کسی میں دلچسپی اب کیا بولوں کچھ ہو تو۔‘‘

’’پھر بھی کیا سوچ رہے ہیں۔‘‘

’’سوچ رہا ہوں کہ کیا سارا قصور صباحت کا ہی ہے اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔‘‘

’’کیا مطلب؟ میں کچھ نہیں سمجھی۔‘‘ رابعہ بیگم نے الجھے انداز میں کہا۔ سرمد نے آہستگی سے کہا۔

’’صباحت کی تم ماں تھی وقت دینا چاہیے تھا تمہیں اسے اپنے آپ سے اٹیچ کرنا چاہیے تھا تاکہ وہ تمہیں اپنی ہر بات بتاتی اس کی تم رہنمائی کرتی۔ کوتاہی تمہاری بھی ہے۔‘‘

’’اگر ہم نے اس کی تربیت کے لئے وقت نکالا ہوتا تو ہمیں یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ اگر ہم نے اس کو وقت دیا ہوتا تو اس کی شخصیت میں کبھی کمی نہ رہ جاتی۔ ہم نے کبھی اس کی تربیت کے لئے وقت ہی نہ نکالا تھا اور نہ کبھی اس کے احساسات کو سمجھا نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی اس لئے تو آج یہ دکھ دیکھنے پڑے ہیں۔‘‘

ہم تو سارا سارا دن کیریئر بنانے میں مصروف رہے۔ اپنی زندگی خود ہی مشکل بنا دی۔ بے رنگ کر دی ایک ہی بیٹی تھی ہمیں اس کا دن رات خیال رکھنا چاہیے تھا کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جن بچوں کو گھروں میں پیار نہیں ملتا وہ پیار کے بھوکے اور متلاشی ہوتے ہیں جہاں بھی کوئی مل جائے اس کی طرف ہو جاتے ہیں یہی ہماری بیٹی کے ساتھ ہوا۔‘‘

’’ہمیں تو بڑوں نے بھرپور وقت یا تھا پیار ملا تھا دادا' دادی اور ماں باپ تو خاص سے وقت دیا کرتے تھے۔ غلط اور صحیح میں تمیز سکھاتے تھے اس لئے تو اچھی شخصیت ہوئی تھی۔‘‘

’’ہاں میں بھی یہی سوچتی ہوں۔‘‘

سرمد نے بات بڑھاتے ہوئے کہا

’’سب سے زیادہ فکر لاحق اس بات کی ہے کہ اس کا فیصلہ کتنا غلط تھا حرام موت ملی ہے اسے اور کیا کرتی اب اس کا کیا مقام تھا کہیں بھی نہیں اور کچھ بھی نہیں۔‘‘

’’آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں آج اپنی کوتاہیاں یاد آ رہی ہیں۔‘‘ رابعہ نے تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

سرمد پھر آنکھوں میں آنسو صاف کرتے ہوئے بولا

’’کاش ہم نے صباحت کی تربیت اسلامی تعلیمات کے مطابق کی ہوتی تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے لیکن ہم تو خود ہی اعتدال سے کام نہ لے سکے ہر وقت کام میں مخمور رہنا ہی ہمارا شیوہ تھا۔ نہ خود اپنے رب کو یاد کیا اور نہ اس کو اس طرف رہنمائی کی۔‘‘

واقعی یہاں ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی اعتدال تو زندگی میں بہت ضروری ہے رب نے اعتدال کا راستہ دکھایا ہے لیکن ہم عبادت کو تو

بھول گئے لیکن اپنی پیاری بیٹی تک کو وقت نہ دے سکے اور نتیجہ جن لوگوں میں اپنی ساکھ اور دولت کے انبار جمع کرتے رہے وہ اب ہمارے کسی کام کے نہیں ہیں۔ وہی لوگ جو ہمارے آگے پیچھے پھرتے تھے جن کی زبانیں ہمارے محاسن گنتے نہیں تھکتی تھیں آج انہی کو پر لگ گئے' ہمارے منہ پر کیا کیا نہیں سنا جاتے اور پیچھے سے تو توبہ کرو سوائے زاہدہ کے سب نے کیا کچھ نہیں کہا ہے۔''

رابعہ بیگم کی باتوں کو بغور سننے کے بعد سرمد بولے

''رابعہ اب دیکھو نا کہ زاہدہ کی بیٹی بھی ہماری بیٹی کی ہم عمر تھی وہ کتنی ہر لحاظ سے اچھی اور کامیاب ہے۔ اس نے اس کو وقت دیا اور توازن رکھا اعتدال سے کام خود بھی کیا اور اس کو بھی سکھایا۔ دیکھو رابعہ سارا قصور صباحت کا نہیں ہے۔ اس میں ہم بھی قصوروار ہیں۔ ہم دونوں ہی اناء کے خول میں جکڑے ہوئے تھے۔ اعتدال کا راستہ چھوڑ کر دولت اور ساکھ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا نہ خود رب کو یاد رکھا اور نہ صباحت کو ہی اس کے احکامات بتائے تو پھر اس نے یہی کرنا تھا ٹھوکروں والا کام''

مزید سرمد بولے۔

''ہم نے ساکھ بنانے کے لئے دن رات وقف کر دیا تھا نہ دن دیکھا نہ رات نہ فرائض کا خیال رہا نہ ہی کسی اور چیز کا خیال تھا تو صرف اور صرف ساکھ کا تھا کہ بہت اعلیٰ ہو بلکہ یوں کہو کہ ساکھ کو انا بنا لیا تھا جس سے آگے دیکھنا ممکن نہ تھا کچھ سوچنا ممکن نہ تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ہماری بیٹی ہماری اناء کا شکار ہوگئی۔ انا کی نظر ہوگئی۔

☆......☆......☆

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سعدیہ عابد کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

جیتوں تو تجھے پاؤں

ہر ماہ کی 16 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط
پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سحرش علی نقوی کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

ہم نوا تھے جو

ہر ماہ کی 10 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط
پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

ہوس

عبدالحق کو رات دیر سے آتا دیکھ کر ماں غصے سے بولی "بیٹا میں جب سے آئی ہوں نوٹ کر رہی ہوں تم مسلسل گھر لیٹ آتے ہو۔"

عبدالحق ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا 'بس کام ہی ایسا ہے دیر ہو جاتی ہے آپ پریشان نہ ہوا کریں۔'

ماں سر جھٹکتے ہوئے بولی "کمال کرتے ہو تمہاری شادی ہوئی ہے اسے وقت دیا کرو۔"

عبدالحق ماں کی بات سے چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا

"پلیز ماں بس کریں۔" صائمہ کو میں نے سب سہولتیں دی ہیں۔ جن کا کوئی لڑکی تصور کر سکتی ہے۔ گھر' پیسہ' گاڑی حتیٰ' کہ ڈرائیور اور نوکر چاکر اور کیا کروں۔ آپ ہر دوسرے دن نصیحت شروع کر دیتی ہیں اب اور کیا کروں اس کے لئے۔ تارے توڑ کر لا دوں۔'

ماں تحمل سے سمجھاتے ہوئے بولی "بیٹا تارے توڑنے کا نہیں کہہ رہی دیکھو وقت دیا کرو اس کا حق ہے یہ تم نے اس سے شادی کی ہے۔"

عبدالحق موڈ ٹھیک کرتے ہوئے بولا "امی بس کریں یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں آج کل یہ سب کچھ معنی نہیں رکھتیں۔"

ماں لمبی سانس لیتے اٹھ کھڑی ہوئی اور جاتے ہوئے کہہ گئیں

"اللہ ہی تم پر رحم کرے ایسا رہا تو گھر بستا نظر نہیں آ رہا۔"

عبدالحق بہت کامیاب بزنس مین تھا پورے ملک میں اس کے بزنس کی بڑی دھوم تھی۔ سب ورکرز ہی اس کی قابل رشک صلاحیتوں کی داد دیتے تھے اور دوستی کے بہانے ڈھونڈتے تھے۔ یہ بزنس اس کی دن رات کی انتھک محنت سے ترقی کر رہا تھا اس کی خامی یہ تھی کہ وہ سب کو جھکانا چاہتا تھا خود کسی معاملے میں نرمی اور کمپرومائز نہ کرتا تھا وہ بس اپنی بات منوانا جانتا تھا کسی کی بات سننا پسند نہ کرتا تھا اگر سن بھی لیتا تو سنی ان سنی ایک کر دیتا تھا۔

اس کی اس عادت کو کوئی پسند نہ کرتا تھا نہ ورکرز' نہ رشتے دار' نہ گھر والے اور حتیٰ' کہ صائمہ تک کو یہ بات پسند نہ تھی۔ وہ تو اپنے خوابوں اور تصورات میں اپنے شوہر کا ایسا تصور بسائے بیٹھی تھی جو اس کے جذبات......احساسات......خوشیوں......افسردگیوں کی پرواہ کرتا ہو۔ گو کہ......سب عبدالحق کی محنت کی بہت تعریف کرتے تھے اور یہ سچی لگن اور اس کی دن رات محنت ہی کا نتیجہ تھا کہ کاروبار اتنا وسیع اور وہ کامیاب تھا لیکن......سب ورکرز اور باقی لوگ اس سے دبے لفظوں میں بات کرتے تھے کہ کسی بات پر وہ ناراض نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ صائمہ کا بھی یہی حال تھا کہ وہ اس کی ناراضگی سے بچنے کے لئے بہت محتاط گفتگو کرتی تھی۔

صائمہ پورا دن فارغ رہ کر بور ہو جاتی تو میکے چلی جاتی اس دفعہ میکے آئی تو نتاشہ کو بھی موجود پایا۔ دونوں نے بہت دیر باتیں کیں کپڑوں'

تصویروں حتیٰ کہ ہر چیز کے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔ باتوں باتوں میں ثناشہ نے پوچھا کہ سنا ہے کہ تمہارے شوہر غصے کے تیز ہیں اور طبیعت کے سخت ہونے کے ساتھ ساتھ جنون کی حد تک کام میں مصروف رہنے والے ہیں تمہارے ساتھ کیسے ہیں؟

صائمہ نے مختصراً جواب دیا کہ میرے ساتھ بہت اچھے ہیں خیال رکھتے ہیں تمہیں کس نے یہ کہا۔

ثناشہ نے مختصراً جواب دیا لوگ کہتے ہیں۔

صائمہ ناگواری سے بولی ''لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے ایک کی سو بنانے کی اور بات بڑھانے کی۔

ثناشہ نے مزید بتایا کہ لوگ کہتے ہیں ان کے سامنے کوئی نہیں زیادہ بولتا کہ بے عزتی ہو جائے۔ صائمہ نے مسکراتے ہوئے بتایا ہاں وہ ذرا غصے کے تیز ہیں اور کچھ نہیں۔

ابھی صائمہ اور ثناشہ باتیں کر رہی تھیں کہ عبدالحق کی آواز سن کر دونوں خاموش ہو گئیں۔

ماں نے عبدالحق کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر صائمہ کو بتایا۔ صائمہ سلام کر کے بیٹھ گئی عبدالحق نے ساتھ چلنے کا کہا۔ صائمہ نے کہا'' آپ نے تو دو دن بعد آنا تھا عبدالحق نے صرف اتنا کہا کہ چلو گھر مجھے دیر ہو رہی ہے۔ صائمہ بادل نخواستہ عبدالحق کے ساتھ چل دی۔ راستے میں صائمہ نے عبدالحق سے کوئی بات نہ کی لیکن عبدالحق کو اس کی کوئی پرواہ نہ تھی بس وہ جیسے چاہتا تھا ویسے ہی کروالیتا تھا۔

صائمہ بہت خواہش کا اظہار کرتی کہ وقت نکالیں کہیں گھومنے پھرنے چلتے ہیں لیکن عبدالحق یہی سمجھتا تھا کہ سب سہولتیں دے رکھی ہیں اور اس کی خواہش کا پاس نہ رکھتا۔ وہ تو صبح سے رات گئے کاروبار میں کھویا رہتا اور صائمہ گھر میں بور ہو جاتی اور اکتاہٹ کا شکار ہو جاتی۔ سال بعد شادی کی سالگرہ بہت دھوم دھام سے منائی۔ تقریب بہت ہی پر لطف اور ہر لحاظ سے اعلیٰ تھی۔ صائمہ پنک ساڑھی میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ سب صائمہ کو رشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ صائمہ کی ماں اس پر نظر کا دم پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی۔ بہن بھائی اور باپ سب بہت خوش تھے۔ نوکر سب کاموں میں مصروف رہتے پہلے ڈرنک پیش کیا پھر کیک کاٹا اس کے بعد کھانا دیا۔ صائمہ کی کزنز سب دیکھ کر حیران اور خوش ہو رہی تھیں۔ اس تقریب میں صائمہ واقعی بہت خوش لگ رہی تھی سب نندیں اور باقی رشتے دار بھی موجود تھے۔

عبدالحق کا بزنس کے سلسلے میں پیرس کا پروگرام بنا تو ماں نے مشورہ دیا کہ صائمہ کو بھی لے جاؤ چنانچہ عبدالحق نے یہی فیصلہ کیا کہ صائمہ کو ساتھ لے کر جائے گا۔ صائمہ کو بتایا کہ ایک ماہ کے لئے پیرس چلیں گے۔ اس سے واقعتاً صائمہ بہت خوش ہو گئی جانے کی تیاریوں میں وقت کا پتہ ہی نہیں چلا یہ اس کا شوہر کے ساتھ پہلا سفر تھا۔ گاہے بگاہے دونوں گھومنے پھرنے نکل جاتے۔ پیرس واقعی بہت خوبصورت اور دلکش لگا اور عبدالحق کے ساتھ تو صائمہ کو گھومنا پھرنا بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔ صائمہ کو عبدالحق نے بہت گھمایا' بہت تفریحی مقامات پر گئے پارک اور شاپنگ مال گھومنا بہت لطف اندوز ثابت ہوا۔ وسیع وعریض مقامات اور ترقی دیکھ کر صائمہ دنگ رہ جاتی اور ہر طرف پھیلی خوبصورتی دل موہ لینے والی تھی۔ ہفتے میں دو تین دن عبدالحق اپنے آفس کے کاموں میں مصروف ہوتا اور صائمہ ہوٹل میں آرام کرتی کبھی کھڑکی سے باہر کا نظارہ لیتی۔ باہر کا نظارہ بھی ایسا منظر پیش کرتا جیسے صائمہ خود گھوم پھر رہی ہو اور اتنا محو ہو جاتی کہ وقت گزرنے کا احساس نہ رہتا۔ آخری تین دن صائمہ اور عبدالحق نے سب گھر والوں کے لئے اچھی

خاصی شاپنگ کی اور آخری شام لیرس پر گزاری۔ جانے سے پہلے دونوں نے سامان کی پیکنگ بہت احتیاط سے کی تا کہ کوئی چیز رہ نہ جائے اور صائمہ ساس سسر سے ملنے گئے وہاں ان کے ساتھ ہی لنچ کیا اور جانے سے پہلے ملے۔ ساس سسر کی بہت دعائیں لے کر گھر سے ایئر پورٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ واپسی پر ساس سسر نے ان کو ایئر پورٹ پر چھوڑا اور تحائف بھی دیئے۔ عبدالحق نے واپس آ کر سب کو تحائف دیئے جو ان کے لئے لایا تھا۔ سب کے تحائف بہت خوبصورت تھے اور سب کو بہت پسند آئے۔ ماں باپ کے گھر صائمہ کے ساتھ عبدالحق بھی گیا سب سے ملا اور ان کو تحائف دیئے۔ ساس سسر کے لئے لائے ہوئے تحائف خود ان کو دیئے۔ عبدالحق نے رات کا کھانا سب کے ساتھ کھایا اور صائمہ کو لے کر گھر آ گیا۔ گھر آ کر صائمہ نے چیزیں سمیٹیں اور لیٹ گئی۔

عبدالحق نے حیرت سے پوچھا "صائمہ طبیعت ٹھیک ہے۔" صائمہ نے مسکرا کر کہا "کیا ہوا ہے میری طبیعت کو؟"

عبدالحق تھوڑا رک کر بولا "نہ جانے کا پوچھا نہ کچھ بات کی اور تھکی تھکی لگ رہی ہو۔"

صائمہ کمبل اٹھاتے ہوئے بولی "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، طبیعت بہت بوجھل ہے۔"

عبدالحق نے نظریں ملاتے ہوئے پوچھتا "کب سے"

صائمہ مختصراً بولی "دن سے بلکہ دو دن سے۔"

عبدالحق نے آرام کرنے کا کہا کہ تھکن کی وجہ سے ایسا ہوگا۔ کچھ دن صائمہ کی طبیعت ایسی ہی رہی تو وہ ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ چیک اپ مکمل کیا گیا تو ڈاکٹر نے کہا کہ ان کو کچھ مزید ریسٹ کی ضرورت ہے ایسا ہو جاتا ہے۔ عبدالحق کے پوچھنے پر ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ دونوں اس خبر سے بہت خوش ہوئے۔ اب عبدالحق وقت پر گھر آ جاتا اور صائمہ کا بہت خیال رکھتا۔ جس سے صائمہ بہت خوش تھی اس کے لئے ہر دن عید کا دن تھا اور ہر رات شب برات تھی۔ جب سے صائمہ کی خوشخبری کا پتہ چلا سسرال سارا بہت خوش تھا۔ نندیں بار بار مبارکباد کے فون کرتیں اور گائیڈ کرتی تھیں۔ صائمہ کے ماں باپ بہت خوش تھے اور اللہ کا شکر ادا روزانہ کرتے کہ بیٹی کو یہ اتنی بڑی خوشی دی ہے۔ ماں ہر نماز کے بعد صائمہ کی خیر و عافیت کی دعا کرتی۔

مہینے دنوں میں گزرتے معلوم ہوئے اور صائمہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ عبدالحق ہسپتال میں نرس سے بیٹا لے کر ہاتھوں میں اٹھا کر بیٹھا۔ وہ بہت مسرور نظر آ رہا تھا۔ وہ بیٹے کو لے کر بہت خوش تھا۔ صائمہ کی آنکھ لگ گئی بیٹے کو چوم کر سوچنے لگا

"یہ کیسی انجانی سی خوشی ہے جو رگ و پے میں سرایت کر رہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے آج میں مکمل ہو گیا ہوں۔ واقعی اولاد کتنی بڑی نعمت ہے انمول نعمت ایسا کبھی پہلے محسوس نہیں ہوا تھا آج جیسے ذات کی تکمیل ہوئی ہے۔

عبدالحق انہی سوچوں میں محو تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ساس سسر اندر آئے عبدالحق کو انہوں نے بہت مبارکباد دی۔ ماں نے صائمہ کو پیار کیا اور منا اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ عبدالحق نے ان کو مٹھائی دی وہ کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں عبدالحق کی دونوں بڑی بہنیں بھی آ گئیں۔ وہ چھوٹے کے لئے بہت سے تحائف لے کر آئی تھیں۔ عبدالحق نے دیکھ کر کہا کیوں اتنا تکلف کیا۔

بڑی بہن زینب بولی" یہ ہماری اپنی خوشی کا اظہار ہے۔ بچے کے لئے یہ اس کا حق ہے اس میں تکلف کی کیا بات ہے۔"

صائمہ کی ماں نے ہاں میں ہاں ملائی۔ زینب اور شمائلہ نے باری باری چھوٹے کو اٹھا کر گود میں لیا اور بہت دیر بیٹھی رہیں۔ صائمہ کی آنکھ کھلی بھرا ہوا کمرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ سب باری باری اس سے ملے اور مبارکباد دی۔ ماں نے بہت دیر گلے لگائے رکھا اس کے ہاتھ پاؤں چومے صائمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے سوچنے لگی

" یہ ماں باپ کیا ہوتے ہیں۔ ساری زندگی اولاد پر صرف کر دیتے ہیں نہ اپنی فکر نہ خیال بس اولاد کی آنکھوں میں خوشیاں دیکھنا چاہتے ہیں اور اسی پر خوش ہو جاتے ہیں جوان ہستیوں کو دکھ دیتے ہیں وہ کیسے خوش رہ سکتے ہیں۔"

ہسپتال سے ڈسچارج ہونے پر جب صائمہ گھر آئی تو حیران ہوئی کہ گھر کو بہت سجایا ہوا تھا۔ ننھے کا بہت دھوم دھام سے استقبال ہوا۔ زینب' شمائلہ اور حمیرا تینوں نے سب انتظام کیا تھا۔ شمائلہ نے بھتیجے کو اٹھا کر بہت پیار کیا صائمہ کو خوب چوما اور عبدالحق کو بہت مبارکباد دی۔ ساتویں دن منے کا نام ریحان رکھا اور عقیقہ کیا۔ صائمہ اس کا بہت خیال رکھتی۔ عبدالحق دوبارہ کاروبار میں ہی دن رات مصروف رہنے لگا۔ جب ریحان سال کا ہوا تو اس کی سالگرہ بہت دھوم دھام سے منائی۔ اب صائمہ واقعی خوش تھی اور نندیں تو صائمہ کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ریحان دو سال کا تھا جب اس کا بھائی ارسلان پیدا ہوا۔ دونوں کا خیال رکھتی اور زیادہ تر گھر میں ہی رہتی اب کم میکے جاتی تھی امی اور بہن ہی زیادہ تر ملنے آتی تھیں۔ نندیں بھی آ جاتیں لیکن وہ کہیں نہ جاتی کیونکہ عبدالحق بہت ہی مصروف تھا۔

اس دفعہ امی اور بہن کے ساتھ اس طرح ملی جیسی بہت عرصے بعد ملی ہو۔ باتوں باتوں میں ماں نے ماریہ کا بتایا کہ وہ یونیورسٹی میں ایڈمشن لے رہی ہے۔ کل فیس جمع کروانے جائے گی۔ صائمہ نے خوشی سے کہا" ماں یہ تو بہت اچھی بات ہے اتنے اچھے مارکس اس نے لئے ہیں اس کو ایڈمشن لینا چاہیے۔"

ماں نے بیزاری سے کہا" میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی شادی کر دی جائے بس اتنی پڑھائی بہت ہے۔"

صائمہ تنگ کر بولی" ارے اماں اس کو آگے پڑھنے دیں شادی بھی بعد میں ہو جائے گی۔" ماں اور بہن صائمہ کو حیرت سے دیکھنے لگیں کچھ دیر خاموش رہ کر مزید بولی

" شادی کے بعد زندگی میں تو یکسانیت آ جاتی ہے۔ میری شادی کو چار سال ہی ہوئے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے صدیاں ہو گئی ہیں اسی قید خانے میں نہ کہیں آنا اور نہ جانا بس بند پڑے رہو۔"

صائمہ کی باتیں سن کر ماں کو غصہ آ گیا اور بولیں" اللہ کا شکر کرو ہر نعمت دے رکھی ہے مت ناشکری کیا کرو۔ ہر آسائش ہے تمہارے پاس اولاد ہے چاند جیسے دو بیٹے ہیں' میاں ہے اتنا خیال رکھنے والا' گھر ہے نوکر چاکر ہیں سب کچھ ہے پھر بھی ہر وقت ایسی باتیں منہ سے نکالتی رہتی ہو۔"

صائمہ ناگواری سے بولی" امی آپ کو نہیں پتہ میں تنہائی اور قید سے تنگ آ گئی ہوں۔ میرا دل گھبراتا ہے کوئی بات کرنے والا نہیں ہے۔ اکتا گئی ہوں ایسی زندگی سے اب میں بیزار ہو گئی ہوں۔"

صائمہ کی افسردگی اور تکلیف بھری بات سن کر ماں کچھ دیر خاموش ہو گئیں انہیں صائمہ کے الفاظ میں کرب محسوس ہو رہا تھا۔ آہستہ سے تسلی دیتے ہوئے بولیں

''صائمہ میری اچھی بیٹی تم گھر کا کام اپنے ہاتھوں سے کیا کرو۔ گھر میں موجود نوکرانیوں سے باتیں بھی کچھ دیر کر لیا کرو مصروف رہا کرو فارغ رہتی ہو اس لئے ایسا محسوس ہوتا ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ خالی ذہن شیطان کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ رہا جاب کا سوال تو بیٹا تم خود ذرا سوچو کہ عورتیں جاب کیوں کرتی ہیں؟ پیسے کے لئے ہی کرتی ہیں نا تو تمہارے پاس تو پیسہ ہے۔ تمہارے پاس عزت اور شہرت سب کچھ تو ہے۔ وہ صائمہ کو بیزار دیکھ کر بولیں۔

''لگتا ہے تمہاری عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اب تمہیں کچھ سمجھ نہیں آئے گا'' تھوڑا رک کر بولیں

''نماز پڑھا کرو یہ فرض ہے اس سے کوتاہی کی وجہ سے تم پر بیزاری چھائی رہتی ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں افسردگی اور بیزاری کی۔ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرو۔''

صائمہ ماں کی باتیں بے دلی سے سن رہی تھی اور کچھ نہ بولی۔ ماں نے سمجھاتے ہوئے کہا ''ان عورتوں کو دیکھو جو دن رات جاب کر کے گھر چلاتی ہیں کتنی محنت کہ جاب کے بعد گھر کا سارا کام کرتی ہیں کبھی اندازہ کر سکتی ہو کہ وہ کتنا تھک جاتی ہوں گی۔''

ماں کے جانے کے بعد بہت دیر تک ماں کی باتوں پر ہی سوچتی رہی اور اس بات سے اتفاق کیا کہ واقعی جاب والی عورتیں ڈبل کام کر کے بہت تھک جاتی ہوں گی اور نجانے جاب میں کتنی پریشانیوں کا سامنا بھی رہتا ہو گا لیکن گھر میں بوریت تو مار ڈالنے والی ہی ہے۔ کچھ دن صائمہ پر سکون رہی لیکن پھر اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔ ایک تو حالت ایسی ہے دونوں وجوہات ہیں بیزاری کی۔ صائمہ انہی سوچوں میں بیٹھی تھی کہ خادمہ چائے اور کباب لے کر آ گئی۔ صائمہ نے گھڑی کی طرف دیکھا تو چار بج رہے تھے وہ سیدھی ہو کر بیٹھی اور خادمہ سے بچوں کا پوچھا تو خادمہ نے بتایا'' بی بی جی وہ سو رہے ہیں۔'' خادمہ یہ کہہ کر باہر چلی گئی۔

دو دن بعد صائمہ کی چھوٹی نند اور نندوئی آ گئے۔ حمیرا دوسرے شہر سے آئی تھی اس لئے کچھ دیر ان کے پاس بیٹھنے اور چائے سرو کرنے کے بعد صائمہ نے حمیرا اور اس کے شوہر سے کہا کہ کچھ دیر آرام کر لیں آپ تھک گئے ہونگے لہٰذا وہ دونوں گیسٹ روم کی طرف چلے گئے۔

حمیرا کو اس کا میاں چھوڑ کر گھر چلا گیا۔ حمیرا اور صائمہ کی آپس میں بہت اچھی بنتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کا خیال رکھتیں۔ حمیرا صائمہ کے بچوں یعنی اپنے بھتیجوں کی ذمہ داری ادا کرتی تا کہ صائمہ کو زیادہ سے زیادہ آرام ملے۔ دونوں رات گئے باتیں کرتی رہتیں اور وقت کا پتہ ہی نہ چلتا۔ ایک ماہ گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا اور حمیرا کے شوہر اسے لینے آ گئے۔ پھوپھو کے جانے کے بعد ریحان اور ارسلان نے بہت ماں سے اصرار کیا کہ ان کو دوبارہ بلائیں۔ صائمہ نے بچوں کو سمجھایا کہ وہ ایک ماہ بعد پھر آئیں گی۔ صائمہ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق ہی ادویات لے رہی تھی اور باقاعدگی سے اپنا چیک اپ کروا رہی تی۔ جب ڈیلوری کا وقت قریب آیا تو ساس بھی آ گئیں۔ انہوں نے جو گفٹس بیٹیوں کو دیئے ویسے ہی صائمہ کے لئے بھی لائی اور کہا کہ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو تم بھی میری بیٹی ہی جیسی ہو بلکہ ہم پر تمہارا حق بیٹیوں سے بڑھ کر ہے۔

صائمہ نے سن کر تائید میں گردن ہلادی اور سوچنے لگی کہ ایسا کون سمجھتا ہے۔اگر ایسا سمجھا جائے تو بہوؤں کا ہر دوسرے گھر میں استحصال کیوں ہو

ایسا کوئی نہ سمجھتا ہے کہ بہو کو بیٹی سمجھے نہ ہی کر سکتا ہے اگر بہو کو بیٹی ہی سمجھا جائے تو ہر دوسرے گھر میں بہوؤں کا اتنا استحصال کیوں ہو چولہے پھٹنے پر بہوئیں ہی کیوں جلیں سب ویسے ہی کہا جاتا ہے۔

صائمہ کو سوچ میں گم صم دیکھ کر ساس نے یہی سمجھا کہ اس کو اس وقت اپنے والدین یاد آرہے ہوں گے اور وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔۔

ایک ہفتے بعد سسر بھی آگئے۔گھر میں سب بار باران سے ملنے آئے سب رشتے دار بار آرہے تھے۔

اللہ نے صائمہ کو اس دفعہ اپنی رحمت سے نوازا۔سارا گھر بیٹی کی پیدائش سے بہت خوش ہوا۔سسر کی خواہش پر بیٹی کا نام زبیدہ رکھا گیا کیونکہ وہ زبیدہ خاتون کی بہت عزت کیا کرتے تھے اور پوتی کو بھی بلند مقام پر دیکھنا چاہتے تھے۔دادی نے خوشی میں سب کو مٹھائی اپنے ہاتھ سے کھلائی۔صائمہ کے ماں باپ بھی بہت خوش تھے۔سب چھوٹی سے بہت پیار کر رہے تھے۔دادا نے کھانے اور کپڑے یتیم خانوں میں بھیجے۔ساتویں دن عقیقہ کیا۔سب کو بلایا اور کھانا کھلایا۔

دادا اور دادی زبیدہ کو گھنٹوں اٹھائے رکھتے اور بہت خوش ہوتے صائمہ بھی بھرے گھر میں خوش تھی کہ شکر ہے کوئی تو ہے بولنے والا ورنہ تو گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔چلو جب تک یہ ہیں اچھا ہے دل لگ رہا ہے۔دادا دادی زبیدہ کو اٹھا کر پیار کرتے اور کہتے کہ جتنی خوشی زبیدہ کو اٹھا کر اس سے کھیل اور اس سے باتیں کر کے ہوتی ہے شاید ہی ایسی خوشی کسی کام میں ہوئی ہو۔"

وہ کہتے کہ اب ہم واپس کیسے جائیں گے اور یہ ہمیں یاد بھی تو بہت آئے گی دادی کہتی کہ اس کو ہم اپنے ساتھ لے کر بھی نہیں جاسکتے۔دادا بولے اسی وقت توبہ کرو اگر ہم لے جاسکتے ہوتے تو بھی نہ لے کر جاتے ایسا کام کبھی سوچنا بھی نہ خود سوچو کہ بچے کے بغیر ماں کا دھیان ہر وقت اسی کی طرف لگا رہتا ہے۔کتنا ماں کے لئے اذیت کا باعث ہوتا ہے تم اس کا اندازہ کر سکتی ہو نہیں کوئی بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا اور کتنا بڑا گناہ ہے یہ کوئی سوچ لے تو کبھی کسی کی ماں سے بچے کو جدا نہ کرے۔"

دادی سر جھٹکتے ہوئے بولی "اللہ معاف کرے میں نے ایسے ہی بے دھیانی میں ایسا کہہ دیا ہے۔"

دادا بولے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ ایک مرتبہ سفر کے دوران کسی مقام پر رکے تو ایک صحابی نے چڑیا کا بچہ گھونسلے سے اٹھالیا۔چڑیا زور سے تڑپ کر بے چینی سے ادھر چکر کاٹنے لگی اس پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے اس کے اس طرح منڈلانے کی وجہ پوچھی تو ایک صحابی نے عرض کی کہ یہ اس لئے بے چین ہے کیونکہ اپنے دوست کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ انہوں نے اس کا بچہ اٹھا لیا ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے کہا کہ واپس بچے کو گھونسلے میں رکھ دو اور ایسا ہی کیا گیا۔"

دادی سن کر بولیں کہ واقعی پرندہ ہو یا انسان جذبات و احساسات ایک سے ہوتے ہیں۔اللہ اتنے بڑے گناہ سے بچائے۔

عبدالحق ماں باپ کو اپنے بچوں کے ساتھ خوش دیکھتا تو سوچتا کہ اولاد تو بہت پیاری ہوتی ہے لیکن اولاد کی اولاد تو زیادہ پیاری ہوتی ہے۔

بڑھاپے میں خوش رہنے کا یہ کتنا منفرد طریقہ ہے کہ بچوں کے ساتھ دل بہلایا جائے۔ ویسے بھی دونوں کا لیول شرارتوں کا ایک جتنا ہوتا ہوگا یہ سوچ کر عبدالحق کو بہت ہنسی آئی۔

کھانے کے دوران عبدالحق نے والدین کو بتایا کہ دو ماہ کے لئے امریکہ کا پروگرام ہے۔ باپ نے کہا کچھ دن اور رک جاؤ ہم چلے جائیں گے تو چلے جانا۔ عبدالحق نے نرمی سے کہا جیسے آپ کی مرضی اور عبدالحق نے پروگرام مہینہ بعد تک ملتوی کر دیا۔ جب عبدالحق نے صائمہ کو بتایا کہ جانے کا پروگرام مہینہ ملتوی کر دیا ہے تو اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا آپ نے پروگرام واقعی ملتوی کروا دیا ہے۔ عبدالحق آہستگی سے بولے۔

''ظاہر ہے والدین نے کہا تھا ٹالا تو نہیں جا سکتا۔''

صائمہ نے حیرانگی سے پوچھا ''آپ کہہ رہے تھے کہ بہت اہم ہے۔''

عبدالحق نے ہنس کر کہا ''آج تک میں نے کبھی والدین کے حکم کو نہیں ٹالا اور اسی سے اندازہ کر لو کہ تم سے شادی بھی میں نے والدین کی مرضی سے کر لی۔''

صائمہ ٹیک لگاتے ہوئے بولی

''انسان کی کامیابی والدین کا حکم ماننے میں ہی ہوتی ہے۔ سیانے کہتے ہیں والدین خوشی سے مٹی بھی دیں تو سونا بن جاتی ہے۔'' عبدالحق تائید کرتے ہوئے بولے

''والدین کا دل دکھانے والے لوگ کہیں کے نہیں رہتے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔''

والدین کے جانے کے بعد عبدالحق بھی امریکہ چلے گئے۔ صائمہ صبح ناشتہ کرتی بچوں کے ساتھ ان کو تیار کر کے سکول بھیجتی۔ پھر زبیدہ کو تیار کرتی پیار کرتی اور آیا کے آنے پر اس کے حوالے کر دیتی۔ صائمہ فارغ ہی رہتی اور بور ہو جاتی۔ کچن کے کام خادمہ کرتی جس وجہ سے صائمہ یا اخبار پڑھتی یا ٹی وی دیکھتی وہ ان سے بہت بور ہو جاتی فرینڈز کو فون کرتی وہ ڈنر یا لنچ پر ہوتی اور صائمہ کڑھتی کہ عبدالحق اسے بالکل بھی باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے وہ اکتا کر بار بار وقت دیکھتی رہتی۔ یہی حال روزانہ کا تھا۔ وہ اپنے سے کہتی کہ اب جاب کرنی چاہیے ورنہ تو پاگل ہو جاؤں گی۔ گھر رہ رہ کر حلیہ شکل وصورت سب خراب بلکہ برباد ہو گیا ہے وہ اپنے آپ سے ہی بول رہی تھی۔ کیا کروں کیا کروں کیسے جاب کی اجازت دیں گے۔ تنہائی نے مار دیا ہے لگتا ہے کہیں سکول کالج نہیں گئی۔ جیسے بچپن سے ہی قید ہوں۔ وہ یہی بڑبڑا رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی ماں اور بہن کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اس کے افسردہ چہرے پر خوشی کی یکدم لہر دوڑ گئی۔ ماں سے گلے ملی کافی دیر گلے لگی رہی آنسو بہہ نکلے اسی طرح بہن کے گلے کافی دیر تک لگی رہی اور آنسو مزید رواں ہو گئے۔

بہن نے حیرت سے پوچھا ''آپی کیا ہوا ہے۔''

صائمہ نے سادگی سے کہا ''کچھ نہیں۔''

ماں نہیں بتاؤ کہ کیا بات ہے صائمہ شش و پنج میں تھی کہ حرا کی بتائی ہوئی بات ماں کو بتائے یا نہ بتائے کیونکہ ابھی صرف حرا نے ہی اسے بتایا

تھا کہ عبدالحق ایک عورت یا لڑکی جس کا نام رافعہ ہے اس کے ساتھ دو سے تین مرتبہ شاپنگ کرواتے دیکھے گئے ہیں جو اصل میں اس کی ٹینشن کی وجہ ہے۔ صائمہ بس خیالوں میں کھوگئی لیکن خاموش ماں نے صائمہ کو گم صم دیکھ کر پوچھا" صائمہ کن سوچوں میں گم ہو بتاؤ کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک ہے عبدالحق ٹھیک ہے۔"

صائمہ مختصراً بولی" سب ٹھیک ہے۔"

ماں کی تشویش میں مزید اضافہ ہوا اور ماریہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

صائمہ نے بات ٹالتے ہوئے کہا" بس بہت بوریت ہوگئی ہے۔ اس لئے اداس ہوگئی ہوں۔"

ماں غور سے دیکھتے ہوئے بولیں اداسی کی وجہ بوریت نہیں کچھ اور ہے۔ صائمہ افسردگی سے بولی" پورا دن گھر پڑے پڑے سڑتی رہتی ہوں اداس نہ ہوں تو اور کیا ہوں۔"

ماریہ نے کہا تو جاب کرلیں اتنا اداس کیوں ہورہی ہیں؟۔

صائمہ آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی" ہاں اب کرونگی۔"

" اگر میاں نہ مانا تو" ماں نے سوال کردیا۔

صائمہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی بس کروں گی ورنہ میں پاگل ہوجاؤں گی اکیلی رہ رہ کر۔

ماں کو غصہ آیا لیکن قابو کر کے نرمی سے سمجھانے کے انداز میں صائمہ کو مخاطب کیا۔

" پیاری بیٹی! ایسے نہیں سوچتے جاب کرنے کے لئے جو عورتیں باہر جاتی ہیں وہ دوہری ذمہ داریوں سے بہت جلد تھک جاتی ہیں۔ عورت کی پہلی ذمہ داری گھر ہے۔ بچے ہیں تم گھر کا کام نہیں کرتی اس لئے بور ہوجاتی ہو۔ تم کھانا خود بنایا کرو مصروف رہوگی بوریت نہیں ہوگی۔ دن تمہارا اچھا گزرے گا۔ نماز کے بعد تسبیح پڑھا کرو سکون ملے گا سکون اصل اس میں ہے باہر جانے میں نہیں ہے۔ ضرورت ہو تو ضرور جانا چاہیے لیکن ضرورت نہ ہو تو نہیں جانا چاہیے۔ سو طرح کی ٹینشنز ہوتی ہیں باہر گارڈن ہے' پھول لگایا کرو دیکھنا کتنا سکون ملے گا۔ بچوں کو کچھ دیر پڑھایا کرو کچھ نہیں کرتی فارغ رہ کر اداس رہتی ہو۔"

صائمہ اپنی سوچ میں گم تھی اور سوچ رہی تھی کہ ماں کو کیا پتہ میں کیوں اداس ہوں گھر کا کام کرلیتی تھی جب سے عبدالحق نے گھر سے کھانا چھوڑ دیا ہے تب سے میں نے بھی کھانا بنانا چھوڑ دیا ہے۔ صائمہ رودی ماریہ اور ماں خاموش ہوگئیں۔ ماں اور ماریہ کافی دیر بیٹھی رہیں اور ماں وقتاً فوقتاً سمجھاتی رہیں کہ بیٹا کمپرومائز ہمیشہ عورت کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ تب ہی گھر بنتے ہیں اور عورت کی عزت اس کے گھر سے ہی ہوتی ہے اور وہی عورت گھر پر راج کرتی ہے جو گھر کی خاطر قربانیاں دینا جانتی ہو اور دیتی ہو۔ تم دیکھو کہ گھروں میں کتنی مشکلات ہوتی ہیں اور سب برداشت کر کے ہنسی خوشی عورتیں رہتی ہیں۔ بہت ہی مشکلات سہہ کر پتہ نہیں چلنے دیتیں۔"

صائمہ خاموش تھی اور سوچ رہی تھی کہ کہیں ماں کو سب صورتحال کے بارے میں معلوم تو نہیں ہوگیا ورنہ اس طرح کی باتیں تو اماں نہیں

کرتی ہوتی ہیں۔صائمہ کوافسردہ دیکھ کر ماریہ بولی

''کوئی عورتیں پلاسٹک یا لوہے کی تو ہوتی نہیں ہیں وہ بھی جیتی جاگتی احساسات اور جذبات رکھنے والی ہی ہوتی ہیں اگر آپی جاب کرنا چاہیں تو کرتی رہیں ان کوروکنا نہیں چاہیے۔''

صائمہ بیزاری سے بولی''ان کو کیا فرق پڑے گا۔وہ کون سا گھر ہوتے ہیں مرد خود اپنے لئے ہر کام جائز سمجھتا ہے اور عورت اپنا دل بہلانے کے لئے جاب تک نہ کرے۔''

ماں نے سمجھایا کہ صائمہ تم نے ایسی کوئی ضد نہیں کرنی جو بعد میں تمہارے لئے پچھتاوے کا سبب بن جائے۔''ماریہ تائید کرتے ہوئے بولی

''واقعی آپی نوے فیصد ضد بعد میں پچھتاوے کا سبب ہی بنتی ہے۔ٹھنڈے دماغ سے سوچیں اور اجازت لے کر کریں۔''

صائمہ لمبی آہ لے کر سیدھی بیٹھی' خادمہ چائے لے کر آئی چائے پی کر ماں اور بہن نے صائمہ سے کافی دیر باتیں کیں اور دل کا بوجھ ہلکا کرتی رہیں۔

ماں ور بہن کے جانے کے بعد صائمہ بہت بے بسی سے روئی کہ عبدالحق ایسا کیوں کر رہا ہے۔اس نے حرا کو فون کیا اور دوبارہ پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ کہ عبدالحق اور رافعہ والی بات کہاں تک درست ہے۔حرا نے بتایا کہ صائمہ سچ بتاؤں تو میری کزن سلمیٰ ان کے آفس میں کام کرتی ہے اس نے مجھے بتایا تھا اور صرف دو دفعہ نہیں بلکہ سال سے وہ ان کے پاس گاہے بگاہے آتی رہتی تھی اور اب وہ بھی ان کے ساتھ امریکہ گئی ہے سیر کے لئے۔یہ خبر صائمہ کے لئے شاک سے کم نہ تھی۔صائمہ نے سلمیٰ کا نمبر لیا اور کنفرم کیا کہ رافعہ عبدالحق کے ساتھ امریکہ گئی ہے اور دو لوگوں سے کنفرم کرنے کے بعد صائمہ نے فون رکھ کر بچوں کو جا کر ان کے کمرے میں دیکھا بچے ماں کی بدلی ہوئی رنگت دیکھ کر حیران ہو گئے۔واپس اپنے کمرے میں آ کر زاروقطار رونے لگی۔صائمہ کو ایسے لگ رہا تھا جیسے طوفان اور آندھیاں ذہن میں چل رہی ہوں۔ہر طرف زبردست قسم کا بھونچال آیا ہے جو سب کچھ بہا کر لے جا رہا ہے۔زمین پیروں سے جیسے سرک رہی ہو اور سب لوگ اپنی اپنی فکر میں بھاگ رہے ہوں۔صائمہ کو ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ بھری دنیا میں بالکل بے بس اور تنہا کھڑی ہے، بہت بے یارومددگار دور دور تک اکیلی ہے۔

صائمہ آنسو صاف کرتے ہوئے بیٹھی اور خالی الذہن سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔صائمہ کو وسوسوں اور اندیشوں نے جیسے گھیر لیا ماں کو اب تو بتا دینا چاہیے فون ملایا ماں نے ہی فون اٹھایا۔

صائمہ نے ان کی آواز سنی اور کچھ نہ بولی۔کچھ دیر بعد فون بند کر کے رکھ دیا اور اپنے آپ سے کہنے لگی کہ یہ میرا مسئلہ ہے مجھے ہی اس کو حل کرنا چاہیے۔ماں نے دوبارہ فون کیا لیکن صائمہ نے نہ اٹھایا اس کو تانیہ کی بات یاد آنے لگی کہ مرد پر تو کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے خاص طور پر پیسے والے مرد پر تو بالکل بھی نہیں۔سچ ہے کہ عورت کے پاس پیسہ ہو تو وہ گھر کی آرائش وزیبائش اور بچوں پر خرچ کرتی ہے اپنے پر خرچ کرتی ہے اور مرد کے پاس ضرورت سے زیادہ پیسہ ہو تو وہ اپنے لئے ایک خوبصورت عورت ہی لاتا ہے۔

کیا سب مرد واقعی ایسا کرتے ہیں؟ صائمہ نے اپنے آپ سے سوال کر ڈالا۔

پھر خود ہی جواب دیا کہ سارے مردوں کی نیچر ایک جیسی نہیں ہوتی بالکل اسی طرح جس طرح پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اور سب انسانوں کی نیچر مختلف ہوتی ہے ایسے ہی سب مردوں' عورتوں کی نیچر مختلف ہوتی ہے۔

اسے تانیہ کی آواز کہیں دور سے آتی سنائی دی وہ مرد بھی تو ہوتے ہیں جن کی بیویاں بھی بالکل ہی واجبی سی ہوتی ہیں نہ پڑھی لکھی نہ ہی خوبصورت لیکن ان کے میاں بھی دوسری شادی نہیں کرتے اور میرے میاں نے بچوں کی موجودگی میں اور کیا کچھ نہیں کرتی تھی سارا گھر پورا دن سنبھالتی تھی ہر وقت بچوں اور شوہر کے لئے وقف کر رکھا تھا پھر بھی دوسری شادی ایسا میرے ساتھ کیوں صائمہ کیوں کیا شانی نے ایسا؟''

صائمہ کو اپنی آواز بھی کانوں میں گونجی تانیہ پلیز حوصلے اور صبر سے کام لو یوں نہ رو نہ آنسو بہاؤ وہ بھی ایسے مرد کے لئے جس نے تمہاری وفا کی پرواہ نہ کی تمہاری محبت کی قدر نہ کی اور چھپ کر شادی کر بیٹھا ہے۔ مرد یہی کچھ کرتے رہتے ہیں تم صبر اور ہمت سے کام لو۔''

صائمہ کو مزید یاد آیا کہ تانیہ کو کس طرح منع کیا تھا کہ اس بات کو چھپا رہنے دو جب تک شانی نہ خود سب کو بتائے تم نہ کسی سے ذکر کرنا اپنا موڈ ٹھیک کرو۔

آج صائمہ کو تانیہ کے کرب کا اندازہ ہوا کہ واقعی وہ کتنی افسردہ تھی کس دکھ سے روئی تھی۔ صائمہ کو اندازہ ہوا کہ کسی کو تسلی دینا کتنا آسان ہے اور خود حوصلہ کرنا اور اپنے آپ کو تسلی دینا کتنا مشکل ہے۔ صائمہ سوچنے لگی۔ ''کسی کو تسلی دینا کتنا آسان ہوتا ہے۔ کتنی سوچیں آتی ہیں مشورہ انسان دینے لگتا ہے لیکن جب خود پر بیتتی ہے تو نہ تو تسلیاں اچھی لگتی ہیں نہ ہی مشورہ اور تدبیریں سمجھ آتی ہیں نہ اچھی لگتی ہیں۔''

صائمہ کو تانیہ کے الفاظ ایک ایک کر کے یاد آنے لگے اور جو اس وقت سمجھ نہ آیا تھا اب سب کچھ سمجھ آ رہا تھا۔

صائمہ تم نہیں جانتی کہ میں نے شانی کے لئے کیا کچھ نہیں سہا ہے۔ کس کس کی باتیں نہیں برداشت کیں ہیں کس کس کی مخالفت نہیں سہی لیکن صائمہ بدلے میں شانی نے مجھے ایک عدد سوکن لا کر دے دی۔''

اسے تانیہ کی سب باتیں یاد آنے لگیں وہ ماضی میں کھو گئی جب تانیہ نے روتے ہوئے کہا تھا کہ مرد پر تو کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے خاص طور پر پیسے والے مرد پر تو بالکل بھی نہیں۔

صائمہ کو آج یہ بات سچ لگ رہی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کبھی اس نے سوچا تھا کہ عبدالحق کبھی دوسری شادی کر لے گا۔ ہم عورتیں بھی کتنی بے وقوف ہوتی ہیں۔ صائمہ اپنے آپ سے بولی اور تانیہ پھر یاد آنے لگی جس نے کہا تھا کہ عورت کے پاس پیسہ ہو تو وہ اپنے اوپر' اولاد کے اوپر اور گھر پر خرچ کرتی ہے لیکن مرد کے پاس ضرورت سے زائد پیسہ ہو تو وہ اپنے لئے ایک خوبصورت عورت لاتا ہے۔

صائمہ سوچنے لگی کیا سارے مرد ایسا کرتے ہیں۔ نہیں نہیں سب ایک جیسے نہیں ہوتے جن کی عادت میں کچھ ایسا ہوتا ہے وہ ایسا کرتے ہونگے۔ صائمہ یہ کہہ کر رونے لگی اور سوچنے لگی۔

واقعی ماں باپ بیٹیوں کی پیدائش پر اسی لئے خوش نہیں ہوتے وہ بیٹیوں سے نہیں بیٹیوں کے نصیبوں سے ڈرتے ہیں۔ واقعی نصیب تو اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں میرے اور تانیہ کے نصیب کتنے ملتے جلتے ہیں دونوں کے پاس دولت تو بہت لیکن تختہ ایک جیسا۔

صائمہ کو اور بہت سی عورتیں یاد آنے لگیں جن کے شوہر دوسرے ملکوں میں جا کر شادی کر لیتے تھے اور وہ کتنی افسردہ ہوا کرتی تھیں وہ جو باتیں کیا کرتی تھیں وہ اس وقت صائمہ کو بالکل سمجھ نہ آیا کرتی تھیں لیکن آج ان کی صورتیں یاد کر کے صائمہ کو بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ صائمہ کو صغریٰ آنٹی کی بات یاد آنے لگی جو کہا کرتی تھی کہ عورت گھر اور شوہر کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتی ہے لیکن صلہ کیا ملتا ہے کبھی سسرال والوں کی طرف سے یا شوہر کی طرف سے ملتا ہے سب ہی بے قدرے ہوتے ہیں۔ نوعیت ذرا مختلف ہوتی ہے۔

صائمہ کو آج واقعی ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے صغریٰ آنٹی اس کے اردگرد کہیں بیٹھی ہوں۔ صائمہ کو آج یہ سمجھ آ رہی تھی کہ بعض شوہر ڈانٹ ڈپٹ کر بے قدری کرتے ہیں بعض اہمیت نہ دے کر اور ایک قسم دوسری شادی والے بھی ہوتے ہیں اور سسرال والے تو زیادہ تر ہی بے قدری کرتے ہیں۔ صائمہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر آنکھیں صاف کرتے ہوئے اٹھ کر واش روم سے فریش ہو کر کمرے سے باہر آئی تو خادمہ نے دیکھ کر بے اختیار پوچھا باجی جی کیا ہوا ہے؟ آپ رو رہی تھیں اف آنکھیں کتنی سوجھی ہوئی ہیں اور چہرہ ہلدی کی طرح پیلا ہو رہا ہے۔ صائمہ جواب میں کچھ نہ بولی آیا کے پاس آئی اس سے زبیدہ کو لیا۔ آیا نے بھی حیرت سے کم وبیش ویسے سوال ہی کر ڈالے صائمہ کسی سے کچھ نہ بولی۔ زبیدہ کو لے کر پیار کرتی کمرے کی طرف آ گئی۔ بچے بھی ماں کو افسردہ دیکھ کر خاموشی سے ماں کے پاس بیٹھ گئے۔ صائمہ نے ارسلان اور ریحان کو بہت پیار کیا اور کتابیں لانے کو کہا ان کا کام دیکھا اور شاباش دے کر کھیلنے کے لئے باہر جانے کو کہا۔

صائمہ حتی الامکان اپنے آنسو ضبط کرتی رہی اور کسی سے کچھ نہ کہا لیکن وہ جیسے ان دنوں بجھ کر رہ گئی تھی۔ اسے یاد آنے لگا کہ واقعی عبدالحق کا رویہ سال سے کافی بدلا بدلا تھا ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ جب مرد کا دھیان کسی دوسری عورت کی طرف جاتا ہے تو وہ پہلی بیوی کی طرف بے دھیانی سے کام لیتا ہے۔

اسے ماریہ اپنی کلاس فیلو کی بات یاد آنے لگی کہ وہ بتایا کرتی تھی کہ جب سے اس کے بہنوئی کا چکر یا انٹرسٹ آفس کی شامہ کی طرف ہو گیا تھا تو وہ اس کی باجی سے بات بات پر جھگڑا کرتے تھے۔ خواہ مخواہ اس کی ہر بات کو برا کہتے۔ نہ توجہ دیتے نہ گھر وقت پر آتے تھے اور آخر کار انہوں نے شامہ سے تو شادی بھی کر لی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب مرد دوسری عورت میں انوالو ہو جاتا ہے تو اسے پہلی میں بھرپور خامیاں لگنے لگتی ہیں۔ دوسری میں خوبیاں دیکھ کر اپنی بیوی میں برائیاں نظر آتی ہیں واقعی دور کے ڈھول سہانے والی بات بالکل صادر آتی ہے۔

اور یہ دوسری عورت کے بارے میں ان کو سمجھ نہیں آتی کہ جو عورت اتنی گھٹیا اور بے حس بے غیرت ہو سکتی ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس مرد سے گپیں ہانکے، گھومے پھرے وہ کیا ہے حقیقت میں اس کا کردار کیا ہے یہ بات تو ان مردوں کی سمجھ نہیں آتی۔

صائمہ کو اپنے ماسٹر میں فرخ کی یاد آئی جو کہ مہران سے باتیں گھنٹوں کرتی تھی اور سب کو بڑے فخر سے بتایا کرتی تھی کہ مہران تو مجھ پر فدا ہوتے ہیں ہر وقت مجھے یاد کرتے ہیں اس پر سحرش نے کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی پر فدا کیوں نہیں ہوتے اور اسے کیوں یاد کرتے ہیں تو سب کو بتاتی کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کی بیوی رانیہ ابنارمل ہے اس پر میں نے اسے کہا تھا کہ فرخ سچ بتاؤں تو وہ ابنارمل نہیں بلکہ مہمان اور تم ہی ابنارمل ہو اور تم کو تو وہ بالکل پاگل بنا رہا ہے ایسی باتیں بتا کر وہ صرف اور صرف تمہیں قائل کر رہا ہے کہ وہ غلط نہیں ہے اور دوسرا تمہیں پھانس رہا ہے۔

سحرش نے مزید کہا کہ اب وہ یہ تو نہیں کہے گا کہ اس کی بیوی بہت اچھی اور سمجھدار ہے بے غیرت اور گھٹیا میں ہوں اس لئے ایسا کر رہا ہوں۔

صائمہ نے مزید کہا تھا کہ تمہیں اس سے کہنا چاہیے تھا کہ جس کے شوہر تمہارے جیسے ہوں ان کی بیویاں ابنارمل نہ ہوں تو اور کیا ہوں۔ اس کے علاوہ وہ اور کیا ہو سکتی ہیں۔ باہر دوسری عورتوں کے ساتھ گپیں لگانے والے شوہروں کی بیویاں زچ ہو کر جھگڑا نہ کریں تو اور کیا کریں۔

صائمہ یہ سوچ کر مسکرا اٹھی اور سوچنے لگی کہ ایسا کب سوچا تھا کہ ایک دن خود بھی ایسے حالات سے گزروں گی۔

بچے ٹیوشن سے واپس آئے تو ان کا کام چیک کیا خادمہ نے کھانے کے لئے بلایا اور پوچھا کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ صائمہ نے مختصراً صرف اتنا کہا "ٹھیک ہے۔"

رات کو صائمہ بچوں کو سلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ زبیدہ کو سلا کر خود سونے کی کوشش کی لیکن نیند کوسوں دور تھی۔ صائمہ سوچ رہی تھی کہ جن عورتوں سے مرد تعلقات شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی بڑھاتے ہیں وہ یہ تو جانتی ہوتی ہیں کہ یہ شادی شدہ ہیں اس کے باوجود کیسے خوش ہو کر بے وقوف بن کر چل پڑتی ہیں یہ سوچے بنا کہ جو مرد اپنی بیوی کے لئے آج یہ جذبات رکھ رہا ہے وہ کل نہیں تو پرسوں اس کے لئے بھی یہی جذبات رکھے گا۔ ہرجائی کب کسی کا ہوتا ہے۔ شاید یہ پیسہ اور گھومنا پھرنا دیکھ کر مائل ہو جاتی ہیں۔ ان سے زیادہ گری ہوئی اور بیچاریاں اور کون ہو سکتی ہیں۔ بکاؤ مال' قیمت پر بک جانے والی۔ اپنی قیمت لگانے والی بیچاریاں۔

"عورت کا تاج تو اس کا کردار ہوتا ہے۔" صائمہ خود سے بڑبڑائی اور پھر چونک کر دوبارہ بولی۔

عورت کا تاج تو اس کا کردار ہوتا ہے۔ عورت محبت کے بغیر کچھ حد تک افسردہ ہو سکتی ہے لیکن عزت کے بغیر تو عورت زیرو ہوتی ہے اور ایسی عورت جس کا کوئی کردار ہی نہ ہو اس کی عزت کہاں ہوتی ہے وہ تو ذلت کے گڑھے میں بھی اندھی بہری بن کر خوش ہوتی ہے کہ شاید باعزت ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسی عورت کی کوئی عزت نہیں ہوتی جس کا کردار کمزور ہو۔"

صائمہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی بچوں کی طرف دیکھا اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ پورا ہفتہ صائمہ نے پریشانی' افسردگی اور بے حد دکھ میں گزاری' نہ دن کا ہوش اور نہ رات کا پتہ۔ بس بچوں کو دیکھ بھال کر کے باقی وقت اسی طرح کرب میں گزرا۔ بہت غور و فکر کے بعد صائمہ نے فیصلہ کیا کہ اب وہ جاب ضرور کرے گی۔ اب وہ اس معاملے میں کسی کی بھی نہیں سنے گی اور بالکل بھی افسردہ نہیں ہو گی۔ چاہے ورافعہ سے شادی کا اعلان ہی کر دے ویسے بھی شادی تو کر چکا ہو گا ورنہ ویسے تو ساتھ نہیں رکھتا تھا اور ویسے بھی ویسے ساتھ چلنے والیوں سے تو شادی کرنا کوئی پسند نہیں کرتا۔

عبدالحق نے شادی کی ہو گی اعلان باقی ہو گا چلو جو بھی ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے ویسے بھی وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ۔

صائمہ سوچنے لگی کہ عبدالحق کے ایک اس قدم نے جیسے میری بہاروں بھری زندگی کو خزاں میں بدل دیا ہے۔ عبدالحق نے فون پر آنے کا ذکر کیا اور مختصراً بات کر کے فون بند کر دیا۔ صائمہ بھی بیزار بیٹھی سوچوں میں گم صم رہی۔ اور سوچنے لگی کہ مرد کے کتنے روپ ہوتے ہیں سب کچھ کر کے بھی کیسے انجان بن جاتے ہیں اور دوسروں کو کتنا بے وقوف سمجھتے ہیں۔ عورتوں کو مرد کیا سمجھتا ہے کچھ بھی نہیں اور عورتیں بیچاری ساری زندگی مرد کو ہی کیا

کچھ مان کر پوچھتی ہیں لیکن عورتیں اس کے علاوہ کیا کریں شوہر سے ہی تو ان کی پہچان بھی ہوتی ہے۔

نجانے اب صائمہ کو نہ دن کا خیال تھا نہ وقت کا کہ عبدالحق نے آنا ہے۔ بچوں کو سکول کا یونیفارم تبدیل کروا کے کھانا کھلا کر کمرے میں سونے کے لئے لٹا دیا خود اپنے کمرے میں آ گئی اور بیڈ سے ٹیک لگا کر لیٹ گئی نجانے کب آنکھ لگ گئی کیونکہ وہ کافی دن سے نہیں سوئی تھی اس لئے گہری نیند میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

عبدالحق گھر آیا تو بالکل سناٹا تھا اس نے خادمہ سے پوچھا صائمہ گھر پر ہی ہے۔ اس نے جی صاحب کہہ کر کہا کہ کمرے میں ہیں۔ عبدالحق کمرے میں آیا تو دیکھ کر حیران ہوا کہ صائمہ سو رہی ہے حالانکہ اس کو آنے کا بتایا تھا لیکن اس نے کوئی توجہ ہی نہ دی ہے حالانکہ صائمہ تو بہت شوخ زندہ دلی سے انتظامات کرتی تھی کہ دل خوش ہو جاتا تھا لیکن اس دفعہ نہ خوشی نہ انتظام اور نہ انتظار بلکہ سو گئی ہے۔ اچانک صائمہ کی آنکھ کھلی نظر عبدالحق پر پڑی تو اٹھ بیٹھی۔ عبدالحق نے پوچھا ''صائمہ طبیعت ٹھیک ہے۔''

صائمہ بیزاری سے بولی ''کیا ہونا ہے طبیعت کو ٹھیک ہے۔''

فریش ہو کر آ کر کچھ دیر آرام کیا صائمہ چائے بنا کر لے آئی ابھی عبدالحق نے پیالی اٹھائی ہی تھی کہ موبائل کی گھنٹی بجنے لگی عبدالحق نے نمبر دیکھا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔ صائمہ کو پتہ تھا کہ یہ فون رافعہ کا ہی ہوگا اسی لئے بدلی بدلی نظروں سے دیکھنے کے بعد باہر چلے گئے۔

عبدالحق نے رافعہ سے کہا کہ جب میں گھر ہوا کروں فون مت کیا کرو گھر میں کسی کو شادی کا نہیں بتایا۔ رافعہ نے کہا کہ بتا دیں ایسا کب تک رہے گا لوگ میرے کردار کے بارے میں انگلیاں اٹھائیں ویسے بھی یہ بات چھپی نہیں رہے گی۔ عبدالحق نے رافعہ کو سمجھایا کہ آہستہ آہستہ راہ ہموار کروں گا۔ صائمہ باہر لان میں درخت کے پیچھے سب سن رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی اور واپس کمرے میں آ گئی۔

عبدالحق نے رافعہ کو سمجھا کر فون بند کر دیا اور واپس کمرے میں آ گیا۔ صائمہ یہ بات سن کر بہت ہی تذبذب کا شکار تھی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے بڑی مشکل سے آنسو ضبط کر کے بیٹھ گئی اور کچھ نہ بولی۔ عبدالحق نے چائے پی اور صائمہ کی خاموشی سے ٹھٹھک گیا کہ کوئی بات ضرور ہے اٹھتے ہوئے صائمہ سے کہا کہ آؤ چہل قدمی کے لئے باہر چلتے ہیں۔

وہ بیزار اور بے خبر بیٹھی رہی عبدالحق نے دوبارہ نہ کہا اور خود ہی باہر چلا گیا۔ کچھ دیر چہل قدمی کی اور صائمہ کی بدلی ہوئی طبیعت کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس نے کبھی ایسا نہیں کیا اور آج جب میں اتنے دنوں بعد آیا ہوں تو اس کے چہرے پر کوئی خوشی اور امنگ نہ تھی جو مجھے دیکھ کر ہوتی تھی دروازے کے قریب صائمہ کی آواز سن کر رک گیا۔

صائمہ اپنی دوست سے کہہ رہی تھی کہ اپنے آفس میں اس کے لئے جاب کی کوشش کرے کیونکہ گھر میں بہت بوریت ہو رہی ہے۔ عبدالحق بات سن چکا تھا لیکن انجان بن کر اندر داخل ہوا کہ صائمہ یہ بات اسے خود ضرور بتائے گی عبدالحق کے آتے ہی صائمہ نے یہ کہہ کر کہ دوبارہ کروں گی فون بند کر دیا اور اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ بات کرے یا نہ کرے۔ عبدالحق اس انتظار میں تھا کہ وہ خود ہی بات کرے گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ صائمہ

نے عبدالحق سے کچھ نہ کہا نہ کچھ پوچھا اس کے برعکس وہ خیالات میں کھوئی رہی۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد عبدالحق کسی کام سے باہر چلا گیا۔عبدالحق کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ صائمہ کے رویے میں یوں اچانک تبدیلی کیسے آئی اور جاب کی بات اس نے مجھ سے نہیں کی۔اب عبدالحق باتوں باتوں میں صائمہ سے الجھنے لگا لیکن زیادہ تر وہ خاموش ہو جاتی کیونکہ وہ جان گئی تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔

آمنہ نے صائمہ کو بتایا کہ آفس میں ایک ویکنسی ہے۔کل انٹرویو ہوگا۔آمنہ نے صائمہ کو تسلی دی کہ اس سے تمہارا دھیان بٹ جائے گا تم فکر نہ کرو ایسا ہو جاتا ہے برداشت کرنا پڑتا ہے۔تم کل دس بجے انٹرویو کے لئے ضرور آنا اس کے بعد کافی دیر باتیں کرتی رہی۔دوسرے دن صائمہ انٹرویو کے لئے گئی اور انٹرویو میں کامیاب رہی۔اس کی سلیکشن ہوگئی۔دوسرے دن صائمہ بھی بچوں کے ساتھ تیار ہوگئی عبدالحق نے تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا کہاں جا رہی ہو۔صائمہ نے اپنی جاب کے بارے میں تفصیلاً بتایا عبدالحق نے حیرت کا اظہار کیا کہ مجھے بتایا نہیں۔

صائمہ ذرا رک کر بولی ''آپ گھر رہیں تو کوئی بات بتاؤں۔'' عبدالحق نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ اچھا ہے مصروفیت اچھی ہوتی ہے فارغ رہ کر بندے کا دماغ ہی خراب ہوتا ہے۔

صائمہ تعریف سن کر حیران ہوگئی کہ روکا نہیں بلکہ جاری رکھنے کا حکم دیا۔اور کوئی کسی قسم کاری ایکشن نہیں۔آخر کیوں نہیں کوئی وجہ تو ہے؟ وہ جلدی سے تیار ہو کر بچوں کو ناشتہ کروا کر وین میں بٹھا کر آ کر زبیدہ کو تیار کر کے خادمہ کو دے گئی کہ گیارہ بجے تک آیا آ جائے گی اس وقت تک اس کا خیال رکھیں۔

صائمہ راستے میں بھی حیران تھی کہ عبدالحق نے اس کے اتنے بڑے قدم کو سراہا ہے۔نجانے کیا بات ہے؟ آفس پہنچی تو سب سے باری باری ملاقات ہوئی۔اس کے بعد کام میں مصروف ہوگئی۔مہرین نے اس کو سارا کام اچھے طریقے سے سمجھا دیا۔صائمہ خوش دلی سے کام میں مصروف ہوگئی۔بریک میں صائمہ سے آمنہ ملی اور اپنے گروپ سے ملوایا۔بات چیت کے بعد چائے پی اور بہانے سے صائمہ کو اپنے ساتھ لے گئی۔آمنہ نے صائمہ سے پوچھا کہ عبدالحق بھائی نے تمہیں اجازت دے دی تو صائمہ نے ساری بات بتا دی کہ وہ غصہ نہیں ہوئے نہ منع کیا بلکہ خوشی سے اجازت دے دی۔آمنہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا ظاہر ہے وہ شادی رافعہ سے کر چکے ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ تم مصروف ہو جاؤ اور جب اعلان کریں تو تم کم سے کم گھر ہو۔صائمہ لمبی آہ لے کر بولی ''واقعی مجھے اس طرف خیال ہی نہیں گیا۔'' یہ کہہ کر صائمہ خاموش ہوگئی۔

عبدالحق آفس سے جلدی نکل جاتا اور رافعہ کے گھر چلا جاتا ایک دو گھنٹے وہاں رہ کر گھر آتا۔اب عبدالحق موقع کی تلاش میں تھا کہ کس طرح سے گھر میں بتائے چنانچہ اس نے پہلے بچوں کو ملوایا کہ یہ تمہاری آنٹی ہیں۔ارسلان اور ریحان کے ساتھ رافعہ بہت دیر کھیل میں مصروف رہی اسی طرح عبدالحق نے حمیرا سے اس کو ملوایا اور اپنی سیکرٹری کے طور پر سب کو بتایا رافعہ نے حمیرا سے دوستی کر لی اس کے بعد زینب اور شمائلہ سے بھی متعارف کروایا۔رافعہ بھی اب گھل مل گئی لیکن اس سے بالکل بے خبر ابھی تک صائمہ ہی تھی۔اب عبدالحق نے صائمہ سے دوسری شادی کا ذکر کیا وہ جو پہلے ہی سب جانتی تھی۔انجان بنی رہی اور سنی کو ان سنی کر دیا۔دوسرے دن آفس میں آمنہ سے مشورہ مانگا کہ مجھے اب ایسی بات کا کیا جواب دینا چاہیے۔آمنہ نے غور و فکر کے بعد مشورہ دیا کہ وہ تو شادی کر چکا ہے تم بس خاموش ہی رہو صائمہ نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ مجھے بھی یہی بہتر لگا تھا

کہ خاموش رہا جائے وہ کر چکا ہے اب بگاڑ کا کوئی فائدہ تو نہیں ہے۔"

کچھ دیر رک کر صائمہ مزید بولی

"اگر نہ بھی کی ہوتی تب بھی تو کسی کو روکا تو نہیں جاسکتا ہے۔ جب مرد پر کسی عورت کے عشق کی پٹی بندھ جائے تو اسے سمجھ بھی کہاں آتی ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے یا اس کا انجام کیا ہوگا۔"

آمنہ نے تسلی دی کہ تم اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ ترقی کرو نام پیدا کرو چھوڑ مرد یہی کرتے رہتے ہیں تم ٹینشن نہ لو۔

رافعہ عبدالحق کو بہت بار بار تنگ کر رہی تھی کہ گھر میں اب بتا دے۔ عبدالحق نے کہا کہ اب یہ ظاہر کریں گے کہ اب ہم شادی کریں گے اس سے پہلے شادی کا ذکر کسی سے نہیں ہونا چاہیے۔" رافعہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

عبدالحق نے پہلے بہنوں سے بات کی تو وہ پہلے حیران ہوئیں لیکن کچھ نہ کہا اور گھر آ گئیں تفصیلات بات کرنے لگیں۔ صائمہ ان نندوں کا یہ روپ دیکھ کر حیران ہوگئی اور اس کے وہم و گمان میں بھی ایسا نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی بدل جائیں گی۔ نندیں خوش دیکھ کر صائمہ کو دلی رنج ہوا۔ یہاں تک کہ اس سے نندوں نے زیادہ بات تک نہ کی۔ سرسری بات کر کے آپس میں مصروف گفتگو ہوگئیں۔ حمیرا اور زینب نے ماں کو بھی قائل کر لیا۔ ماں نے شروع میں مخالفت کی لیکن حمیرا اور زینب نے اس طرح قائل کیا کہ خاموش ہوگئیں۔

ادھر رافعہ کی ایک دوست فائقہ جو اس بات سے بے خبر تھی اس نے اس کو سمجھایا کہ عبدالحق تو شادی شدہ ہے تم کیوں اس سے شادی کر رہی ہو۔ اس نے مزید سمجھایا کہ تم اس طرح مت کرو تم کسی کے گھر کا سکون برباد کرو گی تو ملے گا تمہیں بھی کچھ نہیں۔ کسی کے لئے مشکلات پیدا کرنے والے کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔

رافعہ نے مداخلت کی کہ بس کرو مجھے لیکچر نہیں سننے تمہارے کسی اور کو سنانا میں فیصلہ کر چکی ہوں۔

فائقہ نے مزید کہا کہ کسی کے لئے اذیت بن کر جینے سے بہتر ہے کہ تم چلو بھر پانی میں ڈوب کر مر جاؤ۔

رافعہ مزید غصے میں آ کر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ رافعہ کشمکش کا شکار تھی لیکن کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ عبدالحق کی بہنیں باقاعدہ رشتہ لے کر رافعہ کے گھر آئیں۔ رافعہ کے گھر والوں نے سوچنے کا وقت مانگا۔ ان کے جانے کے بعد رافعہ کے والد اور والدہ نے صاف انکار کر دیا اور بھائی حیران ہوا کہ اس کی بیوی ہے بچے ہیں پھر وہ شادی کیوں کر رہا ہے۔ سب کو انکار کرتے دیکھ کر رافعہ نے ماں کو سب کچھ بتا دیا۔ ماں سن کر ششدر رہ گئی اور بولی

"یہ کیا کیا اپنی زندگی تباہ کر دی۔ ہمارے منہ پر کالک مل دی تو پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گئی تیرے جیسی بیٹیاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے لوگ بیٹیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ بے غیرت بے حیا دفع ہو جا اب کیا لینے یہاں آ گئی ہے۔"

ماں کو روتا دیکھ کر رافعہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ پھر ماں کو روتا دیکھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ بھائی ماں کے رونے کی آواز سن کر کمرے میں آیا تو ماں نے اسے بتا دیا وہ بولا امی یہ واقعی سچ ہے۔ جلدی سے اس کی طرف آیا ماں بھی پیچھے آئی اور ہاتھ جوڑنے لگی کہ آواز باہر نہ جائے وہ بیٹھ

گیا اور غصے سے بولا امی آپی نہیں ہے یہ ہماری سچ پوچھیں تو یہ ایسی ڈائن ہے جو ہم سب کو نگل جائے گی اگر کسی کو پتہ چل گیا تو کیا ہوگا کیا سمجھا جاتا ہے اس طرح کے کردار کی لڑکیوں کو۔"

ماں رافعہ کی چٹیا پکڑ کر بولی۔

"ارے تو ہمیں ہی کھا گئی۔ سچ ہے سانپ کو ساری زندگی دودھ بھی پلاؤ تو وہ ڈستا ہی ہے ارے کمینی تو نے ہمیں کہیں شکل دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

دروازے پر بیل سے ماں بیٹا خاموش ہو گئے۔ بہن فائزہ نے ماں کو دیکھا تو پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟

ماں نے ٹال مٹول سے کام لیا لیکن فائزہ نے بار بار پوچھا کہ بھائی بھی غصے میں چلے گئے ہیں ماں نے اصرار پر بتا دیا۔ فائزہ حیرانگی سے رافعہ کا منہ دیکھنے لگی اور پوچھنے لگی آپی امی کیا کہہ رہی ہیں۔

رافعہ خاموش کھڑی تھی۔ فائزہ نے دوبارہ پوچھا تو رافعہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

فائزہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ یہ کیا کیا آپی آپ نے؟ آپ کو پتہ نہیں کہ خود سے شادی کرنے والی لڑکیوں کو ہمیشہ کیا کہا جاتا ہے۔ ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ سمجھیں آپ نے اپنی زندگی تباہ کر دی۔

کچھ دیر روتی رہی ماں نے چپ کروایا۔ رافعہ پاس آئی تو جھٹک کر بولی

آخر ماں باپ کا کیا قصور تھا؟ صرف اتنا کہ انہوں نے آپ کو پیار سے پالا ہمیشہ ہر چیز کا خیال رکھا پڑھایا لکھایا اور جاب کی اجازت دے دی۔

رافعہ قریب آئی تو زور سے دھکا دے کر پیچھے کر کے مزید غصے سے بولی۔

"چلو کچھ نہیں عقل میں تھا تو صرف اتنا ہی سوچ لیتیں کہ آپ کی چھوٹی بہن بھی ہے اس کا کیا بنے گا۔ کتنی مشکلات پیش آئیں گی۔ اس کی زندگی بھی طعنہ بن جائے گی۔"

فائزہ زار و قطار روئے جا رہی تھی اور کہے جا رہی تھی کہ آپی آپ نے صرف اپنی زندگی نہیں تباہ کی آپ نے میری زندگی بھی تباہ کر دی ہے۔ ایک بہن کی غلطی ساری زندگی دوسری کو بھی سہنا پڑتی ہے۔ طعنہ سہنا آسان نہیں ہے۔ کاش آپ مر جاتی یہ کرنے سے پہلے۔ ماں فائزہ کو تسلی دے رہی تھی کہ ہم کسی کو نہیں پتہ چلنے دیں گے۔ شادی میں شریک ہو جائیں گے۔ فائزہ روتے ہوئے بولی۔

"امی باتیں چھپتی نہیں ہیں ان کو جتنا چھپاؤ اتنا ہی پھیل جاتی ہیں۔ آپی نے گھٹیا کام کیا کیوں۔ ایسی بے عزت ہو کر جینے سے بہتر تو موت ہے۔" ان کو یہ کیوں نہیں سمجھ آیا۔ رافعہ بہن اور ماں کی باتیں سن کر چپ ہو گئی اور سمجھ گئی کہ اس نے بہت غلط کر دیا ہے۔ اسے فائقہ کی بات یاد آئی کہ شروع سے ہی پیچھے ہٹ جاؤ راہ و رسم نہ بڑھاؤ ورنہ بعد میں سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آخر کار ماں باپ نے شادی کی تاریخ رکھ دی۔ عبدالحق بہت خوش خوش گھر آیا۔ صائمہ سب دیکھ رہی تھی وہ نجانے کیوں شادی کے کارڈ دیکھ کر مشتعل ہو گئی اور خوب عبدالحق پر برس پڑی اور رافعہ کو خوب برا بھلا کہا اس نے ماں کا نمبر ملایا تو عبدالحق نے فون چھین کر صائمہ کو دھکا دے کر

نیچے گرادیا خود فون لے کر باہر نکل گیا۔ صائمہ بہت دیر روتی رہی۔ رات کو وہ بچوں کے کمرے میں ہی ان کے ساتھ رہی۔ بچے ماں کو افسردہ دیکھ کر پریشان ہوگئے۔ صائمہ سے اس کی دوست حرا ملنے اس کے پاس آ گئی۔ حرا بھی سب جانتی تھی وہ صائمہ کے پاس بہت دیر بیٹھی رہی۔ صائمہ بہت افسردہ تھی حرا بار بار تسلی دے رہی تھی اور حقیقت سمجھا رہی تھی کہ مرد بہت سے اسی طرح کرتے ہیں تم فکر نہ کرو خود ہی پتہ چل جائے گا ان کو۔

صائمہ جھنجھلا کر بولی بات یہ نہیں ہے اصل بات جس کا دکھ ہے وہ یہ ہے کہ سسرال میں لڑکی کا کوئی بھی نہیں ہوتا وہ تنہا ہی ہوتی ہے لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں اس وقت تک نہیں آتی جب وہ سب کے رویے خود اپنی آنکھوں سے میری طرح نہ دیکھ لے۔

حرا نے تائید کرتے ہوئے کہا ہاں یہ تم نے ٹھیک کہا سسرال میں کبھی کسی سے اچھے کی امید بھی نہیں رکھنی چاہیے۔ تم یقین کرو ننانوے فیصد گھروں میں سب سے زیادہ جلن دیورانیوں اور جیٹھانیوں سے بھی زیادہ بھابیوں سے نندوں کو ہوتی ہے۔

صائمہ روتے ہوئے ''تم یقین کرو میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ ایسے سب پینترا بدلیں گے۔ ورنہ مجھے دکھ نہ ہوتا۔''

حرا مشورہ دیتے ہوئے بولی ''اب تم خاموش ہو جاؤ دو تین سال میں جب دوسری ان کو ہاتھ اپنے دکھائے گی اس وقت تم بھی ٹھینگا دکھانا۔''

صائمہ شکستہ لہجے میں بولی ''کیا مجھ میں کوئی کمی تھی یا میں نے خیال نہیں رکھا جو اس نے ایسا کیا ہے۔''

حرا نے تسلی دیتے ہوئے سمجھایا ''یہ بات میرے مشاہدے میں ہے کہ جن مردوں کے پاس پیسہ ہوتا ہے ان کی طرف عورتیں ہاتھ بڑھاتی ہیں اور مرد نئی چیز سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ اس میں تمہارا یا ان سب کا کوئی قصور نہیں ہوتا مت ایسی باتیں سوچو۔''

کچھ دیر رک کر مزید بولی ''بس اب تم نے ترقی کرنی ہے محنت سے دل لگا کر کام کرو اور ترقی کرو شوہر صاحب کو گھومنے پھرنے اور گپیں ہانکنے دو بیویوں کو وقت برباد کرنے دو۔''

صائمہ یہ سن کر مسکرا دی۔ ''واقعی میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ مرد ہوتے بے وقوف ہی ہیں جو شادیاں زیادہ کرتے ہیں۔ بیچارے تقسیم ہو کر رہ جاتے ہیں۔''

حرا زور سے ہنسی صائمہ بھی ہنس دی۔

حرا نے صائمہ سے کہا ایک بات بتاؤں جو میں سوچ کر ہنسی ہوں۔ صائمہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو حرا بولی

''تم خود اندازہ لگاؤ کہ گدھے پر ایک بوری رکھی ہو تو اس کے لئے آسانی ہے یا وہ بول سکے اور کہے کہ ایک اور رکھ دو تو کیا وہ عقل مند ہوگا بلکہ سچ میں بے وقوف گدھا ہی ہوگا۔''

صائمہ حیرت سے حرا کو دیکھنے لگی۔ حرا نے خود ہی واضح کیا کہ یہ مثال دوسری شادی کے لئے فٹ ہے۔

وہ یہ بات کر رہی تھی خادمہ چائے رکھ کر بولی ''صائمہ بی بی آپ فکر نہ کریں اللہ کا آپ پر بڑا کرم ہے۔ مرد تو بدلتی چھاں کی طرح ہوتا ہے۔''

حرا ہنس کر بولی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں خادمہ کے جانے کی بعد مرد تو گرگٹ ہے گرگٹ رنگ بدلتا رہتا ہے۔

صائمہ بیزاری سے بولی اف بس کروان مردوں کو دفعہ کروان کی نیچر کیا ہے اور کیا نہیں جدھر آیا منہ اٹھایا اور بے سوچ سمجھے چل پڑتے ہیں۔
حرا سنجیدگی سے بولی" صائمہ میں یہی چاہتی تھی کہ تم حقیقت سمجھ کر سمجھوتہ کرو اور اپنے بارے میں خود سوچو اس سے تمہیں زیادہ خوشی ملے گی۔
حرا کے جانے کے بعد صائمہ بہت ہی ریلیکس ہوگئی اور بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی۔ خادمہ کے ساتھ ماں اور باپ اندر کمرے میں آئے وہ دونوں بہت غصے میں تھے۔ صائمہ ان سے ملی اور ان کے موڈ دیکھتے ہوئے بچوں کو باہر بھیج دیا۔ ماں رونے لگی کہ بیٹا یہ کیا سن رہی ہوں۔ صائمہ افسردہ ہوگئی اور کچھ نہ بولی۔

باپ نے کہا کہ عبدالحق ایسا کیسے کرسکتا ہے اسے اس سے روکنا ہوگا۔
صائمہ ہمت کرتے ہوئے بولی" ابو ریلیکس کرنے دیں' جو کر رہا ہے ویسے بھی یہ انسان اپنے کئے کا خود ہی بھرتا ہے۔
باپ غصے سے بولا" صائمہ یہ بے عزتی والی بات ہے۔"
صائمہ لمبی آہ بھرتے ہوئے بولی" اس میں ایسی کوئی بات نہیں اسلام نے چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔ بہت سے مرد کرتے ہیں۔"
ماں سیخ پا ہو کر بولی" صائمہ تمہارا دماغ ٹھیک ہے یہ کیا کہہ رہی ہو وہ تمہاری سوکن ہوگی سوکن۔"
صائمہ سوچ تو باپ نے التجائیہ انداز میں کہا اسے روکو اور ہمیں روکنے دو۔ صائمہ شکستہ دلی سے بولی" وہ شادی کر نہیں رہا دو ماہ پہلے کر چکا ہے۔"
ماں باپ ہکے بکے ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔ ماں تنک کر بولیں اور" تم ہمیں اب بتا رہی ہو۔"
" صائمہ تو کیا بتاتی؟"
باپ فیصلہ کن انداز میں بولا" اسے اس کو طلاق دینی ہوگی۔"
صائمہ التجائیہ انداز میں بولی" پلیز ایسا مت کہیں اگر ایسا ہماری وجہ سے ہو گیا تو بہت برا ہوگا۔"
ذرا ٹھہر کر" اللہ کے نزدیک طلاق سب سے بدترین فعل ہے۔"
" ہم کیوں ایسا مشورہ کسی کو دیں۔ جو ہو گیا ہونے دیں اس میں میرے لئے کوئی بہتری ہوگی۔"
ماں باپ صائمہ کی بات سن کر حیرانگی سے دیکھنے لگے۔ صائمہ مزید ماں باپ کو مطمئن کرتے ہوئے بولی
" اللہ کے ہر کام میں انسان کے لئے بہتری ہوتی ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے جو اس وقت کبھی سمجھ نہیں آسکتی لیکن بعد میں وقت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس کی بھلائی بھی تھی۔"
ماں باپ بہت ہی افسردگی سے صائمہ کے مطمئن چہرے کو دیکھ رہے تھے اور بولے" تمہیں اتنی ہمت اور برداشت کہاں سے آگئی ہے لوگ تو کیا سے کیا ہو جاتے ہیں۔" صائمہ اطمینان سے ٹھہر کر بولی۔
" جب انسان یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والی ہے تو اس کے اذن سے یہ کام ہو رہا ہے تو یقیناً میرے لئے کوئی بہتری ہی ہوگی۔"

ماں دلاسہ دیتے ہوئے بولی ”بیٹا یہ آزمائش ہے آزمائش ہے اور کچھ نہیں۔“

صائمہ افسردگی سے بولی میں بھی یہی سوچتی ہوں لیکن پھر نجانے کیوں خیال آتا ہے کہ یہ آزمائش نہیں سزا ہے۔“ باپ حیرت سے بولے ”نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے آزمائش ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔“

صائمہ مسکرا کر بولی۔

”اگر آزمائش ہے تو پھر تو انعام بھی ملے گا۔“

باپ ”ہاں دیکھنا اللہ تمہیں بہت ہی معتبر اور اعلیٰ درجہ دے گا۔“

صائمہ خاموشی سے دیکھنے لگی باپ نے سوالیہ نظریں جان کر کہا کہ

”بیٹا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں اور صبر کرنے والوں کے لئے بے حساب اجر ہے۔ تم دیکھنا سب کچھ تمہارے لئے ٹھیک ہو جائے گا۔“

مزید بولے ”بیٹا ہم تمہیں پر سکون اور مطمئن دیکھ کر پر سکون ہو گئے ہیں ورنہ ہم نے واقعتاً اس کو طلاق دلوا دینی تھی۔“

صائمہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی ”ہمیں ایسا کچھ نہیں کرنا جس سے ہمارا رب ناراض ہو جائے وہ آپ نے سنا ہے کہ رب راضی تو سب راضی۔ ایسا کچھ نہ سوچیں کہ ہمیں بعد میں پچھتاوا ہو۔“

خادمہ چائے لے کر آئی تو ماں نے منع کر دیا کہ واپس لے جاؤ خادمہ واپس لے گئی۔ ماں نے صائمہ سے کہا کہ دو تین ہفتے کے لئے ہمارے ساتھ بچوں کو لے کر چلو۔ صائمہ نے اپنی اور بچوں کی چیزیں رکھیں اور ماں کے ساتھ بچوں کو لے کر چلی گئی۔ جاتے ہوئے خادمہ کو بتا گئی کہ بتا دینا کہ میں دو تین ہفتے ادھر ہی رہوں گی۔

سب صائمہ کا بہت خیال رکھتے کہ اس کو کم سے کم احساس ہو اور ایسا ہی ہوا۔ آمنہ اور مہرین کو معلوم تھا کہ کس تاریخ کو عبدالحق کی شادی ہے۔ انہوں نے اسی دن صائمہ کی پروموشن کی خوشی میں پارٹی رکھی اور اسے پورا دن بہت مصروف رکھا۔ آمنہ اور مہرین نے چھٹی کے بعد اس کے گھر آنے کا پروگرام بنایا۔ گھر آئی تو حرا پہلے ہی موجود تھی اور دیر سے آنے کی وجہ پوچھی مہرین اور آمنہ نے سب بتایا اور سب مل کر بیٹھ گئیں۔ آمنہ نے مشورہ دیا کہ آج بچوں کو لے کر باہر چلو اسی طرح پلان کر کے صائمہ اور بچوں کو باہر لے آئیں۔ پہلے شاپنگ کی پھر بچوں کو پارک لے کر گئیں اس کے بعد سب ریسٹورنٹ گئیں رات گئے تک باتیں کرتی رہیں پھر آمنہ اور مہرین نے صائمہ اور بچوں کو گھر چھوڑا اور خود اپنے گھر روانہ ہوئیں۔ دن بھر کی تھکن کی وجہ سے بچوں کے ساتھ ہی سو گئی۔

صبح بچوں کو تیار کرتے وقت عبدالحق کی شادی کا خیال آیا لیکن جھٹک دیا۔ ناشتے کے دوران ماں باپ نے صائمہ کے چہرے پر اطمینان دیکھا تو خود بھی مطمئن ہو گئے۔ وہ اسی طرح مصروف رہی۔ تین ہفتے گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا اور عبدالحق لینے خود آ گیا۔

صائمہ سسرال آئی تو عبدالحق کی خالہ وہاں تھیں وہ صائمہ سے ملیں اور شاباش دی کہ تم نے کچھ نہ کہا ورنہ تو عورتیں شور کرتی ہیں روتی پیٹتی

ہیں تم کو دیکھ کر لگتا ہے کہ تم نے کچھ ایسا نہیں کیا صائمہ جواب میں صرف اتنا بولی کہ

''شور غصہ اور رونے سے کسی کو کیا فرق پڑنا تھا سوائے اس کے کہ میں اپنی صحت برباد کرتی'' خالہ چوم کر بولیں

''بیٹا یہ تم نے ٹھیک کیا۔عورت کو گھر بنائے رکھنا چاہیے ورنہ گھر کے ٹوٹنے کا دکھ عورت کو بہت زیادہ ہوتا ہے۔

خالہ گہری سوچ میں غرق بیٹھ گئی۔صائمہ کافی دیر خالہ کو دیکھتی رہی لیکن ان کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا خود بخود زینت خالہ بولنے لگیں

''بیٹا صائمہ''

''جی خالہ''

''ایک بات پوچھوں۔''

''جی ضرور۔''

''بیٹا ذرا نوعیت ایسی ہے تم برا نہ مان جاؤ۔''

''نہیں خالہ برا نہیں مناؤں گی آپ پوچھیں۔''

''بیٹا عبدالحق کے پہلے بھی کسی لڑکی کے ساتھ کوئی تعلقات تھے یا پھر......'' یہ کہہ کر زینت خالہ خاموش ہوگئیں۔

''نہیں خالہ وہ ایسے بالکل نہیں تھے۔''

''تو پھر یہ لونڈی کہاں سے مل گئی۔'' زینت خالہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''چھوڑیں خالہ اب مل گئی ہے اب کیا فائدہ ہے یہ سوچنے کا'' صائمہ نے ناگواری سے کہا۔

صائمہ خالہ کے ساتھ بہت دیر باتیں کرتی رہی اسی طرح جتنے دن خالہ وہاں رہیں دونوں بہت دیر باتیں کرتی تھیں۔خالہ زینت کو بہت افسوس ہو رہا تھا کہ عبدالحق نے اچھا نہیں کیا جاتے ہوئے صائمہ کو دعا دے گئیں

صائمہ بچوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارتی آفس کا کام بہت محنت اور دلجمعی سے کرتی۔وقت گزرنے کا اس کو پتہ بھی نہ چلا۔دن رات کی مصروفیت سے صائمہ کا وقت بہت اچھا گزرنے لگا۔صائمہ کے بچے سمجھدار ہو رہے تھے وہ بھی دل لگا کر پڑھتے اور سکول کی بہت سی Extra curricular activities میں حصہ لے کر انعام حاصل کرتے جس سے صائمہ بہت خوش ہوتی۔چھٹی کے دن صائمہ بچوں کو لے کر ماں باپ کے پاس چلی جاتی۔ماں باپ صائمہ کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر بہت مطمئن ہونے لگے۔سب بہن بھائی بھی صائمہ کا بھرپور خیال رکھتے۔سب نے پروگرام بنایا کہ بچوں کی چھٹیاں کسی پرفضا مقام پر منائیں گے۔اور ایسا ہی کیا۔صائمہ نے آفس سے کچھ چھٹیاں لے لی تھیں اور بچوں کے ساتھ اور سب گھر والوں کے ساتھ بھرپور وقت گزارا یہاں تک کہ صائمہ کو بالکل بھی عبدالحق کا خیال نہ آیا اور نہ بچوں یا بہن بھائی میں سے کسی نے بات کی۔اس سے بچوں کی صحت پر اچھا اثر پڑا وہ بہت خوش رہے۔جس وجہ سے صائمہ بھی خوش ہوگئی۔صائمہ کو آفس کی روٹین سے ہٹ کر بچوں اور بہن بھائیوں کے ساتھ بہت ہی لطف آ رہا تھا۔

دن رات گزرتے رہے صائمہ دل لگا کر کام کرتی رہی اور ترقی کی منازل طے کرنے لگی۔ صائمہ کو ترقی ملی تو بہن بھائی نے پارٹی کی فرمائش کر ڈالی۔ ماں باپ سب ہی خوش تھے طے پایا کہ پارٹی بڑی اچھی اور وسیع پیانے پر ہو سب کو مدعو کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

پارٹی کے دن صائمہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی سب آفس کے لوگ بھی آئے صائمہ کو بہت بہت مبارکباد دی۔ بچوں نے بہت ہلہ گلہ کیا۔ سب کے آنے کے بعد صائمہ نے کولڈ ڈرنکس کا کہا جو پہلے سرو کی گئیں اس کے بعد کھانا دیا گیا۔ کھانے کے بعد سب مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ اب صرف گھر والے اور مہرین اور آمنہ گھر پر موجود تھے۔ صائمہ مہرین اور آمنہ کو لے کر کمرے میں آ گئی۔ بچے اپنے نانا کے ساتھ لان میں چلے گئے۔

''آج تم بہت اچھی لگ رہی تھی۔'' مہرین نے صائمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''پارٹی بھی بہت شاندار دی ہے سب انتظام بہت اچھا تھا آفس کے سب لوگوں نے سراہا تھا۔'' آمنہ نے صائمہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہا

''ترقی بھی تو شاندار ہوئی ہے اگر تم اسی طرح محنت کرتی رہی تو سب کی باس تو تم ہی ہو گی۔'' مہرین نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

صائمہ جواب میں مسکرا رہی تھی۔ کچھ سوچ کر بولی

'سچ میں مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ مجھے اتنی ترقی اتنی جلدی مل جائے گی۔''

یہ کہہ کر صائمہ کچھ دیر سوچ میں کھو گئی۔ پھر بولی

''شاید ماں باپ کی دعائیں ہیں عبدالحق کے شادی کرنے پر انہوں نے مجھے بہت دعائیں دی تھیں۔''

''ہاں یہ بھی ہے۔'' مہرین نے تائید کرتے ہوئے کہا

''اللہ انسان کی ایک طرف سے کمی دوسری طرف سے نواز کر برابر کر دیتا ہے۔''

آمنہ نے لمبی آہ لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے ورنہ کبھی جاب کا ہی نہیں سوچا تھا اور اس طرح کامیابی کا تو خیال بھی نہیں آ سکتا تھا'' صائمہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''تم نے محنت بھی کی ہے یہ بات تو ماننے والی ہے۔' آمنہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اب تم مزید ترقی کر سکتی ہو اب تو راہیں کھل گئی ہیں تم مزید محنت اور ہمت سے کام لو'' مہرین نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں بھی یہی سوچتی ہوں'' صائمہ بے دھیانی میں اتنا بول کر خاموش ہو گئی۔

''کیا؟'' آمنہ نے آہستگی سے پوچھا۔

''یہی کہ بہت محنت کر کے اچھا مقام بناؤں گی۔'' صائمہ نے کہا۔

''یہ تم نے بہت اچھا سوچا ہے دیکھنا تم کامیاب ہو گی۔'' مہرین نے صائمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

صائمہ لمبی آہ لیتے ہوئے بولی''اچھا تھا جو شروع سے ہی جاب کر لیتی ویسے ہی سات سال ضائع کیے ہیں۔''

''نہ صائمہ ایسا نہیں کہنا تم نے کہاں ضائع کیے ہیں گھر بنایا ہے تمہارے بچے ہیں آئندہ ایسی بات منہ سے نہ نکالنا یہ ناشکری ہے۔''

''اس میں دیکھو تمہارا ہی فائدہ ہوا ہے تمہارے بچے کتنے پیارے ہیں اور عبدالحق نے چلو شادی کر لی لیکن تمہارے ساتھ اچھے تو ہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' صائمہ نے مختصر کہا۔

''تم نے گھر کو وقت دیا جو بہت ضروری ہوتا ہے۔اب تمہارے بچے سکول جاتے ہیں تم آسانی سے کام کر سکتی ہو۔یہ وقت تمہاری جاب کا درست ہے۔'' آمنہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''ویسے صائمہ اب دیر ہو رہی ہے ہمیں اب چلنا چاہیے۔'' مہرین نے گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

آمنہ نے وقت دیکھ کر ہاں میں ہاں ملائی صائمہ نے روکتے ہوئے کہا

''چائے تو پی لو۔''

''پھر کبھی۔'' آمنہ نے کہا۔

''آج دیر ہو رہی ہے چلتے ہیں۔'' مہرین نے پرس اٹھاتے ہوئے کہا۔

دونوں دوستیں اٹھیں اور چل دیں۔صائمہ دونوں کو گیٹ تک چھوڑنے آئی۔ان کے جانے کے بعد بچوں کو دیکھا بچے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ماموں کے ساتھ کارٹون دیکھ رہے تھے۔ماں کو دیکھتے ہی تینوں بیک وقت بول اٹھے۔

''مما آئیں ہم آپ کو مس کر رہے تھے۔''

صائمہ نے تینوں کو پیار سے دیکھا اور بولی''میں آپ کی نانو اور خالہ کی تھوڑی سی مدد کروا کر آتی ہوں۔'' صائمہ کچن میں امی کے پاس آئی جو چائے بنانے میں مصروف تھیں صائمہ نے ماں کو آرام کرنے کا کہہ کر بھیج دیا اور خود چائے بنانے لگی سب کو سرو کرنے کے بعد صائمہ خود اپنا کپ لے کر بیٹھ گئی۔ماں باپ صائمہ کو خوش دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دل کھول کر اس کی ترقی کی تعریف کی۔بہن نے بھی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھا آپی آپ کو کتنی ترقی ملی ہے آگے بھی اسی طرح محنت جاری رکھیں بہت ترقی ملے گی۔''

''ہاں انشاءاللہ۔'' ماں نے خوشی سے کہا۔

''بیٹا زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں کبھی گھبراتے نہیں ہیں دل تھوڑا نہیں کرتے بلکہ اچھی امید رکھتے ہیں۔''

''جی ابو۔'' صائمہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''ایک طرف سے کمی کو اللہ دوسری طرف سے ضرور پورا کرتا ہے کچھ لیتا ہے تو کچھ دیتا بھی ہے۔'' اس مرتبہ ماں نے کپ رکھتے ہوئے کہا۔

''جی امی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ہر انسان کو زندگی میں ہر چیز نہیں ملتی۔''

''ہاں بیٹا اللہ جو کرتا ہے حکمت سے کرتا ہے اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔لیکن انسان کو سمجھ بہت دیر سے

آتی ہے۔'' باپ نے تفصیلاً سمجھاتے ہوئے کہا۔صائمہ چائے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی۔باپ کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

''ہاں بیٹا اللہ جو کرتا ہے حکمت سے کرتا ہے اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے لیکن انسان کو سمجھ دیر سے آتی ہے۔''

باپ کی آواز سکون دے رہی تھی مزید باپ کو یاد کرنے لگی۔جو کہہ رہے تھے۔''بیٹا زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔کبھی گھبراتے نہیں ہیں۔دل تھوڑا نہیں کرتے بلکہ اچھی امید رکھتے ہیں۔''

عبدالحق کو رافعہ زیادہ ٹائم مصروف رکھتی اور وہ بھی اس کی فرمائشیں پوری کرتا کہ بزنس کو بھی برائے نام وقت دے پاتا وہ دونوں پیرس ایک ماہ سیر کرنے کے بعد دوبئی 16 دن سیر کرنے کے بعد واپس آئے کچھ دن آرام کے بعد رافعہ نے عبدالحق سے کاغان ناران کی سیر کرنے کی فرمائش کی۔آفس سے دوماہ مسلسل غیر حاضر رہنے کے بعد جب وہ اپنے آفس گیا تو رپورٹ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تمام کاروبار بری طرح نقصان کا شکار ہو چکا تھا۔عبدالحق نے مینجر سے پوچھا اس نے بتایا کہ سرمال میں گڑبڑ کے باعث دو بڑے کنٹریکٹ کینسل ہوگئے جس سے کروڑوں کا نقصان ہوا اسی وجہ سے ورکرز کی تنخواہیں نہیں دی گئیں پچھلے ماہ سے۔''

عبدالحق برہم ہو کر بولا۔''مجھے آگاہ نہ کیا کیوں؟''

مینجر حیرت سے بولا سر آپ کو فون کیا تھا آپ کی مسز نے منع کردیا کہ آپ ٹور پر ہیں۔اس لئے خود ہینڈل کرنے کا کہا تھا۔

عبدالحق حیران ہو کر رہ گیا کہ رافعہ نے یہ کیا کردیا دوبارہ مینجر سے پوچھا کہ فون کہاں کیا تھا موبائل پر کہ گھر پر۔مینجر نے بتایا کہ آپ کے موبائل پر فون کیا تھا آپ پیرس میں تھے۔عبدالحق سے سرزنش کی کہ مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی میں نے دو مرتبہ فون کیا تھا آگاہ کیوں نہ کیا۔

مینجر گردن جھکا کر بولا''سوری سر میں یہی سمجھا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے بھابی نے منع کیا ہے ورنہ میں ضرور بتا دیتا۔''

عبدالحق تلخ ہو کر بولا''آفس میں کام تم میرے لئے کرتے ہو یا بھابی کے لئے مجھ سے بات کرتے' میں وقت پر کچھ نہ کچھ کرتا اب اتنے نقصان کا ذمہ دار کون ہے۔''

مینجر آہستگی سے بولا' سر آپ کو دو مرتبہ فون کیا تھا دونوں مرتبہ میڈم نے سختی سے منع کیا تھا کہ آپ کو نقصان کا نہ بتاؤں میں یہی سمجھا شاید آپ بیمار ہیں اس لئے ایسا کہا۔''

آفس سے گھر آکر عبدالحق نے رافعہ سے فون کے بارے میں پوچھا تو اس نے صاف انکار کردیا جس سے عبدالحق کو بہت غصہ آیا اور واپس آفس آگیا۔کالز ریکارڈ نکلوایا تو آفس سے عبدالحق کے نمبر پر ان دنوں تین مرتبہ کال کی گئی تھی اس سے وہ زیادہ غصے میں آگیا اور شام کو گھر آکر رافعہ کی بہت سرزنش کی۔رافعہ بھی غصے سے بولی''میں صائمہ نہیں ہوں آہستہ بات کریں۔''

عبدالحق یہ سن کر لال سرخ ہوگیا کیونکہ یہ خلاف توقع تھا آج تک اس کو کسی نے کبھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔وہ کانپتے ہوئے بولا' صائمہ کا نام نہ لو وہ تم سے کئی ہزار گنا اچھی ہے جس نے مجھے آج تک جواب نہیں دیا۔''

رافعہ جتاتے ہوئے بولی "ہاں اتنی اچھی تھی تو مجھ سے شادی کیوں کی تھی تم مردوں کو دوہرے چسکے کی عادت ہوتی ہے۔"

عبدالحق دروازہ پیٹتے باہر چلا گیا اور پرانے گھر آیا۔ صائمہ بچوں کی برتھ ڈے اپنی سہیلیوں کے ساتھ منانے باہر گئی ہوئی تھی۔ عبدالحق آرام سے کمرے میں لیٹ گیا۔ کچھ دیر آرام کے بعد اٹھ کر لان میں ٹہلنے لگا خادمہ نے کھانے کا پوچھا تو عبدالحق نے بتایا کہ وہ صائمہ اور بچوں کے ساتھ کھائے گا۔ دو گھنٹے کے انتظار میں عبدالحق بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹنے لگا اور سوچ رہا تھا کہ جس طرح دو کشتیوں کا سوار منزل پر نہیں پہنچ سکتا بالکل اسی طرح دو شادیوں والا کبھی پرسکون نہیں رہ سکتا چاہے کچھ کرے۔"

عبدالحق کو کاروبار کے نقصان کا بہت رنج تھا وہ خاموش کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ صائمہ اور بچے خوشی خوشی گھر آئے۔ عبدالحق کو دیکھ کر سلام کر کے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ صائمہ نے بھی سلام کیا۔ حال پوچھا اور کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کی طرف جاتے ہوئے خادمہ نے کھانا لگانے کا پوچھا صائمہ نے بتایا کہ وہ اور بچے کھا آئے ہیں۔ خادمہ نے بتایا کہ صاحب جی آپ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ صائمہ نے خادمہ سے کہا آپ ہم سب کے لئے کھانا لگائیں ہم فریش ہو کر آتے ہیں۔ صائمہ پہلے بچوں کے کمرے میں لے گئی انہیں سمجھایا کہ اب تھوڑی دیر کھانے کی ٹیبل پر کھانا تھوڑا سا کھالو آپ کے پاپا نے نہیں کھایا۔ بس جلدی کپڑے تبدیل کر کے آجاؤ اور خود بھی تبدیل کر کے ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی۔

عبدالحق ایک ہفتہ رافعہ کے پاس ہوتا اور ایک ہفتہ صائمہ کے پاس ہوتا لیکن وہ الجھ گیا تھا کیونکہ کاروبار کو اتنا وقت نہیں دے پا رہا تھا جتنا چاہیے تھا کیونکہ رافعہ بہت لڑتی تھی کہ وہ گھر میں بور ہو جاتی ہے وہ بہت گھومنے پھرنے کے لئے ڈیمانڈ کرتی۔ عبدالحق اسے بہت سمجھاتا کہ کاروبار کو وقت زیادہ دینا ہوتا ہے ایسا ممکن نہیں ہے آگے جو تمہارے ساتھ ہفتہ ہوتا ہے اس میں تو چار گھنٹے روزانہ پہلے آجاتا ہوں۔ باہر کھانا ہر دوسرے دن کھاتے ہیں روزانہ کم وقت سے کاروبار سٹیبل نہیں ہو رہا ہے تم سمجھو اور میرا ساتھ دو لیکن رافعہ کی وہی رٹ کہ میں بور ہو جاتی ہوں ہر دوسرے دن کے بعد عبدالحق کو سننی پڑتی۔ عبدالحق اب زچ رہنے لگا اور غصے سے بولا "آخر تم چاہتی کیا ہو ہر روز بور بور کی رٹ لگا رکھی ہے کان پک گئے ہیں میرے یہ سن کر۔"

رافعہ جو پہلے ہی تپی بیٹھی تھی رونے لگی اور چلا کر بولی "میرا دماغ خراب تھا کہ تم جیسے خبطی سے شادی کر لی جسے سوائے اپنے کاروبار کے کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے۔"

عبدالحق زچ ہو کر بولا "تمہاری روز روز کی چخ چخ سے تنگ آ گیا ہوں اور سن لو یہ کاروبار ہی دیکھ کر تم نے مجھ پر ڈورے ڈالے تھے۔"

رافعہ تلخ ہو کر بولی "ارے ہاں ہاں تم تو دودھ پیتے بچے تھے جو میری باتوں میں آ گئے تھے۔ صاف الفاظ میں کہو کہ تم نے مجھے پھنسایا تھا۔"

عبدالحق تنگ آ کر باہر نکل گیا راستے میں زبیر مل گیا۔ دونوں چار پانچ ماہ بعد ملے تھے۔ اس لئے دونوں ایک ہوٹل چلے گئے تاکہ آرام سے بیٹھ کر بات چیت کر سکیں۔ زبیر عبدالحق کے چہرے کو دیکھ کر بولا۔

"کیا بات ہے بہت اپ سیٹ لگ رہے ہو۔"

عبدالحق بولا یار تمہیں کیا بتاؤں کاروبار میں کافی نقصان ہو گیا ہے۔'' سب زبیر کو سنایا۔

زبیر نے تسلی دی کہ دوبارہ کوشش کرو گے تو ٹھیک ہو جائے گا۔ کاروبار میں تو ایسا ہوتا رہتا ہے۔

زبیر کچھ رک کر بولا اچھا بتاؤ نئی بھابی کیسی ہیں کبھی لاتے ان کو۔ عبدالحق ناگواری سے بولا ''یار سمجھ نہیں آتی کہ اس کو کیسے ہینڈل کروں کس قسم کی ہے کبھی خوش ہی نہیں رہتی۔''

زبیر سوالیہ نظروں سے بولا'' کیا مطلب''

مطلب یہ کہ ہر وقت کی چخ چخ سے تنگ آ گیا ہوں۔

زبیر'' یہ تو ہوتا ہی ہے دونوں طرف سے ایسا شروع ہو جاتا ہے۔''

عبدالحق افسردگی سے بولا'' سچ پوچھو تو صائمہ نے کچھ نہیں کیا نہ کبھی لڑائی اور نہ تنگ بس پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔'

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کاروبار کو وقت دوں یا اس کے ساتھ گھومتا پھرتا رہوں۔''

زبیر عبدالحق کے چہرے پر بیزاری دیکھتے ہوئے بولا'' چلو آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

عبدالحق مایوسانہ لہجے میں بولا'' تم رافعہ کو نہیں جانتے وہ بہت چخ چخ کرتی ہے سکون غارت کر دیتی ہے اور یہ کاروبار اسی کی وجہ سے نقصان میں جا رہا ہے ورنہ تمہیں تو پتہ تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

زبیر شرارتاً بولا'' اب ایسا تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔''

عبدالحق لمبی آہ لے کر بولا چلو نصیب کی بات ہے۔''

زبیر نے ویٹر کو مینیو لکھوانے کے بعد دوبارہ عبدالحق کو تسلی دی۔

کھانے کے دوران دونوں کاروبار کو ہی ڈسکس کرتے رہے۔ کھانے کے بعد چائے منگوائی اور کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

رات دیر تک بیٹھنے کے بعد عبدالحق گھر آیا تو رافعہ گھر نہیں تھی۔ خادمہ سے پتہ کیا تو اس نے بتایا کہ وہ ماں کی طرف گئی ہے۔ عبدالحق واپس نکل گیا اور سوچا کہ اسی لئے فون نہی کیا ورنہ وہ تو سر کھا جاتی۔ واپس دوسرے گھر کی طرف جاتے اس کی نظر ایک گاڑی پر پڑی جس میں رافعہ تھی اور کوئی اور چلا رہا تھا وہ واپس پلٹا اور پیچھے ہو لیا۔ رافعہ گھر کے قریب گاڑی سے اتر رہی تھی۔ عبدالحق نے گاڑی روکی جس سے وہ یکدم پریشان ہو گئی اور بولی'' ان سے ملو یہ محمود ہیں میرے کزن۔'' عبدالحق سرسری ملا اور گھر آ گیا۔ خاموش رہا۔ رافعہ سے کچھ نہ کہا۔

اب عبدالحق نے نوٹ کیا کہ رافعہ محمود کے ساتھ ہی گھومتی پھرتی ہے اس پر اس نے اسے منع کیا اور محمود کو دھمکی دی آئندہ اگر اس کے ساتھ نظر آئے تو ٹکڑے کر کے پھینکوا دوں گا۔''

محمود شریف تھا اس لئے دوبارہ رافعہ سے ملنے کا وعدہ کر کے عبدالحق کو بتا دیا کہ رافعہ ہی اس کو بلاتی تھی ورنہ وہ خاندان والا ہے یہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

صائمہ اور بچے بہت خوش تھے۔ وقت پر پڑھائی اور گیمز کرتے اور باقی ٹائم صائمہ اپنے کام پر توجہ دے رہی تھی۔ وہ عبدالحق کا بھی بہت خیال پہلے کی طرح ہی رکھتی تھی اور بہت خوش تھی۔ عبدالحق دیکھ کر حیران رہ جاتا کہ صائمہ کتنی مطمئن اور خوش رہتی ہے اور دوسری طرف رافعہ ہر بات پر جھگڑا اور ناخوش رہتی ہے۔

عبدالحق کاروبار پر بہت محنت کرنے لگا تاکہ واپس بحال ہو سکے جس سے رافعہ بہت چڑ جاتی اور مزید زچ ہو کر بولتی رہتی۔ عبدالحق واقعتاً اب رافعہ کے رویوں سے تنگ رہنے لگا لیکن کسی سے کچھ نہ کہتا۔ ایک دن رافعہ نے لڑائی اس قدر کی کہ عبدالحق گھر سے نکل کھڑا ہوا اس فیصلے کے ساتھ کہ اب وہ اس گھر میں کبھی قدم نہیں رکھے گا۔ اس نے رافعہ کو بہت برا بھلا کہا اور رافعہ نے بھی جواباً بہت کچھ کہہ ڈالا۔

عبدالحق آہستہ آہستہ ڈرائیونگ کرتا ہوا پارک پہنچا۔

بار بار اس کے دماغ میں رافعہ کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ ان سے چھٹکارا چاہتا تھا اس نے اپنے سب سے اچھے دوست مزمل کو فون کیا اور ہوٹل بلایا۔ خود بھی اٹھ کر ہوٹل روانہ ہوا۔ مزمل ہوٹل پہنچا تو عبدالحق کے چہرے سے پریشانی اور ناگواری کے آثار عیاں تھے۔ اس لئے کچھ دیر خاموش رہا پھر آہستہ آہستہ ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں۔

مزمل نے کاروبار کے بارے میں پوچھا:

''کاروبار کیسا جا رہا ہے۔'' عبدالحق مایوسانہ لہجے میں بولا:

''اس کی اتنی پریشانی نہیں ٹھیک ہو جائے گا۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہا ہے۔'' مزمل حیرت سے دیکھنے لگا اور کافی دیر دیکھتا رہا پھر آہستگی سے بولا ''تو پھر کیا ہے کیوں اتنے پریشان ہو تمہاری ہوائیاں اڑی ہوئی ہیں۔''

عبدالحق شکستہ لہجے میں بولا

''مزمل تم ٹھیک کہتے تھے کہ دو شادیاں مرد کر لیتا ہے لیکن آرام و سکون کھو دیتا ہے۔'' مزمل ٹیک لگاتے ہوئے بولا ''اچھا یہ بات ہے جناب کی۔''

''دو ملاؤں میں مرغی حرام والی بات سچ ہو گئی یا پھر رک کر بولا دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ والی بات ہو گئی ہے۔

عبدالحق ناگواری سے بولا ''جو مرضی کہہ لو تمہیں اختیار ہے۔''

مزمل ''او یار ایسا تو ہونا تھا ایک کو زیادہ وقت دو تو دوسری ناراض اور دوسری کے پاس جاؤ پہلی ناراض۔''

عبدالحق بات واضح کرتے ہوئے بولا ''یار پہلی اور دوسری کا چکر نہیں ہے۔''

مزمل حیرت سے ''تو اور کیا''

عبدالحق حقیقت بیان کرتے ہوئے بولا۔ ''صائمہ کا ظرف بہت بڑا ہے نہ اس نے شادی پر شور کیا نہ کبھی کاروبار میں میری مصروفیت پر واویلا مچایا۔''

مزمل ''پھر کیا مسئلہ ہے۔'' نارمل لہجے میں پوچھا۔

عبدالحق گردن جھکاتے ہوئے بولا

’’رافعہ تو سراسر ایک مسئلہ ہے نہ سمجھ آنے والا اور نہ حل ہونے والا۔‘‘ مزمل شرارتاً بولا ’اب ایسا کیا ہوا ہے؟‘‘

عبدالحق افسردگی سے بولا ’’یار وہ بہت بولتی ہے سر کھا جاتی ہے ہر وقت اس کی ڈیمانڈز پورا کرنا میرے بس میں نہیں بس اب برداشت ختم ہوگئی ہے۔ ہمت جواب دے گئی ہے۔‘‘

مزمل عبدالحق کے ساتھ معذرت سے بولا ’’تم نے صائمہ کو اور بچوں کو کبھی وقت ہی نہیں دیا کاروبار کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اگر تم ان کو وقت دیتے تو کبھی تم غلط ایسا فیصلہ نہ کرتے۔‘‘

عبدالحق ندامت سے بولا ’’نہیں رافعہ سے شادی میری غلطی ہے پتہ نہیں اسے دیکھ کر میں کیوں بہک گیا تھا اس کی خوبصورتی یا باتیں دلچسپ کچھ تھا جو مجھے غلط فیصلے پر مجبور کر گیا۔‘‘

مزمل ماضی یاد دلاتے ہوئے بولا

’’تم نے اپنا اوڑھنا بچھونا بھی دولت کو بنا رکھا تھا کبھی کچھ اور نہ سوچتے تھے ورنہ اگر تم گھر کو پرا پر ٹائم دیتے رشتے داروں سے ملتے سب کے گھر جاتے صائمہ اور بچوں کے ساتھ وقت گزارتے تو مجھے پکا یقین ہے کہ رافعہ کی طرف نہ بڑھتے۔‘‘

عبدالحق تائید کرتے ہوئے بولا ’’جو تم نے کہا وہ ٹھیک ہے لیکن جو میں جان سکا ہوں وہ اصل حقیقت ہے کہ انسان کو انا کے خول سے نکل کر جینا چاہیے۔ میں نے دولت کو ہی اپنا سب کچھ بنالیا ور سب طرف سے کٹ کے رہ گیا۔ نجانے رافعہ کیسے میری زندگی میں سزا بن کر آ ئی ہے۔ بتانے کے لئے کہ ہوس جب انا کا روپ اختیار کرے تو وہ برباد کر دیتی ہے۔ ہوس چاہے دولت کی ہو یا عورت کی دونوں ہی برباد کر ڈالتی ہیں۔‘‘

مزمل مزید اضافہ کرتے ہوئے بولا ’’ہر چیز اعتدال میں ہی اچھی لگتی ہے اور وقت رب تعالیٰ کے لئے نکالنا چاہیے ورنہ خرابی ہو جاتی ہے۔ ہوس تو واقعی کسی چیز کی بھی ہو سوائے نقصان کے کچھ نہیں دیتی۔‘‘

عبدالحق افسردگی سے بولا ’’واقعی ہوس تو تباہ کر ڈالتی ہے سکون غارت کر دیتی ہے چاہے دولت کی ہو یا عورت کی پتہ نہیں کیوں ہم بعد میں پچھتاتے ہیں۔ وقت پر سوچ کیوں نہیں لیتے۔‘‘

مزمل تسلی دیتے ہوئے بولا

’’اب جو ہو چکا وہ واپس نہیں ہو سکتا لیکن اس کو ہی ٹھیک کرنے کے متبادل طریقے پر غور تو کیا جا سکتا ہے۔‘‘

عبدالحق تلخ ہو کر بولا ’’کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔‘‘ کچھ دیر رک کر بولا

’’انا کے خول میں جینے والے لوگوں کے لئے کچھ ٹھیک نہیں رہتا اور ایسے لوگ جب ہوس کا شکار ہو جاتے ہیں چاہے دولت کی ہو یا عورت کی سب طرف سے ناکام ہی رہتے ہیں۔‘‘

☆......☆......☆

محبت

ارمان آج لانگ ڈرائیو کرتے بہت دور نکل آیا تھا۔اس کا اندازہ اسے خود بھی نہ ہوا اور نہ سمجھ آئی کہ کیوں ڈرائیو کرتا چلا جارہا ہے؟بس ڈرائیو کرتے ایک ہی بات بار بار سوچ رہا تھا کہ نجانے زندگی اتنی مشکل کیوں ہوتی جارہی ہے صرف مشکل ہی نہیں بے رنگ بھی۔

یہی سوچتا ڈرائیو کرتا جارہا تھا۔یوں تو وہ روز ہی افسردہ اور گم سم رہتا تھا لیکن آج کچھ زیادہ ہی گم سم اور افسردہ تھا۔آفس سے بھی جلدی سے آیا اور بس ڈرائیو کرتا جارہا تھا اور سوچتا جارہا تھا کہ کیا یہ مشکلات اس کی اپنی پیدا کردہ ہیں۔روزانہ کے سوچ بچار سے وہ اسی نتیجے پر پہنچا کہ یہ سب اس کی عادات کی وجہ سے ہی ہیں۔وہ ہر روز یہی سوچتا کہ وہ اپنی عادات کو بدلے گا لیکن بے سود پھر سوچتا کہ سچ کہتے ہیں کہ عخادت کی زنجیر دیکھنے میں بہت نازک لیکن توڑنا بہت مشکل ہے۔

وہ سوچتا گویا کہ ناممکن نہیں عادات بدلنا لیکن بہت مشکل ضرور ہے۔یہ سب کچھ اپنی ضدی عادت کی وجہ سے اتنی مشکلات ہیں۔وہ سوچتے ہوئے ایک ندی کے پاس رک گیا اور باہر ندی کے پاس بیٹھ کر سوچنے لگا کہ یہ ضدی عادت اس کو ہمیشہ مشکلات سے دوچار کرتی تھی دوست، ماں باپ، اساتذہ اور رشتے دار سب سمجھایا کرتے تھے کہ اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی۔انسان کی اچھی خاصی زندگی کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے لیکن یہ بات کبھی اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی وہ جو چاہتا تھا بس اسی میں اس کی سوئی اٹک جاتی اور وہ آگے سوچ ہی نہ سکتا تھا۔اسے استاد کی پرخلوص نصیحتیں یاد آنے لگیں کتنے پیار سے سمجھایا کرتے تھے کہ عادات ہی انسان کو بگاڑتی اور سنوارتی ہیں اس کو وہ یاد آنے لگا کہ استاد بہت دفعہ بورڈ پر بنا کر سمجھایا کرتے تھے وہ تمام چارٹ اس کے ذہن میں گھوم گیا اور دہرانے لگا

اپنے خیالات پر نظر رکھیے یہ الفاظ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

اپنے الفاظ پر نظر رکھیے یہ عمل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

اپنے اعمال پر نظر رکھیے، یہ عادات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اپنی عادات پر نظر رکھیے یہ شخصیت کا روپ دھار لیتی ہیں۔

اپنی شخصیت پر نظر رکھیے یہ آپ کا مقدر بن جاتی ہے۔

واقعی اسی لئے تو مشکلات ہی مشکلات ہیں اپنی عادات کی وجہ سے ہی ہیں۔اس کے اندر طلاطم مچ رہا تھا وہ سب سوچوں کو جھٹک کر موسم سے لطف اندوز ہونا چاہ رہا تھا۔وہ سب سوچوں کو جھٹک کر سوچنے لگا۔

یہ موسم کتنا سہانا ہے ہر طرف پھول ہی پھول کھلے کیا نظارا دے رہے ہیں۔ندی کا پانی سورج کی روشنی میں کتنا حسین لگ رہا ہے روشنی مدہم ہے تو پانی کا نظارا بھی قابل دید ہے اوپر سے یہ ہر طرف رنگ برنگے پھول اس جگہ کی رونق کو کس طرح دوبالا کر رہے ہیں۔یہ پھول تو زندگی سے بھرپور دیکھنے والے کو بھی محو کر دیتے ہیں۔اور یہ ندی اوپر سے کتنی شفاف ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ ندی کو دیکھتے رہو تو ایسا لگتا ہے کہ انسان قدرت کی بنائی ہوئی چیزوں سے ہی اصل معنوں میں لطف اندوز ہو سکتا ہے کیا نظارے ہیں اردگرد ہر طرف پھیلے ہوئے سب کچھ اتنا حسین اور دلفریب ہے لیکن کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔وہ سوچ رہا تھا کہ دل اداس ہو تو کوئی چیز بھی اچھی نہیں لگ سکتی لیکن دل اب ہر وقت اداس کیوں رہتا ہے؟اتنے حسین نظارے ہر طرف قدرت کے بکھرے پڑے ہیں کہ دیکھ کر دل کو تو باغ باغ ہو جانا چاہیے۔لیکن نجانے یہ سب کچھ بھی دل کی اداسی و ویرانی کو کم نہیں کر سکتا بیزاری تو جیسے طبیعت میں رچ بس گئی ہے۔

واقعی دل اداس ہو تو کسی چیز میں کوئی رنگ' کوئی اچھائی نظر نہیں آ سکتی۔ہر چیز بے رنگ ہی ہو جیسے وہ ندی کے شفاف پانی میں اپنی جھلک دیکھ کر ماضی میں کھو گیا۔اس کو اس پانی میں اپنی صورت دیکھ کر مائرہ یاد آنے لگی۔اس کے ساتھ وہ اسی طرح یہاں اور باقی سب جگہوں گھومنے پھرنے جایا کرتا تھا۔یہ جگہ اور باقی سب جگہیں اس کے ساتھ کتنی مختلف اس کے لئے تھیں اور اب ان سب جگہوں بلکہ ہر خوبصورت سے خوبصورت جگہ میں بھی اس کے لئے کوئی رنگ کوئی خوشی نہ تھی۔وہ سوچنے لگا کہ کیا ساتھی کے ہونے اور نہ ہونے سے اتنا فرق پڑ جاتا ہے کہ ساتھی دلپسند اور پاس ہو تو یہی جگہ گلزار بلکہ جنت اور تنہائی میں اور دوسری میں ویرانی اور وحشت کے سوا کچھ نہیں۔

ارمان کو مائرہ تو یاد آتی ہی رہتی تھی لیکن آج اس کی یاد کی شدت اس ماحول کی وجہ سے بہت ہو گئی تھی وہ تو پھولوں کی دیوانی تھی ہر طرف پھول ہی پھول دیکھ کر کس طرح باغ باغ ہو جاتی اور گھنٹوں ایسے باغات میں بیٹھی رہتی تھی گھر میں بھی تو اس نے پورا باغ لگا دیا تھا ہر طرف پھول ہی پھول کھلے رہتے تھے اور خوشگوار موسم سے لطف اندوز ہونا اسے اسی نے تو سکھایا تھا۔موسم اچھا ہوتا تو اس کو لانگ ڈرائیو کے لئے لے جاتی خوشی اس کی قابل دید ہوتی تھی۔بارش کا موسم ہوتو باہر بارش میں گھومنا پھرنا اور لطف اندوز ہوتی جسے دیکھ کر دوسرے کی بھی طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی۔اسی ندی کے پانی میں وہ اپنا عکس دیکھتی اور ارمان کو بھی لے کر گھنٹوں بیٹھی رہتی تھی۔ہر کام تیزی اور خوشی سے گزرتا اور کہا کرتی کہ ہر کام زندہ دلی سے کرنا چاہیے اس کا ستایا ہوا شعر بار بار ارمان کو یاد آنے لگا

زندگی زندہ دلی کا نام ہے

مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

اس کو اس کی خوش طبیعت اور عادات بہت یاد آنے لگیں۔خاص طور پر اس وقت تو اس کے ساتھ بیتے دن شدت سے یاد آنے لگے۔کتنی شوخ سلیقہ شعار اور اچھی تھی' میں نے کتنے پیار سے رکھا تھا کتنا خوش تھے ہم دونوں پھر بھی میں تنہا ہوں۔رات کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا لیکن وہ بے خبر انہی سوچوں میں بیٹھا تھا۔اس کے ساتھ گزرے لمحے یاد میں آتے چلے گئے جس سے ارمان کا موڈ بہت خوشگوار ہو گیا۔اچانک اس کو اس کے ساتھ کی ہوئی زیادتیاں بھی یاد آنے لگیں۔حالانکہ شروع میں تو اس کو پیار دیا لیکن آہستہ آہستہ اپنی عادت غالب آنی شروع ہوئی اور مائرہ کے ساتھ بات

بات پر غصہ کی وجہ سے وہ رنجیدہ رہنے لگی۔ پھر بھی کتنا اچھا خیال رکھتی تھی۔ رات کا اندھیرا کافی گہرا ہو چکا تھا۔ ہر طرف خاموشی چھا چکی تھی۔ پرندے نجانے کب کے اپنے گھونسلوں میں جا چکے تھے۔ اردگرد جو چند گھنٹے پہلے چہل پہل تھی اب وہاں کوئی نہیں تھا سب اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف جا چکے تھے۔ ندی کا پانی اب چاند کی چاندنی میں مزید خوبصورت لگ رہا تھا۔

چاند ہر طرف اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ چاندنی میں ہر شے نے سفید لباس پہن لیا تھا۔ پھولوں کے رنگ مزید نکھرے نظر آنے لگے اور پودے تو اپنی خوبصورتی سے سب کو مات دے رہے تھے۔ پرندے کب کے اپنے گھونسلوں میں سو چکے تھے۔ اب تو دور سڑک پر اکا دکا ہارن کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ارمان ماضی میں مکمل طور پر کھو چکا تھا۔

مائرہ کا موسم سے لطف اندوز ہونے کا انداز اسے بے حد یاد آنے لگا۔ پکوڑے اہتمام سے بنا کر بارش میں لان میں شیڈ کے نیچے بیٹھ کر چائے پینا اور بارش سے لطف اندوز ہونا نہ صرف بارش بلکہ ہر موسم میں لطف اندوز ہونا اسے یاد آنے لگا۔ بارش شدید زوروں پر مائرہ کا ارمان کو لے کر بارش میں باہر بھیگنا۔

ارمان آؤ بارش میں آؤ کتنا مزہ آ رہا ہے۔ ارمان حیرت سے بولا ''میں نہیں کبھی بارش میں نہایا۔''

مائرہ بجلی کی سی تیزی سے آ کر زبردستی ارمان کو لے کر بارش میں بھگتی رہی۔

ارمان کچھ منٹوں کے بعد مائرہ پلیز چلو چلیں۔ مائرہ ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے او ہو ایسے لگتا ہے کہ جیسے چھوٹے بچے ہو Come on کچھ تو لطف اندوز ہونا سیکھو۔

ارمان مشکل سے کچھ دیر گزارنے کے بعد بھاگ کر واپس برآمدے میں آ جاتا اور مائرہ کا کافی دیر بھیگتے رہنا اور خوش ہوتے رہنا۔

شام کو ارمان کو سوپ بنا کر دینا اور ساتھ کہنا۔

''یہ سوپ پی لو ساری ٹھنڈک بارش کی اتر جائے گی۔''

ارمان کو یہ سب باتیں اور یادیں بار بار تصویر اور گونج سے ایسے لگنے لگا جیسے یہ سب ابھی واقعی پیش آ رہا ہو ان یادوں نے ارمان کو واقعی خوش کر دیا۔ وہ پرانے دنوں کو یاد کر کے بہت مسرور ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھر رہی تھی۔ وہ ماضی میں ایسا محو تھا جیسے ماضی نہیں بلکہ یہ سب کچھ اب اس کے ساتھ پیش آ رہا ہو۔ اسے اردگرد کی کوئی خبر نہ رہی اور نہ وقت گزرنے کا احساس ہوا۔

ارمان سکوت اور خاموشی میں بیٹھا اپنی سوچ میں ایسا گم صم تھا کہ اردگرد سے بھی وہ مکمل طور پر بے خبر تھا جیسے وہ اپنے آپ سے بے خبر تھا وہ اتنا کھویا ہوا تھا ماضی کی یادوں میں کہ وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا گھڑی دیکھی تو دس بج رہے تھے۔ وہ حیران ہو گیا اس بے آباد ویران جگہ پر اس وقت بیٹھا ہے اس وقت کو یہ ویران سناٹا بہت عجیب لگنے لگا وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ احتیاط سے چلنے لگا۔ چاندنی کے باعث راستہ صاف تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر رات کو چاند نہ ہو تو آسمان تو بدنما ہی لگے لیکن مسافروں کا کیا بنے؟ اس کے ذہن میں بار بار یہ سوال گونجنے لگا کہ

''پیدا کرنے والا انسان سے کتنی محبت کرتا ہے کہ رات کے سفر میں بھی ٹھوکریں کھانے سے بچانے کا انتظام کر دیا ہے اور ہم انسان پھر بھی

اس کی نافرمانی کر کے ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے ہیں۔''

وہ یہ سوچتے ہوئے گاڑی تک آیا۔رش تو برائے نام ہی تھا۔گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی اس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے کوئی بوجھ سر پر لار رکھا ہو اور جسم بالکل بے جان ہو ہمت کر کے گاڑی چلانے کی کوشش کی ایسے لگ رہا تھا جیسے بے جان جسم کو حرکت دینے کی بھرپور کوشش کر رہا ہو۔وہ اپنی اس کیفیت پر حیران تھا اور سوچ رہا تھا کہ دوسری مرتبہ ایسا ہوا ہے۔راستے میں وہ انہی سوچوں میں ہی ڈرائیو کرتا رہا۔رش نہ ہونے کی وجہ سے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔اس لئے لدی گھر پہنچ گیا۔نوکر فہد نے ہارن کا سنتے ہی گیٹ کھول دیا۔ارمان گاڑی اندر کر کے بے جان لاش کی مانند ہی گاڑی میں بیٹھا رہا۔فہد کافی دیر دیکھتا رہا اور سمیر بھی کافی متجسس تھا کہ ارمان صاحب آج گاڑی سے باہر نہیں آ رہے ہیں۔کافی دیر بعد سمیر گاڑی کے قریب گیا اور دروازہ کھول کر پوچھنے لگا

''صاحب جی خیریت ہے؟''

ارمان سوچوں کے بھنور سے باہر نکلا اور صرف اتنا کہا''ہاں خیریت ہے۔''

سمیر نے حیرانگی سے پوچھا''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔''

ارمان نے مختصراً جواب دیا سب ٹھیک ہے۔

ارمان گاڑی سے نکلا بریف کیس اٹھایا اور کوٹ اور ٹائی گاڑی کی پچھلی پشت سے نکال رہا تھا۔سمیر آگے بڑھا اور کوٹ نکال لیا ارمان کے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا۔ارمان آگے چلا اور سمیر نے فہد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔اندر کمرے کی طرف جاتے ہوئے ارمان نے سمیر سے آہستہ سے کہا اچھی سی چائے بنا لاؤ۔

سمیر نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا سر کھانا پہلے کھا لیں۔''ارمان لمبی سانس لیتے ہوئے بولا بس دیر سے کھانا کھایا تھا اس وقت بھوک بالکل نہیں ہے۔بس چائے ہی دے دیں۔سمیر نے اچھا کہا اور چل دیا۔

ارمان نے کپڑے تبدیل کئے اور منہ ہاتھ دھو کر واپس کمرے میں آ گیا۔سمیر چائے اور کباب لے آیا۔ارمان نے دونوں چیز ٹیبل پر رکھنے کو کہا اور ہاتھ منہ تولیے سے صاف کر کے آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

چائے کے بعد وہ اٹھا اور پردے ہٹا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ہر طرف برقی قمقموں کی روشنی پھیل کر ہر چیز کو روشن کر رہی ہے۔ہر طرف روشنیاں کتنی بھلی لگ رہی ہیں۔ہر چیز کی خوبصورتی کا باعث بن رہی ہیں وہ سوچنے لگا کہ

جس طرح یہ روشنیاں اتنی خوبصورت لگ رہی ہیں بالکل اسی طرح انسان کی زندگی میں بھی خوشیاں اور کامیابیاں روشنی بن جاتی ہیں یا روشن کر دیتی ہیں۔ہر چیز کو چمکا دیتی ہیں اور چہروں کو بھی یہی وجہ ہے کہ خوش رہنے والوں کے چہرے بھی شاد باد اور پر رونق ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں زندگی پر رونق ہو جاتی ہے۔

اس کا مطلب یہ کہ وہ تجزیہ کرتے ہوئے سوچنے لگا تو مطلب یہ کہ زندگی کی ناکامیاں اور افسردگیاں اندھیرا ہیں مایوسیوں کا سبب بن

جاتی ہیں انسان کو ہر طرف سے گھیر کر چہروں کے مرجھانے کا سبب بن جاتی ہیں اور زندگی کی سب رونق ختم کر کے بیزاری' دکھ' ڈپریشن کو جنم دیتی ہیں۔وہ یہ سوچتے ہوئے مزید سوچنے لگا

یہ ناکامیاں اور مایوسیاں ہی وہ اندھیرا ہیں جو زندگیوں کو دیمک کی مانند چاٹ جاتی ہیں کھوکھلا کر کے رکھ دیتی ہیں۔"

یہ کیا ہوا اگر میں اپنے آپ کو دیکھوں تو کیا میں دوسری والی کنڈیشنز کا شکار ہو گیا ہوں۔وہ مزید سوچنے لگا

لوگوں کی زندگی میں خوشیاں بہاروں کو لیآتی ہیں حسن عطا کرتی ہیں رونق عطا کرتی ہیں اور میری زندگی میں غموں نے ڈیرے ڈال کر ہر طرف ویرانی کا سبب بنا دیا ہے۔بالکل خزاں کی طرح ہو گئی ہے زندگی بھی۔

لیکن اس بے رونقی' ویرانی اور خزاں کا ذمہ دار کوئی دوسرا تو نہیں بلکہ میں خود ہی تو ہوں۔وہ سر جھٹک کر پردہ آگے رکھ کر بیٹھ گیا۔ٹی وی آن کی کوئی لطف نہ پا کر بند کر دیا اور اپنے آپ سے کہنے لگا"اب تو سب سوچ چکے ہو گے یہ دل بیزار کسی چیز میں لطف نہیں لینے دیتا۔" اسے یاد آیا کہ رحمان ابھی نہیں سویا ہو گا وہ تو دیر تک کام کرتا ہے اس نے فون اٹھا کر رحمان کا نمبر ملایا۔بیل دوسری طرف جا رہی تھی۔تین چار بیلز کے بعد رحمان نے فون اٹھایا اور ارمان سے مخاطب ہوا۔

"یار کہو تم کیوں شادی میں نہ آئے؟"

ارمان ابھی سوچ رہا تھا کہ رحمان دوبارہ بولا"اوہو میں تو تمہیں فون کرنے والا تھا آج روشن کی شادی پر تم نہیں آئے۔"

ارمان نے وقت دیکھا بارہ بج رہے تھے اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔چلو تم مصروف ہو میں کل فون کروں گا۔"

موبائل رکھ کر بستر پر لیٹ گیا وہ جلد سونا چاہتا تھا۔بہت تھک چکا تھا لیکن نیند کوسوں دور تھی وہ زچ ہو گیا کہ کیا مسئلہ ہے روزانہ کا معمول نیند نہ آنا بن گیا ہے۔شٹ یار ماضی کے سارے مناظر ایک ایک کر کے پھرنے لگے۔سر پر تکیہ رکھ کر اپنے آپ سے کہنے لگا اف بیتے دنوں کی یادیں پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتیں ہر وقت چمٹی رہتی ہیں۔ہر وقت تنگ کرتی اور اذیت دیتی ہیں کسی نے سچ میں وہ شعر کہا ہے کہ تکیہ اٹھا کر شعر پڑھنے لگا

یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

روزانہ کی طرح انہی یادوں میں نجانے کب نیند آ گئی۔صبح بیدار ہو کر ارمان نے سوچا کہ آج آفس کے بعد وہ ضرور اپنے ڈاکٹر واجد سے ملے گا اور کل والی حالت کا بتائے گا۔ارمان آفس میں بہت مصروف رہا۔آفس کے بعد اس نے ڈاکٹر واجد کی بجائے اپنے دوست ڈاکٹر سکندر کو فون کیا اور ملنے کا کہا۔

ڈاکٹر سکندر نے اسے بتایا کہ آج وہ بہت مصروف ہے اس لئے گھنٹے بعد ریسٹورنٹ آ جائے گا۔ارمان فون بند کر کے شاپنگ مال گیا اور چند ضروری چیزیں لے کر ریسٹورنٹ پہنچ گیا۔گاڑی سے نکل کر آہستہ آہستہ ریسٹورنٹ کی طرف بڑھا۔راستے میں چھوٹے چھوٹے بچوں کے پھیلے

ہاتھوں کو دیکھ کر اس کو بہت دکھ ہوا کہ کتنے پھٹے ملبوس میں یہ کتنے روشن چہرے ہیں۔ وہ افسردہ ہو کر دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ ان بچوں کے ہاتھوں میں کتابیں اور قلم ہونے چاہئیں لیکن یہ بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔

کیا سچ میں ان کے حالات ایسے ہیں یا کسی گروہ نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ ان کا کیا قصور ہے وہ ریسٹورنٹ میں ٹیبل پر بیٹھ کر یہی مناظر دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا کہ بچپن بھی کیا چیز ہوتا ہے وہ اپنے بچپن میں کھو گیا۔ ڈاکٹر سکندر نے اسے یادوں سے جھنجھوڑا اور وہ اٹھ کر گلے ملا اس نے سکندر کو بتایا کہ وہ ماضی کی یادوں میں ہی تھا۔ سکندر نے بتایا کہ بڑی مشکل سے وقت نکالا ہے آج تو بہت رش تھا۔

''ایک بات تو بتاؤ سکندر۔''

''کیا بات؟'' سکندر نے چونکتے ہوئے کہا

''تمہیں رش اچھی لگتی ہے۔''

''یہ کیسا سوال ہے؟''

''سوال تو ہے بتانا پڑے گا۔''

''پہلے یہ بتاؤ یہ سوال تم نے کیوں کیا؟''

''کیا مطلب نہ کرتا۔''

''تم نے مجھے بلایا تھا اور یہ کیا سوال کیا ہے۔''

''اچھا یہ تو میں نے ویسے ہی پوچھا ہے دیکھو ناں ریسٹورنٹ میں بھی کتنا رش ہے۔''

''تمہیں رش پسند ہے۔'' اس مرتبہ سکندر نے سوال کیا۔

''مجھے پسند ہے تنہائی کچھ نہیں ہوتی سوائے انسان کو توڑ کر رکھ دینے سے۔''

''مائنڈ نہ کرو تو ایک بات کہوں۔''

''مائنڈ اور تمہاری بات۔'' ارمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن پہلے قول دو کہ تم مائنڈ نہیں کرو گے۔'' سکندر نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

ارمان خوشدلی سے بولا ''ٹھیک ہے نہیں کروں گا اب بتا بھی دو۔''

''چلو پہلے تم بتاؤ کہ تم نے کیوں بلایا تھا کہیں باتوں میں اصل بات رہ نہ جائے۔'' سکندر نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا

''نہیں سکندر یہ چیٹنگ ہے تم نے میرے پہلے والے سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔''

''کون سا پہلا سوال؟''

''یاد کرواتے بھولنے کب سے لگے ہو۔''

سکندر نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ذہن پر زور ڈالا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا دوبارہ لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے بولا' کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے مجھے کچھ یاد نہیں۔''

''اچھا جناب اگر میں یاد دلاؤں گا تو بل تمہیں دینا ہوگا۔'' ارمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے بتاؤ تو۔''

''تمہیں رش اچھی لگتی ہے۔'' ارمان نے شرارتاً کہا۔

''اچھا تو تمہاری سوئی وہیں اٹکی ہوئی ہے اور یہ ایک ہی سوال تھا پہلے اور دوسرے والی تو اس میں کوئی بات نہ تھی۔اس سے مجھے ایک لطیفہ یاد آیا ہے'' سکندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلو پہلے وہ سنا دو موڈ خوشگوار ہو جائے گا۔''

''ایک دفعہ ایک بہت ذہین انسان ہوتا تھا اس کی یادداشت غضب کی تھی''

''وہ تو ظاہر ہے ذہین جو تھا۔'' ارمان نے شرارتاً ٹوکتے ہوئے کہا۔سکندر کو خاموش دیکھ کر ارمان آہستگی سے بولا'' پھر چلو اب نہیں ٹوکوں گا۔''

''وہ بہت ذہین تھا آگے بولو ناں۔'' سکندر کو خاموش دیکھ کر ارمان نے کہا اور ارمان کا موبائل بجنے لگا وہ اٹھ کر باہر آ گیا۔

کچھ دیر بعد واپس آ کر بیٹھ گیا۔سکندر کھڑکی سے باہر مسلسل دیکھ رہا تھا۔ارمان کے پکارنے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ویٹر کے آنے پر دونوں نے مینو لکھوایا اور اس کے جانے کے بعد سکندر نے گھڑی دیکھتے ہوئے ارمان سے کہا'' تم نے جس لئے بلایا تھا پوچھو کھانے کے فوراً بعد مجھے تو جانا ہوگا مریض انتظار کرتے ہونگے۔''

''تم بہت لکی ہو سکندر۔''

''بس یار اللہ کا شکر ہے۔''

''تم افسردہ کیوں ہو گئے ہو دیکھو تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''سکندر بعض لوگ کتنے قسمت کے کمزور ہوتے ہیں ناں۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''نہیں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''دیکھو ارمان سب کی زندگی میں کہیں خوشیاں کہیں غم پریشانیاں اور تکالیف ہوتی ہیں تم جو مجھے قسمت کا سکندر کہہ رہے ہو تو تم میرے بچپن کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''کیا مطلب تمہارا بچپن سے ریکارڈ شاندار ہے۔''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر سکندر افسردہ ہو کر میز کی طرف دیکھنے لگا۔

''سکندر سچ میں مجھے نہیں اندازہ ہو رہا کہ تم کیا بات کر رہے ہوں۔ بالکل بھی نہیں۔ ارمان نے سکندر کو خاموش دیکھ کر بے تابی سے کہا

''تم نہیں سمجھو گے۔''

''کیوں تم بتاؤ کیا بات ہے؟''

''ارمان چلو آج تمہیں بتا دیتا ہوں جو میں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا۔''

''ہاں ضرور۔''

''لیکن یہ بات اپنے تک رکھنا۔''

''تم بالکل بے فکر رہو۔''

''صرف اس لئے تمہیں بتا رہا ہوں کہ کیونکہ تم اپنے دکھ کو سب سے بڑا دکھ سمجھ کر دوسروں کو بہت خوش نصیب سمجھتے ہو ایسا نہیں ہوتا سب کے دکھ ضرور ہوتے ہیں بس کچھ چہرے پر سجا کر افسردہ رہتے ہیں اور کچھ سینے میں دکھ لے کر چہرے پر مسکراہٹ سجا کر زندگی گزارتے ہیں۔''

''ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''شاید نہیں ارمان یہ حقیقت ہے۔''

''لیکن دکھ تو خود بخود چہرے پر نمودار ہوتے ہیں۔ چاہے کوئی چھپانے کی کتنی کوشش کرے۔'' ارمان نے بات کاٹتے ہوئے کہا

''تم کسی حد تک ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن سب نہیں بتاتے بہت سے لوگ جنہیں میں جانتا ہوں ایسے ہیں جن کی زندگی مصائب سے بھری پڑی ہے لیکن چہرہ ہشاش بشاش پتہ تک نہیں چلتا جب تک کہ وہ خود نہ بتائیں۔''

''وہ اپنی بات بتاؤ ناں۔''

ویٹر کے کھانا رکھنے کے دوران دونوں خاموشی سے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد سکندر نے ارمان سے کہا'' پہلے کھانا کھا لو پھر تمہیں تفصیلاً بتاؤں گا۔''

ارمان نے کھانا شروع کر دیا۔ دونوں کھانے کے دوران ہلکی پھلکی ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ کھانے کے بارے میں باتیں کرتے رہے کھانا کھانے کے بعد دونوں اٹھے ارمان نے سکندر کو یاد دلاتے ہوئے کہا

''ابھی کہاں ابھی تو تم نے بات بتانی ہے اور میں نے بھی جس مقصد کے لئے تمہیں بلایا تھا وہ ڈسکس کرنا ہے۔ فکر نہ کرو آج جلدی جان نہیں چھوڑوں گا۔''

ڈاکٹر سکندر نے گھڑی دیکھی اور موبائل نکال کر ڈاکٹر منصور کو فون ملایا۔

''آج میں بہت مصروف ہوں میٹنگ میں تم میرے کلینک چلے جاؤ دو گھنٹے کے لئے۔''

''کہاں میٹنگ ہے؟''

''وہ دوستوں کے ساتھ ہے ہاسپٹل میں نہیں ہے تم میرا کام کردینا مجھے دو گھنٹے لگ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے تم بے فکر ہو جاؤ میں چلا جاؤں گا۔'' منصور کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

ڈاکٹر سکندر نے شکریہ کہہ کر فون بند کر کے رکھتے ہوئے کہا

''آج تمہارے ساتھ وقت گزاروں گا تمہارے سارے گلے شکوے دور کروں گا اور کہیں پارک میں چل کر بیٹھتے ہیں۔''

دونوں پارک پہنچے اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر پارک میں گہما گہمی دیکھتے رہے پھر ڈاکٹر سکندر سے ارمان نے بات بتانے کو کہا۔

ڈاکٹر سکندر درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھنے کے بعد بولا

''تمہیں کبھی شک نہیں ہوا کہ میں اندر سے کتنا ٹوٹا ہوا ہوں۔'' ارمان نے لاعلمی سے سر ہلاتے ہوئے کہا ''نہیں تو کبھی شک بھی نہیں ہوا۔''

''اچھا تم نے کبھی سوچا ہے کہ جب ماں کی بات ہوتی ہے تو میں اتنا جذباتی کیوں ہو جاتا ہوں؟''

''نہیں تو یہ ٹاپک ہی ایسا ہے ہر کوئی ہو جاتا ہے۔'' ارمان نے مختصراً کہا۔

''چلو سنو کہ انسان کی اصل محرومی کیا ہوتی ہے؟''

ارمان متوجہ ہو کر سننے لگا اور ڈاکٹر سکندر سرد آہ لے کر بولا۔

''میں جب پیدا ہوا تھا تو ماں فوت ہو گئی تھی۔ ابو نے دوسری شادی کر لی تھی میں دادی کے ساتھ ہی وقت گزارتا تھا لیکن دادی تو بزرگ تھیں اور دوسرا سوتیلی ماں اللہ کبھی کسی جانور کو بھی نہ دے۔''

یہ کہہ کر سکندر ماضی میں کھو گیا ارمان حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر سکندر کا بچپن کتنا افسردہ ہوا ہو گا۔ ڈاکٹر سکندر کو ماضی میں غرق دیکھ کر ارمان خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا کہ واقعی ٹھیک کہتے ہیں۔

''زندگی پھولوں کی سیج نہیں۔''

Life is not a bed of roses

اسے مس کی بات یاد آ رہی تھی۔ ڈاکٹر سکندر سوچوں سے نکلتے ہوئے بولا۔

''ارمان اگر تم میرے بچپن کے چند ہفتے ہی دیکھ لیتے تو کبھی زندگی بھر مجھے خوش نصیب نہ سمجھتے بلکہ ہمیشہ مجھ پر ترس کھاتے میرے باقی رشتے داروں کی طرح۔''

ارمان خاموشی سے سکندر کی بات سن رہا تھا سکندر نے دکھ بھری آہ لیتے اپنی آنکھوں سے نمی صاف کرتے ہوئے کہا

''سوتیلی کو میں یہی کہوں گا کہ دن میں سوتیلیاں جلا کر دکھ دیتی ہے' سوتیلیاں سمجھو روزانہ جسم پر جلتی تھیں میرے۔ میں تمہیں کیا کیا بتاؤں تم

زندگی بھر دکھی رہو گے۔''

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد سکندر نے ارمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''تمہیں پتہ ہے میں کیوں تم سے زیادہ قریب ہوں اور کیوں تمہارے لئے وقت نکال کر ہمیشہ آجاتے ہو۔ یا یوں کہہ لو کہ مجھے تم کیوں اچھے لگتے ہو۔''

ارمان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں تو بس یہی سمجھتا ہوں کہ ہم اچھے دوست ہیں باقی سب کی طرح۔''

''نہیں ارمان میں ہمیشہ تمہارے لئے زیادہ وقت نکال کر آجاتا ہوں جیسے اب بھی۔''

''ہاں یہ تو ہے۔''

''اس لئے کہ تم نے بچے مائرہ کو دیئے ہیں ان کو اپنے پاس رکھ کر ان کو سوتیلی کے حوالے نہیں کیا۔

اتنا ظالم تو میں نہیں ہوں کہ ماں سے بچے الگ کرواتا جبکہ سارا قصور بھی میرا تھا۔

اور اگر قصور بھابی کا ہوتا تو تم کیا کرتے۔'' ڈاکٹر سکندر نے سوال کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں بچے ماں کے پاس ہی خوش رہ سکتے ہیں یہ مردوں کی بھول ہوتی ہے کہ ہم ساری سہولتیں بچوں کو دے رہے ہیں تو بچے بہت خوش رہیں گے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' ڈاکٹر سکندر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا

''سکندر تم خود ہی بتاؤ کیا بچہ کبھی ماں کے بغیر خوش رہ سکتا ہے۔'' ارمان نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں کبھی نہیں۔''

کچھ دیر رک کر سکندر مزید بولا۔ ''بچے ماں کے ساتھ کم سہولتوں میں تو خوش رہ سکتے ہیں لیکن بغیر ماں کے اگر پوری کائنات کی ہر چیز بھی ان کے قدموں میں لاکر رکھ دو تو ان کے چہرے پر کبھی کوئی خوشی نہیں آسکتی ہے۔''

''ہاں سکندر مجھے بچوں کو دیکھ کر ہی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ مائرہ کے ساتھ خوش ہیں میرا کبھی کبھار ملنا بھی ان کے لئے بہت ہے۔''

''ارمان تمہیں پتہ ہے کہ جن بچوں سے ان کی ماؤں کو الگ کر دیا جاتا ہے وہ بہت Short temper' افسردہ اور محروم ہوتے ہیں ان کے لئے کسی چیز میں کوئی خوشی نہیں ہوتی ویسی جیسی ماں باپ کے ساتھ رہنے والے بچے محسوس کرتے ہیں۔ چہکتے ہیں انجوائے کرتے ہیں۔''

''معلوم ہے میرا دوست ہوتا تھا کلاس میں بچپن میں اس کی ماں نہیں تھی اس کے ابو نے دوسری شادی نہیں کی تھی کیونکہ وہ تین بہن بھائی تھے اور باپ کا کہنا تھا کہ ان کو کسی قیمت پر سوتیلی کے حوالے نہیں کر سکتا۔ وہ باپ کے ساتھ خوش تھے لیکن اس طرح نہیں جیسے باقی بچے ہوا کرتے

تھے۔وہ کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے تھے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہوارمان ایسا انسان صرف اور صرف کھویا کھویا سا ہی رہتا ہے۔''

ذرا رک کر ڈاکٹر سکندر مزید بولا

''تمہیں کیا پتہ کوئی عید کوئی موقع یہاں تک کہ تقریب انعامات کے دن بھی ہر وقت یہی دکھ ہوتا تھا کہ کاش میری ماں زندہ ہوتی اور پتہ ہے میں ہر جگہ یہی سوچتا کہ اگر میری ماں زندہ ہوتی تو مجھے فلاں چیز لے کر دیتی میرے ساتھ جاتی میں اس کی گود میں بیٹھتا وہ مجھے پیار کرتی سچ میں ارمان ہر بن ماں باپ بچہ اپنے والدین کے لئے ترس کر رہ جاتا ہے اور کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔''

شام رات میں ڈھلنے لگی۔ڈاکٹر سکندر کو بہت افسردہ دیکھ کر ارمان نے اپنی بات بتانا مناسب نہ سمجھا اور یہی تجویز دی کہ آؤ کچھ شاپنگ کرنی ہے مارکیٹ چلتے ہیں۔ڈاکٹر سکندر اور دونوں رات گئے گھر پہنچے۔

صبح ارمان بہت دنوں بعد فریش محسوس کر رہا تھا۔آفس میں دن بھر مصروف رہا اور چھٹی کے بعد آفس سے واپس آ کر اپنے کام میں مصروف تھا کہ اس کی خادمہ فریدہ آئی اور دروازہ کھٹکھٹایا اس نے بیٹھے بیٹھے اندر آنے کو کہا۔فریدہ اندر آئی اور دو چھٹیوں کی درخواست دی۔ارمان نے پوچھا کیوں چاہیے آپ کو چھٹیاں پچھلے ہفتے بھی تو دو چھٹیاں کی تھیں۔

فریدہ مایوسانہ لہجے میں بولی''صاحب جی بس بچی بیمار ہے اس لئے اس کو ہسپتال لے کر جانا ہے۔''

ارمان کو فریدہ کے چہرے پر افسردگی دیکھ کر افسوس ہوا اور چھٹی کی اجازت دے دی ساتھ کچھ پیسے دیئے کہ علاج میں ضرورت ہو نگے۔

فریدہ نے پیسے لئے اور شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔

فریدہ کے جانے کے بعد ارمان کو اپنی ماں کا افسردہ چہرہ یاد آ گیا۔جب بچپن میں وہ بیمار ہوا تھا تو ماں باپ دونوں کس طرح اس کے آگے پیچھے رہتے تھے کس طرح اس کا خیال رکھتے تھے۔ماں کا پریشان چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔دن رات اسی کا خیال اوپر سے سارے گھر کا کام کس طرح کرتی تھیں۔پھر مائرہ کی یاد ستانے لگی کہ کس طرح وہ بھی جب بیمار ہوتا تھا تو پریشان ہو جایا کرتی تھی دن رات تیمارداری کرتی تھی اور بچوں کا دن رات خیال کرتی تھی لیکن اس کے باوجود اس کے ساتھ غصہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کیسے کرتا جس سے وہ رنجیدہ ہو جاتی تھی۔ورنہ اس کے علاوہ تو مائرہ کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچی تھی۔صرف ایک بہن ہما ہی آ جاتی تھی کبھی کبھار ورنہ باقی تو نہ آتے جاتے تھے۔آتے جاتے کیسے وہ سب ناراض تھے اور شاید اس کا غصہ مائرہ سے اسی وجہ سے تھا کہ اسی کی خاطر ہی اس نے سب کو چھوڑا تھا گھر والے سب اسی کی وجہ سے اس سے ناراض تھے کیونکہ اس کے والدین نے اس کی منگنی بچپن سے ہی اپنی بھتیجی عابدہ سے کر دی تھی لیکن ارمان کو عابدہ ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔اس کے برعکس مائرہ جو ہر لحاظ سے خوبصورت اور سلیقہ شعار تھی وہ ارمان کو بہت پسند تھی ارمان گاہے بگاہے بہانوں سے اس کے گھر آتا رہتا تھا۔سب کو اس کی پسندیدگی کا معلوم ہو چکا تھا کیونکہ مائرہ اسی محلے میں رہتی تھی۔یہاں تک کہ جب انہوں نے گھر تبدیل کر لیا تھا تب بھی آنا جانا بدستور جاری تھا۔جب گھر والے کسی صورت راضی نہ ہوئے تو کڑا فیصلہ کر لیا کیونکہ ارمان کے لئے مائرہ کو چھوڑنا ممکن نہ تھا۔وہ یہاں بھی اپنی عادت سے ہی مجبور ہوا کیونکہ یہ اس کی

عادت تھی کہ جو چیز اسے پسند آ جاتی تھی وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرتا تھا چاہے اس کے لئے اسے کتنی ہی تگ ودو کرنی پڑے۔اور جو چیز اسے پسند نہیں ہوتی تھی وہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا بھی نہ تھا۔ماں باپ نے اس کی عادت بدلنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن بے سود۔

آخر کار اس معاملے میں بھی ارمان نے وہی کیا جس کا ماں باپ کو ڈر تھا ارمان نے سب کچھ چھوڑ کر مائرہ کو اپنا لیا تھا۔ماں باپ کو اس کے اس فعل کا بہت دکھ ہوا تھا جس وجہ سے ارمان بھی ماں باپ کو یاد کر کے افسردہ ہو جاتا تھا اور ماں باپ کی قدر اس کو ماں باپ کھو کر ہوئی تھی۔شاید یہی وجہ تھی جس وجہ سے وہ مائرہ جیسی اچھی صورت سے زیادتی کرتا تھا کیونکہ والدین کی ناراضگی کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر آسودہ نہ تھا۔وہ سوچتا تھا اکثر کہ

''ماں باپ کی دعائیں ہی زندگی کو رنگ عطا کرتی ہیں اور کامیابی کی ضامن ہوتی ہیں اور ان کی ناراضگی کی وجہ سے ہی زندگی ویران اور خزاں دیدہ پتے جیسی ہو کر رہ گئی ہے۔ہر وقت اداسی اور بے سکونی مقدر بن گئی ہے۔''

اب ارمان نے اپنے آپ کو بہت مصروف کر لیا تھا تا کہ اس کو تنہائی تنگ نہ کرے۔مصروفیت نے اس پر اچھا اثر ڈالا۔زیادہ وقت آفس میں کام کرتا شام کو دوستوں کے ساتھ ضرور وقت پاس کرتا اور رات دیر سے گھر آ کر کھانا کھا کر سو جاتا۔ایک دن چھٹی کے دن ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا چینل بدل بدل کر دیکھ رہا تھا کہ فریدہ کام کرنے آئی اس کے ساتھ بچی تھی۔ارمان کو بچی نے سلام کیا۔اس نے بچی کو پیار کیا اور نام پوچھا تو بچی معصومیت سے بولی''مریم۔''

ارمان کو بہت اچھا لگا اس کو پیسے دیئے اور فریدہ سے پوچھا یہ آپ کی بیٹی ہی بیمار تھی فریدہ نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی۔

''جی صاحب جی یہی بیمار تھی۔''

ارمان نے دوبارہ پوچھا''کیا ہوا تھا اس کو۔''

''جی اسے نمونیا ہو گیا تھا۔''فریدہ نے کام جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔ارمان حیرت سے بولا''گرمیوں میں نمونیا۔''

''ہاں صاحب جی گرمیوں کا نمونیا زیادہ سخت ہوتا ہے۔''فریدہ نے کام روک کر جواب دیا۔

ارمان نے ایک نظر بچی کو دیکھا اور کچھ دیر خاموش رہا۔فریدہ ڈسٹنگ کرتے ٹیبل کی طرف آ بڑھی تو ارمان نے اسے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔فریدہ کو یک دم جیسے کرنٹ لگا اور ڈرتے ڈرتے بیٹھ گئی۔ارمان نے افسردگی سے پوچھا''فریدہ کیا آپ کے حالات ہمیشہ سے ایسے ہی تھے۔''

فریدہ ماضی میں جھانکتے ہوئے آہ بھر کر بولی''نہ جی صاحب جی نہیں ایسا نہیں ہوا۔''

میں ماں باپ کے گھر کی لاڈوں میں پلی تھی مزاجاً بہت ہی تیز اور کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔اب مجھ کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں وہ والی فریدہ ہوں بس جی حالات کے درپہ در تھپیڑوں نے یہ حال کر دیا ہے۔

ارمان کو تجسس ہوا کہ جانے کہ یہ کیا ہے؟اس نے پوچھا

''فریدہ پھر اس حال تک کیسے آپ؟''

فریدہ ارمان کے منہ سے آپ پر کچھ حیران ہوئی پھر بولی صاحب جی یہ ایک لمبی داستان ہے سننے والے کو کبھی کبھی یقین نہیں آتا لیکن حقیقت یہی ہے۔''

کچھ دیر رک کر فریدہ نے اپنی داستان مختصراً بیان کی۔ سر جی میں نے آپ کو تو بتایا نہ کہ میں امیر گھرانے کی تھی اور بس عادات ہی بگڑی ہوئی تھیں کسی کو کچھ نہ سمجھنا' کسی کی بات نہ ماننا' کسی کی عزت نہ کرنا' بس جی ضدی پن حد سے زیادہ تھا۔ ماں باپ بیچارے بہت سمجھاتے لیکن کہاں سمجھ آتی ہے ٹھوکریں کھائے بغیر۔ بہن بھائی چھوٹے تھے لیکن میں ان کو بھی خاطر میں نہ لاتی تھی۔ جب بڑی ہوئی تو اللہ بخشے میرے ساس سسر کو وہ ہمارے گھر رشتہ لے کر آئے بہت امیر اور اچھے لوگ تھے میرے ماں باپ نے فوراً ہاں کردی۔ حنان میرا شوہر بھی اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا وہ بھی ناز و نعمت میں پلا بڑھا تھا والدین اس کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے اور اس کی ہر خواہش کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اسی لئے مجھے انہوں نے بہو بنایا کیونکہ سر جی میں بہت خوبصورت تھی۔

فریدہ جیسے جیسے اپنی بات بیان کر رہی تھی ارمان کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا اور فریدہ بیان کرتی جا رہی تھی۔

سر جی ان کا بیٹا حنان بہت خوبصورت تھا اسی لئے وہ خوبصورت بہو کی تلاش میں ہمارے گھر آئے شادی ہوگئی کیونکہ میں بھی ضدی اور کسی کو خاطر میں نہ لانے والی تھی اور پہلے بھی پیسے کی ریل پیل کی وجہ سے مزاج بھی کچھ عجیب ہی تھا گویا کہ ماں سمجھایا کرتی تھی کہ سسرال میں ایسا مزاج نہیں چلتا لیکن صاحب جی اس وقت ماں باپ کی باتیں بہت بری لگتی تھی۔ یہی رویہ سسرال میں رہا نہ ساس کو انسان تک سمجھا اور نہ سسر کی پرواہ کی۔ ماں باپ تو دور کی بات ان کو کبھی کچھ سمجھا ہی نہیں تھا یہی وجہ بس تباہی کا سر جی سبب بن گئی۔ پہلے ساس میرے رویے سے تنگ آ کر بیمار ہوئی لیکن میں نے پرواہ نہ کی اس کو کچھ نہ سمجھا اگر سمجھتی تو خیال رکھ لیتی لیکن صاحب جی وہ بیچاری چپ چاپ بیمار پڑی کڑھتی رہتی لیکن مجھے خیال رکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ صاحب جی پکی بات ہے کہ اگر میں اس وقت اس کا خیال رکھ لیتی تو آج میں دوسروں کے گھر کی نوکرانی نہ ہوتی بلکہ میں ملکہ والی زندگی گزارتی آخر کار وہ حنان کی ماں تھی تو میرا بھی فرض تھا کہ اس کی خدمت کروں لیکن ٹھوکریں مقدر میں ہوں تو کون ایسا کرتا ہے آج میں اپنے کئے کا بھر رہی ہوں تو پتہ چلا ہے۔''

صاحب جی اس دکھ کو دل میں لئے ساس چل بسی تو سسر بھی میرے اس طرح کے ناروا رویے اور سلوک سے نالاں رہتے تھے جس وجہ سے وہ بھی بیمار رہنے لگے لیکن مجھے کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ بھی بے انتہا تنگ رہتے تھے۔ ایسا رویہ وہ بھی نہ برداشت کر سکے اور اس عمر میں بیماری میں بھی خیال نہ رکھا گیا تو وہ بھی جلد ہی دنیا سے چل بسے بس صاحب جی فریدہ نے ماضی میں جھانکتے ہوئے مزید کہا اس نے لمبی آہ لی اور مزید بولنے لگی۔

بس صاحب جی پھر نہ پوچھیں کہ کیا ہونے لگا بس یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی بے آواز لاٹھی گھوم گئی۔ دن رات نقصان ہونا شروع ہوگیا۔ حنان کا کاروبار بیٹھنے لگا۔ کچھ دیر رک کر فریدہ بولی

''اللہ کی پکڑی بڑی سخت ہوتی ہے۔ سر جی اللہ کی لاٹھی واقعی بے آواز ہوتی ہے۔''

بس سر جی اپنے کئے کا کاٹنے کا سلسلہ شروع ہوگیا ہر طرف سے نقصان بے برکتی نے گھر میں ڈیرے ڈال دیئے۔

تنگدستی نے جیسے گھر کی راہ دیکھ لی تھی۔کھانے کے لئے روٹی کے لالے پڑ گئے بچوں کو سکول سے ہٹانا پڑا بس صاحب جی پھر نہ پوچھیں گھر کا سامان فروخت ہونا شروع ہوا تو پھر گھروں میں کام شروع کر دیا کہ گھر تو بچ جائے گھر کو چلانے کے لئے پیسے چاہیے ہوتے ہیں کچھ حصہ کرائے پر دے دیا اور خود دو کمروں میں شفٹ ہو گئے۔گاڑی فروخت ہو گئی۔یوں سمجھیں کہ ہر اچھی چیز نے ہی منہ موڑ لیا کچھ نہیں رہا۔عزت' رزق اور ہر خوشی ہم سے روٹھ گئی۔

تب مجھے اپنے کئے کا احساس ہوا اور اس وقت ہوا جب سب کچھ کھو دیا تب سے محنت شروع کی تاکہ مزید کچھ نہ بکے حنان بھی پریشان رہتا ہے بس سرجی اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ اونچی پرواز رکھنا برا نہیں ہے بلکہ اونچی اڑان میں کسی دوسرے کا استحصال کرنا برا ہے۔الٹی ادائیں انسان کو مٹی میں ملا کر رکھ دیتی ہیں ہر خوشی کو دکھ میں بدل کر رکھ دیتی ہیں۔فریدہ کہے جا رہی تھی اور ارمان حیرت سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔فریدہ کچھ رک کر مزید بولی سرجی

ہر وقت امارت کا گھمنڈ غربت میں بدل جاتا ہے۔جو کسی کو کچھ نہیں سمجھتا وہ جلد سب کی نظروں میں گر جاتا ہے۔غرور تکبر اور اکڑ سب کچھ انسان کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔خوشیوں کو دکھ میں بدل دیتا ہے۔

سرجی انسان جو کچھ مرضی سمجھے لیکن یہ سچ ہے کہ انسان اپنے کئے کا بھرنا ضرور ہے۔

ارمان فریدہ کی داستان سن کر ہکا بکا رہ گیا۔فریدہ سنا کر اٹھ کر چلی گئی اور ارمان ماضی میں کھو کر رہ گیا۔اور سوچنے لگا کہ اپنی تباہی اور ویرانی کا بھی تو ذمہ دار میں خود ہی ہوں۔شروع سے ہی والدین' اساتذہ یہاں تک کہ سب دوست ہی تو ٹوکا کرتے تھے کہ ہر خواہش پوری نہیں ہوتی اور ہر چیز ہر انسان حاصل نہیں کر سکتا اس لئے ہر بات پر غصہ نہ کیا کرو اور نہ ہر چیز کے لئے ضد کیا کرو۔یہ عادت انسان کو تباہ کر دیتی ہے اور تنہا کر کے رکھ دیتی ہے۔اور ناکامی کا سبب بن جاتی ہے

سب ہی تو سمجھایا کرتے تھے لیکن وقت پر کسی کی کوئی بات تو سمجھ میں نہیں آتی اس لئے تو ٹھوکریں مقدر بن جاتی ہیں۔اس کا رویہ یہی رہا کہ ہر بات میں اپنی کرتا اب ماں کی نصیحتوں کی بازگشت بار بار اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ماں کا چہرہ بھی ان کی آواز کی گونج کے ساتھ آ سامنے کھڑا ہوا نصیحتیں با آواز بلند ذہن پر دستک دینے لگیں کہ بیٹا صرف اپنی منواتے جانا اور کسی کی نہ سننا اچھی عادت نہیں ہے۔بیٹا زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آتے ہیں جہاں دوسروں کی رائے کا احترام کرنا پڑتا ہے اپنی خواہشات کو کچل کر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ورنہ بہت نقصان ہو جاتا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہوتی۔''

ماں کا پیار بھرا چہرہ سامنے پا کر آنسو خود بخود رواں ہو گئے۔وہ آنسو پونچھتے ہوئے اعتراف کرنے لگا کہ ماں سے زیادہ کوئی ہستی پیار کرنے والی اور پر خلوص ہو ہی نہیں سکتی کچھ دیر رک کر بولا ''ماں'' تم کتنا کہا کرتی تھی کہ بیٹا غصہ نہ کیا کرو یہ ایک چنگاری ہوتی ہے جو آن ہی آن میں سب کچھ جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔''

وہ یہ جملہ بار بار دہرا کر مایوسی سے بولا

'آج اتنی حد سے بڑھی ہوئی افسردگی اور تنہائی بھی تو غصے کا نتیجہ ہے ہر کام میں جلد بازی اور بھڑک اٹھتا تھا۔

اپنا بھرا ہوا گھر اسی غصے کی وجہ سے ویران کر دیا مائرہ اس کی یادوں میں کود آئی۔

مائرہ کا ہنستا مسکراتا اور دلکش چہرہ اس کو ماضی میں لے گیا۔کتنی پر وقار شخصیت کی مالک تھی اور کتنا عرصہ اس نے اس کے ساتھ غصہ بات بات پر کیا لیکن کبھی نہ بولی۔اسے ایک ایک کر کے باتیں یاد آنے لگیں۔اس کا قصور کیا تھا کہ میں اسے غصہ کرتا تھا وہ ماضی میں جھانکتے ہوئے سوچ رہا تھا۔اسے مائرہ کے ساتھ ایسا کرنے پر کوئی روکنے والا بھی تو نہ تھا کیونکہ سب ہی ناراض تھے صرف ایک بہن کبھی کبھار آ جاتی اور مائرہ اس کا کتنا خیال رکھتی تھی اس کے بچوں کو تحائف بھی دیا کرتی تھی۔ان کے آنے سے کتنا خوش ہو جاتی تھی سسرال کے سب لوگوں کے بارے میں پوچھا کرتی تھی کتنی خواہش تھی اس کی سب سے ملنے کی اور اسے یقین تھا کہ ایک روز وہ ضرور سب سے ملے گی۔واقعی اس نے میرا اتنے سال تلخ رویہ اور غصہ برداشت کیا اور صرف ایک مرتبہ اس کے جواب دینے پر اتنا غصہ کے تین لفظ بول کر اپنا گھر برباد کر ڈالا۔اپنی زندگی ویران کر دی۔اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ہم مرد بھی کتنے ناانصاف اور کوتاہ عقل ہوتے ہیں ساری زندگی عورت کو ستاتے نہیں تھکتے لیکن اگر بیوی آگے سے کرارا سا جواب دے دے تو وہ برداشت نہیں کر پاتے۔"

اسی لئے تو بعد میں پچھتاتے ہیں اور ہم عورتوں کو ان کی بے گناہی اور خدمت کا کیا اچھا صلہ دیتے ہیں۔جیسا کہ میں نے مائرہ کو دیا چلو مجھے اپنی غلطی کا احساس تو ہوا تھا اسی لئے بچے بھی خرچے سمیت اس کو دے دیئے ہیں۔لیکن میں نے تو اپنے لئے تنہائی کا سامان خوب کیا وہ بہت دیر انہی سوچوں میں بیٹھا رہا اور اپنے آپ سے کہنے لگا "خوب اچھا صلہ دیا مائرہ کو اتنے سال کی خدمت کا اس کو معاشرے میں رسوائی اور دکھ دے دیئے وہ کچھ سوچ کر اٹھا اور آئینے میں دیکھتے ہوئے بولا

مائرہ کو ہر کسی کے سوالوں سے کتنی اذیت ہوتی ہوگی وہ بے قصور کیا جواب دے گی۔لوگ تو عورت کو ہی قصوروار سمجھتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی معصوم قربانیاں دینے والی اور وفادار ہو۔واپس بیٹھ کر خاموشی سے ڈیکوریشن پیس کی طرف دیکھنے لگا۔کچھ دیر دیکھنے کے بعد ہلکی سی مسکراہٹ سے بولا

"ہم مرد لوگ عورت کو کیا ڈیکوریشن پیس سمجھتے ہیں خوبصورت گھر لا کر سجاتے ہیں دل بھر جائے تو چھوڑ دیتے ہیں یا سائیڈ پر رکھ کر دوسری لے آتے ہیں۔یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ جیتی جاگتی انسان ہیں وہ ڈیکوریشن پیس نہیں ہیں ان کے منہ میں زبان کھوپڑی میں سوچنے سمجھنے کے لئے دماغ اور دیکھنے سننے چلنے پھرنے کی صلاحیت ہے۔ان کے دماغ کی وجہ سے وہ جانوروں سے بلند ہیں لیکن ہم کہیں عورتوں سے جانوروں جیسا سلوک کرتے ہیں تو کہیں ڈیکوریشن پیس جیسا اور جاہل لوگ تو پاؤں کی جوتی بھی سمجھ لیتے ہیں۔

شاید ہم ان کو بلکہ یقیناً ہم ان کو ان کا جائز مقام نہیں دیتے اس لئے خود بھی تکالیف پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں۔

مائرہ جیسی بیوی تو قسمت والو کو ملتی ہے لیکن پتہ نہیں کیسے کھو دیا۔کتنی مشکل سے مائرہ نے اپنے گھر والوں کو راضی کیا تھا کیا کیا تردد نہیں کیا تھا بیچاری نے کتنی تکالیف سہی تھیں بھابیوں کی سو سو باتیں روزانہ سنی اور ماں باپ کو سال بھر منوایا اور یہ سب میری خاطر تھا۔

☆......☆......☆

دروازے پر بیل بار بار بج رہی تھی جو کہ ارمان کو یادوں سے جھنجھوڑنے کے لئے کافی تھی۔ سمیر نے آ کر بتایا کہ رحمان صاحب آئے ہیں ارمان نے بیل دیر تک بجنے کی وجہ پوچھی تو سمیر نے بتایا کہ چوکیدار کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ کوارٹر میں آرام کرنے گیا ہے اس لئے جاتے جاتے دیر ہوگئی۔ ارمان اٹھا اور نیچے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

ارمان اور رحمان ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ملے حال احوال پوچھا اور آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

رحمان نے ارمان سے اس کی طبیعت کے بارے میں پوچھا ارمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔''اب بالکل ٹھیک ہوں'۔

رحمان نے گلہ کرتے ہوئے کہا''تم نے کسی کو کیوں نہ بتایا۔''

ارمان قہقہہ لگا کر بولا''فارگاڈ سیک یار! انسان بیمار ہو جاتا ہے کیا بتائے یہ تو لگا رہتا ہے بس میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو پریشان کروں اس لئے نہ بتایا۔''

رحمان مسکراتے ہوئے بولا''عجیب بات کی ہے دوستوں کو بتانا ان کو پریشان کرنا ہے۔''

ارمان تیزی سے بولا''اچھا اب جانے دو کیا تم لڑنے آئے ہو؟''

رحمان سرہلاتے ہوئے بولا''ہاں ارادہ ایسا ہی تھا لیکن چلو تمہیں معاف کیا کیا یاد رکھو گے۔''

ارمان شرارتاً بولا''چلو نوازش آپ کی احسان آپکا اور کہیں تو اور کچھ آپکی شان میں کہوں۔''

رحمان بھی جواباً بولا''تم نے کہوں کیوں کہا عرض کریں کہنا چاہیے تھا۔''

ارمان کو ہنستے دیکھ کر رحمان بھی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد دونوں کا موڈ خوشگوار ہو گیا۔

رحمان نے پوچھا کہ''آفس کب سے جاؤ گے؟''

ارمان بے دلی سے بولا''ابھی ایک دو دن بعد دیکھوں گا۔ ابھی طاقت نہیں ہے۔''

رحمان تسلی دیتے ہوئے بولا''ابھی دو تین نہیں پورا ہفتہ ہی ریسٹ کرو جب مکمل طور پر ٹھیک ہو جاؤ چلے جانا سب ہیں سنبھال لیں گے بس تم صحت کی طرف توجہ دو اور آفس کا خیال ذہن سے کچھ دن کے لئے نکال دو۔''

ارمان نے آہستگی سے کہا''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو ابھی تو مجھ میں اتنی طاقت بھی نہیں ہے کام نہیں کر سکتا یکدم لگتا ہے بہت کمزوری ہے۔''

رحمان نے بچوں کے بارے میں پوچھا اور ارمان کے چہرے پر دیکھتے ہی دیکھتے افسردگی چھا گئی جیسے اوس پڑ گئی ہو وہ کچھ دیر خاموش رہا اور بولا''کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ بہت یاد آ رہے ہیں۔''

رحمان کچھ دیر رک کر پوچھنے لگا۔''اور مائرہ سے ملاقات ہوئی کیا حال ہے اس کا؟''

ارمان نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا''نہیں مائرہ سے ملاقات نہیں ہوئی بس بچوں سے کبھی کبھار سکول کے باہر ہو جاتی ہے یا کسی پارک وغیرہ میں ہو جاتی ہے۔''

رحمان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا" تمہیں مائرہ سے تو ملنا چاہیئے بچوں کے حوالے سے بات کر سکتے ہو اور سنا ہے وہ بہت مشکلات کا شکار ہے۔"

ارمان چونک گیا اور بولا" مشکلات کیسی مشکلات؟"

رحمان سمجھاتے ہوئے آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر بولا" دیکھو تم جانتے ہو کہ مائرہ نے سب کو ناراض کر کے تم سے شادی کی تھی۔" ارمان حیرت سے بولا" یہ تو ہے لیکن مشکلات کیسے اور کیوں؟"

رحمان لمبی آہ لیتے ہوئے بولا" اسی وجہ سے ہی اس کو ہر روز ڈھیروں باتیں سننا پڑتی ہیں اور طعنے سہنا پڑتے ہیں۔"

ارمان سر پکڑ کر بولا" او آئی سی یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا میں تو بس اپنے دکھوں اور پریشانیوں کو روتا رہا۔"

رحمان سچویشن دیکھتے ہوئے کچھ دیر خاموش رہا ارمان خود ہی مایوسی سے بولا۔

" طلاق یافتہ کو تو ویسے بھی دنیا جینے نہیں دیتی۔ چاہے اس کا قصور نہ بھی ہو اور مائرہ نے تو لڑ جھگڑ کر شادی کی ہوئی تھی اور کہہ کر ارمان خاموش ہو گیا۔"

ارمان کو افسردہ دیکھ کر رحمان نے سوری کر دی کہ تم بلاوجہ میری وجہ سے پریشان ہو گئے۔"

ارمان نے سر جھٹک کر کہا" نہیں رحمان تم نے ٹھیک کیا پتہ نہیں میں نے اس بارے میں پہلے کیوں نہ سوچا تھا۔"

رحمان افسردگی سے بولا" ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے پلیز تم ریسٹ کرو میں چلتا ہوں۔"

ارمان جلدی سے بولا نہیں نہیں جا سکتے ابھی چائے آنے والی ہے اور تم بتاؤ کہ بھابی اور کیا بتاتی ہیں"

رحمان بات بدلنے کے موڈ میں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ سمیر چائے کے ساتھ کباب' کیک اور سموسے لے آیا۔ دونوں نے چائے پی اور چائے کے دوران رحمان نے موضوع بدل دیا اور دونوں کا موضوع گفتگو سیر بن گیا۔ کافی دیر بیٹھے رہنے کے بعد ارمان نے رحمان سے رات کھانے تک رکنے کے لئے آمادہ کر لیا اور سمیر سے کہا کہ اچھا کھانا بنائے رحمان بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ اور رحمان نے شرارتاً کہہ دیا کہ ارمان کے لئے پرہیزی ہی بنایئے گا اس پر دونوں ہنس دیئے۔ کھانا آنے تک دونوں پرانے دوستوں کے بارے میں باتیں دل کھول کر کیں۔

کھانے کے دوران ارمان نے دل کھول کر کھانا کھایا رحمان نے بہت مرتبہ ٹوکا لیکن ارمان نے تو ٹھان لی کہ آج اتنے دنوں کی کسر نکالے گا۔

رحمان زور سے ہنس کر بولا" تم اس طرح کی پرہیز روزانہ کرتے ہو گے"

ارمان مسکراتے ہوئے کھانا جاری رکھتے ہوئے بولا

" سچ میں تم سمیر سے پوچھ لو ایسا بالکل نہیں ہے۔ بس آج بہت دنوں بعد ایسا کر رہا ہوں ورنہ مکمل پرہیز کرتا ہوں۔" رحمان شرارت سے بولا۔

" یقین کیسے آئے آج یہ صورتحال دیکھنے کے بعد۔"

ارمان بے نیازی سے بولا" جناب کون آپ کو یقین دلا رہا ہے نہ کریں یقین۔"

رحمان طنز کرتے بولا۔ ''بھئی آنکھوں کے سامنے یہ حال اور پیٹھ پیچھے کیا ہوتا ہے کیسے مان جائیں؟''

ارمان افسردگی سے بولا''رحمان کبھی تم نے پرہیز کی ہے۔''

رحمان ماضی میں جھانکتے ہوئے بولا''ہاں یار کی تھی بلکہ یوں کہو کرنی پڑی تھی بہت مشکل ہوتی ہے۔'

ارمان تائید کرتے ہوئے بولا''مشکل نہیں یار بہت مشکل ہوتی ہے تم یقین کرو پھیکے کھانے کو دل نہیں کرتا ایسے لگتا ہے صدیوں سے ہی کچھ نہیں کھایا ہے۔''

رحمان منہ بناتے ہوئے بولا''اور کھانے کا جی کب رہتا ہے۔''

یہ کہہ کر رحمان زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا اور ہنستے ہوئے بولا''تو جناب مجھے باتوں میں لگا کر خود بد پرہیزی کرتے جا رہے ہیں بہت وہ ہو سچ میں۔''

ارمان ہنستے ہوئے بولا''سچ میں اتنے دن بعد پیٹ بھر کر کھا رہا ہوں وہ کھانے کا دل ہی نہیں چاہتا بس چند لقمے۔''

رحمان سنجیدگی سے بولا''پرہیز ضروری بھی ہوتی ہے۔''

ارمان بیزاری سے بولا''کرتا تو ہوں۔''

دونوں ٹشو سے ہاتھ صاف کر کے اٹھ کھڑے ہوئے ارمان بیسن کی طرف گیا ہاتھ دھو کر تولیے سے پونچھتے ہوئے بولا۔

''کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے ضرور چاہئیں۔''

رحمان سر ہلاتے ہوئے بولا''ٹھیک کہہ رہے ہو یہی حفظان صحت کے مطابق ہے اور جراثیموں سے بھی بچت ہوتی ہے۔''

دونوں واپس ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے ارمان نے حیرت سے پوچھا۔

''رحمان وہ آپ پرہیزی کی بات کر رہے تھے کیا ہوا تھا جو پرہیز کرنی پڑ گئی تھی۔''

رحمان ماضی میں جھانکتے ہوئے بولا''بس اچانک ہی پاخانے میں خون آنا شروع ہو گیا تھا۔''

ارمان بات کاٹتے ہوئے بولا''وہ بواسیر کی وجہ سے۔''رحمان نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا''او نہیں وہ نہیں تھی وہ اندر سے آ رہا تھا۔''

ارمان حیرانگی سے رحمان کو دیکھنے لگا۔ جو بولتے ہوئے چپ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر رک کر رحمان دوبارہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا''وہ اندر سے آتا تھا جب ڈاکٹر نے مکمل چیک اپ کیا تو بتایا کہ پرانا السر ہے۔''

ارمان کچھ سوچتے ہوئے بولا''لیکن السر میں تو درد ہوتا ہے ایسا تو نہیں ہوتا۔''

رحمان آہستگی سے بولا''تھا تو یہی ایک گولی صبح ناشتے سے پہلے دی اور بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔''

کچھ دیر رک کر رحمان مزید خود ہی بولا''اس وقت پرہیز بہت ہی کڑی کرنی پڑ گئی تھی اور پورا مہینہ کی بھی تھی۔''

ارمان لمبی سانس لیتے ہوئے بولا''کرنی بھی چاہیے اور ایسے مواقع پر تو خاص طور سے ورنہ تو ٹھیک ہونا ہی مشکل ہو جائے۔''

رحمان آنکھ نیچے کرتے ہوئے بولا" کی تھی اسی لئے تو توبہ کرتا ہوں بہت مشکل ہے پرہیز کرنی۔"

ارمان مسکراتے ہوئے" زبان سے تو ذائقہ ہی ختم ہو جاتا ہے ایسا لگتا ہے کہ پتہ نہیں کب سے کچھ نہیں کھایا۔"

رحمان ٹائم دیکھتے ہوئے بولا" یہ بھی تو بڑی نعمت ہے جس کا ہم کبھی نوٹس ہی نہیں لیتے کہ اچھا کھانا کھانے کی توفیق کتنی بڑی نعمت ہے۔"

ارمان تائید کرتے ہوئے" ہاں سچ کہا ہے بے ذائقہ چیزیں کھانے سے ایسے لگتا ہے جیسے زندگی ہی بے رنگ سی ہوگئی ہو۔"

رحمان اٹھتے ہوئے بولا" اب چلنا چاہی بہت دیر ہوگئی ہے۔"

ارمان نے چائے پی کر جانے کے لئے اصرار کیا اور رحمان بیٹھ گیا۔

ارمان ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بے تابی سے بولا" ایک بات پوچھوں مائنڈ نہ کرو تو۔"

ارمان التجائیہ انداز میں بولا

"ہاں ارمان پوچھو۔"

رحمان نے آہستگی سے کہا

"اور بتاؤ نا کچھ بھابی کیا کہتی ہیں مائرہ کو کیا کیا مشکلات ہیں۔'

ارمان نے نیچے دیکھتے ہوئے شگفتگی سے پوچھا۔

"ایک بہترین مشورہ دوں تم خود کبھی ملنے کے لئے کسی ریسٹورنٹ میں بلاؤ اور پوچھ لینا۔"

رحمان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا

ارمان لمبی سانس لے کر بیٹھ گیا۔

سمیر چائے لے کر آیا اور ٹیبل پر رکھ کر چلا گیا۔

"تمہیں چائے کی پرہیز نہیں ہے۔"

رحمان نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو۔ڈاکٹر نے ایسا نہیں کہا۔"

ارمان نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو اچھا ہوا ورنہ تو مشکل ہو جاتی۔"

رحمان نے کہا" ہاں چائے دو مرتبہ تو ضرور پی لیتا ہوں۔"

ارمان نے بتاتے ہوئے کہا

"چائے کا نشہ بھی کافی طاقتور ہوتا ہے چھوڑنے کے لئے کوشش کرو چھٹتا تو نہیں ہے۔"

رحمان نے چائے پیتے ہوئے کہا

"ہاں یہ تو ہے۔"

ارمان نے ہنستے ہوئے کہا

کچھ دیر رک کر" کتنے کپ دن میں چائے پی لیتے ہیں۔"

ارمان نے پوچھا۔

دو تو ضرور پیتا ہوں اور کہیں آنا جانا ہو جائے تو زیادہ بھی ہو جاتے ہیں۔"

رحمان نے اطمینان سے جواب دیتے ہوئے کا

"اور کافی بھی لیتے ہیں۔"

ارمان نے مزید پوچھا۔

"نہیں گرمیوں میں تو نہیں لیکن سردیوں میں تو ضرور لیتا ہوں۔"

رحمان نے وضاحت کے ساتھ جواب دیتے ہوئے کہا۔

"سردیوں میں تو کافی ضرور پینی چاہیے۔"

ارمان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں"

رحمان نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لئے کہ ٹھنڈک بہت بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔"

ارمان نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں وہ تو ہے اسی لئے تو سردیوں میں سارے ڈرائی فروٹ استعمال کئے جاتے ہیں اور سب ہی سردی کی بہت بہترین غذا ہیں۔"

رحمان نے وضاحت سے بیان کرتے ہوئے کہا۔

ارمان افسردگی سے نیچے دیکھنے لگا۔ دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔

رحمان اس طرح ارمان کو افسردہ دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ کافی دیر یہی سلسلہ چلتا رہا۔

رحمان نے کوئی بات نہ کی اور حیرت سے ارمان کو دیکھ کر دلی دل میں غمگین ہو گیا۔

کافی محو رہنے کے بعد ارمان نے اوپر نظر اٹھاتے ہوئے رحمان سے سوری کی۔

رحمان نے جواب میں کچھ نہ کہا۔

ارمان ہونٹ چباتے ہوئے گھڑی دیکھنے لگا۔

''کیا سوچ رہے تھے؟''

رحمان نے سوال کرڈالا۔

''کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں۔''

ارمان نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

''اتنا مت سوچا کرو خوش رہا کرو۔''

رحمان نے صاف الفاظ میں کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ایسا کچھ نہیں ہے۔''

ارمان نے آہستگی سے کہا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔''

رحمان نے بات سمیٹتے ہوئے کہا۔

دونوں مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔رحمان نے وقت دیکھتے ہوئے کہا''اب اجازت دو پھر کسی دن آؤں گا۔''

ارمان نے سرہلاتے ہوئے کہا''ضرور جب وقت ملے آجایا کرو۔''

رحمان کو الوداع کرنے کے بعد ارمان اپنے کمرے میں آ گیا۔ٹیبل پر پڑی فائل اٹھا کر دیکھنے لگا۔یکا یک اسے رحمان کی بات یاد آ گئی۔فائل بند کر کے رکھ کر کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔باہر کے مناظر کی بجائے ذہن مائرہ کی پرابلمز کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ ارمان واپس کرسی پر بیٹھ کر مائرہ کے بارے میں سوچنے لگا ایک بار پھر ماضی کی یادوں میں محو ہو گیا۔

''مائرہ تم عید میرے ساتھ کیوں کرتی ہو؟''

ارمان نے مائرہ سے عید سے ایک دن پہلے کہا تھا۔

''اب میرا یہ گھر ہے مجھے عید یہیں کرنی چاہیے۔''

مائرہ نے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

''لیکن لڑکیاں تو میکے عید کو ترجیح دیتی ہیں۔''

ارمان نے زور دے کر کہا تھا۔

''ان کی مرضی وہ کہاں عید کریں لیکن شادی کے بعد اصل گھر سسرال ہی ہوتا ہے شوہر کا گھر۔''

مائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''لیکن تمہاری بھابیاں تو اپنے والدین کے جاتی ہونگی اور ماں باپ اکیلے ہوتے ہونگے۔''

''ماں باپ دو ہیں تو پھر اکیلے کیسے ہوئے لیکن وہ باجی بچوں کے ساتھ انہی کے ساتھ عید کرنے آتی ہیں۔''

''تمہارا نہیں جی چاہتا کہ تم بھی ان کی موجودگی میں جاؤ۔''

''نہیں نہیں اور نہیں کیونکہ اس طرح سے آپ اکیلے ہو جاتے ہیں اس لئے میرا اخلاقی فرض یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ عید مناؤں۔

''تم جانا چاہو تو میں دوستوں کے ساتھ منالوں گا۔''

''آپ یہ کیوں نہیں کہتیکہ میرے ساتھ چلے جائیں گے۔''

''نہیں مائرہ مجھے تمہارے پیرنٹس سے نظریں ملاتے شرم آتی ہے۔''

''وہ کیوں اب تو ہمارے دو بچے بھی ہو چکے ہیں۔''

''مجھے ایسے لگتا ہے کہ ان کی آنکھوں میں میرے لئے بہت سے سوالات ہیں۔''

''یہ آپ کا وہم ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''نہیں مائرہ یہ بات سچ ہے کہ تم نے رمیض سے منگنی صرف اور صرف میری خاطر توڑی تھی جس کا تمہارے پیرنٹس کو بہت دکھ ہوا تھا۔''

ارمان نے افسردگی سے کہا تھا۔

''اب اس بات کو بہت وقت ہو چکا ہے آپ بھی کن باتوں کو لے کر بیٹھ گئے ہیں۔''

مائرہ نے ناگواری سے کہا تھا۔

''حقیقت حقیقت ہی ہوتی ہے جو کسی کے کچھ کہنے سے بدل نہیں جاتی بالکل اسی طرح......ٹھہر کر بات دوبارہ شروع کرتے ہوئے۔

''اسی طرح جس طرح غلط بات غلط ہی رہتی ہے اس کی جتنی مرضی توجیہات پیش کی جائیں۔ وہ صحیح نہیں ہو سکتی چاہے اسے کوئی کسی بھی طرح پیش کرے وہ غلط ہی رہے گی۔''

یہ کہہ کر ارمان کچھ دیر خاموش رہا تھا اور مائرہ اس کو دیکھتی رہی خالی الذہن سے اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

ارمان دروازے کی کھٹکھٹاہٹ سے چونک کر بولا ''آ جاؤ'' سمیر دروازہ کھول کر بولا ''سر کھانا تیار ہے۔''

''ادھر ہی لے آؤ کیا بنایا ہے۔''

ارمان نے سوال کر ڈالا۔

''سر سوپ بنایا ہے اور چپاتی بھی۔''

سمیر نے مختصراً جواب دیا۔

''ہاں ادھر ہی لے آؤ۔''

سمیر کے جانے کے بعد ارمان لمبی سانس لے کر اپنے آپ سے بولا" تنہائی میں کھانا کھانے کا بھی تو کوئی لطف نہیں اور اب تو کھانا بھی پرہیزی۔"

دوبارہ ٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا" سب کے ساتھ کھانے سے کتنی رونق ہوتی ہے کتنا لطف آتا ہے۔" دوبارہ ارمان ماضی میں کھو گیا۔

"مائرہ جلدی آؤ ناشتہ شروع کرو آفس سے لیٹ ہو جاؤں گا۔"

"اوہو بچوں کے لئے بنانا ہے ابھی آپ شروع کر دیں۔"

"تم جانتی ہو میں تمہارے بغیر نہیں کھاتا۔"

ارمان نے مائرہ کو آنے کا زور دے کر کہا تھا۔

سمیر سوپ میں چپاتی ڈال کر اور پانی ٹیبل پر رکھ کر جانے لگا ارمان ایک نظر کھانے کو دیکھ کر لمبی سانس لے کر رہ گیا۔ کھانا کھانے کے بعد خاموشی سے میز کو دیکھنے لگا۔ پھر کافی دیر بعد اٹھ کر ہاتھ دھو کر اپنے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔ میز پر نظر پڑی جو کہ خالی تھا وہ بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے ٹیک لگا کر مائرہ کے مسئلے کا حل سوچنے لگا۔

آخر کار اسے صرف ایک حل سمجھ آیا کہ مائرہ اور بچوں کو فلیٹ لے کر دے دیا جائے۔ وہ مصمم ارادہ کر کے سو گیا کہ اس سوچ کو ضرور عملی جامہ پہنائے گا۔

اگلے کچھ دنوں میں وہ فلیٹ خریدنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس کام میں ڈاکٹر سکندر نے اس کی بھرپور مدد کی۔ ڈاکٹر سکندر نے ہی مشورہ دیا کہ مائرہ سے اس کے آفس جا کر بات کر کے آگاہ کرو۔ ارمان نے ایسا ہی کیا۔

ارمان بچوں کو فلیٹ لے کر گیا بچے بہت خوش ہوئے احمد نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ابو یہ آپ نے ہمارے لئے لیا ہے۔"

"یعنی اب ہم یہاں رہیں گے ادھر نہیں رہیں گے۔"

نور العین نے بے اختیار کہہ دیا

"ہاں بچوں یہ میں نے آپکے لئے لیا ہے اب آپ یہاں رہو گے۔"

ارمان نے بچوں کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا

"سچ میں اب ہم یہاں رہیں گے بچوں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔"

"کیوں تمہیں وہاں کوئی پرابلم ہے؟"

ارمان نے اچانک پوچھ لیا۔

"ابو وہاں نہیں ہمیں رہنا وہ ہمارا گھر نہیں ہے علیشبا ہمیں یہی کہتی ہے۔"

نورالعین نے افسردگی سے کہا۔

''اور کیا کہتی ہے اور باقی کیا کہتے ہیں۔''

''ابو سب امی کو کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں خاص طور سے ممانی تو بہت کچھ کہتی ہیں۔''

نورالعین نے مزید بتایا۔

''اور آپ کی امی یا نانو کچھ نہیں کہتی۔''

ارمان نے بیتابی سے پوچھا تھا۔

''امی روتی ہیں اور نانو امی کو تسلی دیتی ہیں۔''

احمد نے اس دفعہ بتایا تھا۔

''بس اب آپ کو کوئی کچھ نہیں کہے گا' اب آپ اپنی امی کے ساتھ اس گھر میں رہو گے۔''

''ٹھیک ہے پاپا' اب ہم کسی کے گھر نہیں رہیں گے' جب دل چاہے جو مرضی کہہ دیتے ہیں۔''

سب کو گھر میں شفٹ کروا کر ارمان بہت مسرور ہوا اور گھر کی بجائے ڈاکٹر سکندر کے کلینک چل دیا۔

ڈاکٹر سکندر نے مریضوں کو دیکھ کر ارمان کو آفس بلا لیا ارمان حیرت سے بولا ''آج مریض کم کیوں ہیں۔''

ڈاکٹر سکندر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا ''آج کل چھٹیاں ہیں زیادہ تر لوگ چھٹیاں منانے اپنے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔''

ارمان مسکراتے ہوئے بولا ''اگر فارغ ہو تو باہر چلتے ہیں۔''

ڈاکٹر سکندر کچھ سوچتے ہوئے بولا ''چلو ٹھیک ہے چلتے ہیں کوئی آیا بھی تو ڈاکٹر حمیرا دیکھ لے گی۔''

ریسٹورنٹ میں دونوں آمنے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

''پہلے ویٹر کو کھانے کا آرڈر کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر سکندر نے ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ویٹر کو کھانے کا آرڈر دینے کے بعد ڈاکٹر سکندر نے ارمان سے گھر کے بارے میں پوچھا۔

''ہاں وہ فلیٹ اس میں بچے شفٹ کر دیے ہیں۔'' ارمان نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

''یہ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ بچوں کی تربیت زیادہ بہتر ہو سکے گی۔''

ڈاکٹر سکندر نے سراہتے ہوئے کہا۔

''یہ میرا فرض ہے کیونکہ میرے بچے میری ذمہ داری میں جو غلطی ہو گئی میں نہیں چاہتا کہ اس کا اثر بچوں پر ہو۔'' ارمان نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔

''چلو تم نے غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش تو کی اور اپنی غلطی کو کھلے دل سے تسلیم کیا ہے ورنہ مرد تو کبھی اپنی غلطی تو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ انا کا مسئلہ بنالیتا ہے۔''ڈاکٹر سکندر نے سراہتے ہوئے کہا۔

''یہ انا ہی تو انسان کو برباد کرڈالتی ہے اگر ہم پہلے ہی کسی بات کو اناء کا مسئلہ نہ بنائیں بلکہ حقیقت کے تناظر میں کام کریں تو ہمیں زندگی میں بہت سے مسئلے پیش ہی نہ آئیں۔''

ارمان نے شائستگی سے کہا۔

ڈاکٹر سکندر نے کھانے کے دوران موضوع بدل دیا اور مختلف ٹاپک پر ڈسکس کرتا رہا تاکہ ارمان کا دھیان بٹ جائے اور بہت حد تک کامیاب رہا۔دونوں بہت دیر بیٹھے رہنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کی راہ لی اور گھر آ گئے۔اتنے دن کے بعد آفس میں سارا کام بڑی دلچسپی سے کیا۔فہد سے ساری رپورٹ لی دن بھر آفس کے کام میں مشغول رہ کر سیدھا گھر آیا اور کچھ فائلیں گھر میں لاکر رات گئے تک چیک کرتا رہا۔اسی طرح بہت دن گزر گئے کہ مصروفیت نے سر کھجانے کا موقع بھی نہ دیا۔جب کام معمول پر آ گئے تو پھر ایک دفعہ تنہائی نے بیزار کر کے رکھ دیا۔تنہائی کیا بلا ہے وہ چلا اٹھا سمیر آواز سن کر اندر آ گیا اور حیرت سے دیکھنے لگا۔

ارمان نے سمیر کو دیکھا اور اس کے بولنے کا انتظار کرتا ہوا بولا۔

کہو سمیر کیا بات ہے؟

سمیر کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کہے وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔

ارمان آہستگی سے بولا''کہو کیا کہنے آئے تھے۔''

سمیر کو کچھ نہ سوجھا اس نے کہہ دیا صاحب جی بچے یاد آ رہے ہیں چھٹی چاہیے تھی۔

ارمان مسکراتے ہوئے بولا''بس اتنی سی بات تھی اور اتنا ڈر رہے تھے۔''

کچھ دیر رک کر اجازت دے دی اور جیب سے کچھ پیسے بھی نکال کر دیئے کہ بچوں کے لئے کچھ لے جانا۔

سمیر پیسے لے کر خوشی خوشی لوٹ آیا۔

سمیر کے جانے کے بعد ارمان کافی دیر دروازے کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا''سمیر کتنا خوش نصیب ہے گھر میں انتظار کرنے والا کوئی ہے وہ میری طرح تنہا تو نہیں ہے۔''

ایک مرتبہ پھر وہ تنہائی کے بارے میں سوچنے لگا کہ تنہائی کیا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ تنہائی بس ایک دیمک ہے جو اندر ہی اندر سے انسان کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتی ہے۔ہر وقت انسان میں بیزاری پیدا کر دیتی ہے۔یہ اندر سے انسان کو بری طرح توڑ کر رکھتی ہے اور اندر کی یہ توڑ پھوڑ انسان کو بری طرح تھکا کے رکھ دیتی ہے۔

اس نے یہ سوچتے ہی سر جھٹکا اور دانش کو فون کیا۔

دانش نے دوسری گنتی پر ہی فون اٹھالیا۔

ہیلو کی آواز پر ارمان نے سوچا کہیں میں نے خواہ مخواہ ڈسٹرب تو نہیں کر دیا۔ دانش نے تیسری بار ارمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ارمان بولو! ارمان کیا بات ہے۔

ارمان سر جھٹکتے ہوئے بولا "ہیلو دانش کیسے ہو۔"

دانش نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا "کیوں اتنی دیر سے بولے ہو۔"

ارمان بہانہ سوچتے ہوئے صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"بس ایک کام کر رہا تھا اس وجہ سے اور کچھ نہیں۔"

دانش پرسکون ہوتے ہوئے بولا "او شکر ہے۔"

ارمان نے اندازہ کرتے ہوئے پوچھا "کہیں مصروف ہو شام کو۔"

دانش اپنی سرگرمیوں پر نظر ڈالتے ہوئے بولا "نہیں کوئی خاص نہیں ہے۔"

ارمان خوش ہوتے ہوئے بولا "چلو کہیں ملتے ہیں۔"

دانش ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے جناح پارک میں ملتے ہیں۔"

ارمان نے وقت بتاتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے گھنٹے بعد ملتے ہیں۔ اللہ حافظ"

مقررہ وقت پر ارمان پارک پہنچ گیا اور مقررہ جگہ پہنچ گیا۔ دانش ابھی تک نہیں پہنچا تھا وہ خالی بنچ دیکھ کر بیٹھ گیا۔ دانش بھی پارک میں نظر دوڑا کر ارمان کو ڈھونڈتے ہوئے آ پہنچا۔ دور سے ارمان کو دیکھ کر خود سے کہنے لگا 'ارمان تو لگتا ہے تنہائی سے تنگ آتا ہے اس لئے کسی نہ کسی دوست کو بلا لیتا ہے۔"

ارمان کے پاس آ کر گلے ملا اور دونوں بنچ پر بیٹھ گئے ابھی پارک میں زیادہ رش نہ تھی دانش نے کم تعداد دیکھتے ہوئے ارمان سے کہا "آج کل زیادہ رش نہیں ہے۔"

ارمان بات کاٹتے ہوئے بولا "ہاں آج کل چھٹیاں تو نہیں ہیں اس لئے کہاں سے آئیں۔"

دانش مزید اضافہ کرتے ہوئے بولا "آج کل بچوں کے پیپرز ہیں۔"

ارمان کچھ یاد کرتے ہوئے بولنے والا ہی تھا کہ ایک بچہ صدا لگاتا اللہ کے نام پر کچھ دے دو بابا ہاتھ آگے کر کے کھڑا ہو گیا۔ دانش نے اسے دھتکار دیا بچہ دوبارہ یہی صدا لگاتا دوسرے گروہ کے پاس چل دیا۔ بچے کے جانے کے بعد ارمان نے دانش سے کہا "بچے کو دھتکارنا نہیں چاہیے تھا۔"

دانش تلخ ہوتے ہوئے بولا "چھوڑو ارمان یہ بچے کوئی غریب غرباء نہیں ہیں یہ باقاعدہ تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ ان کے پس پردہ باقاعدہ ایک کنٹرولنگ باڈی ہوتی ہے۔ جو انسانی نفسیات کی ماہر اور لوگوں کی مزاج شناس اور نبض آشنا ہوتی ہے۔ ان کو ان کی عمر' کیفیت اور صلاحیت کے

مطابق ان کو تیار کرتی ہے جو سادہ دل لوگوں سے پیسے بٹورتے ہیں۔"

ارمان لمبی آہ لیتے ہوئے بولا" یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بعض بچوں کو اپاہج تک یہ لوگ بنا دیتے ہیں ان کے بعض حربے اتنے سائنٹیفک اور جدید ہوتے ہیں کہ اچھا خاصا پڑھا لکھا انسان سمجھ تو کیا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

دانش زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا" میں تمہیں ایک بھکاری کا سچا واقعہ سناتا ہوں۔ کچھ دیر رک کر دانش بولا جب میرے ابو کراچی میں جاب کرتے تھے تو وہاں ایک فالج زدہ آدمی پڑا ہوتا تھا وہ گزرتے اس کو دیکھ کر افسوس کرنے لگے کہ اس کی پوری داہنی سائیڈ پر فالج ہے اور کچھ دے کر گزر رے۔ دوسرے دن پھر وہ وہیں تھا اور داہنی سائیڈ ٹھیک بلکہ بائیں طرف فالج گرایا ہوا تھا۔ ابو نے سوچا کہ کل اس کی داہنی پر فالج تھا آج بائیں طرف یہ کیسے ہوسکتا ہے خیر انہوں نے نوٹ کر لیا اور پورا ہفتہ وہ اس کو روزانہ نوٹ کرتے صبح وشام جب اچھی طرح نوٹ کر لیا تو اپنے دوست کو بتایا دو تین دن دوست نے بھی نوٹ کیا اور جا کر اس فقیر کو پیٹنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں لوگ اکٹھے ہو گئے اور ڈرانا شروع کیا لیکن ان دونوں نے اور مارا یہاں تک کہ فقیر اٹھ کر بھاگنے لگا۔ لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے اور خوب ہنسے ابو ابھی تک یہ یاد کر کے بہت ہنستے ہیں۔"

ارمان یہ سن کر دیر تک ہنستا رہا اور مزید بولا" یہ تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے میں نے خود آنکھوں سے دو ٹھگ ایسے دیکھے ہیں۔"

دانش حیرانگی سے بولا" کیسے تم بتاؤ مجھے بھی۔"

ارمان سر ہلاتے ہوئے بولا" وہ ہمارے محلے میں ایک نہیں دو دو فقیر بیٹھ کر چلتے ہیں میں ان کی مدد کرتا رہتا تھا کہ واقعی وہ ٹانگوں سے معذور ہیں۔ ایک دفعہ میں شہر کی سب سے مہنگی مٹھائی والی دکان میں داخل ہوا تو ایک وہی ٹانگوں سے معذور جو بنا ہوتا تھا چنگا بھلا کھڑا مٹھائی خرید رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ ہم تو مٹھائی عام جگہوں کی کھاتے ہیں اور یہ فقیر دیکھو سب سے شہر کی مہنگی جگہ کی کھاتا ہے۔"

ذرا رک کر دانش کو مخاطب کرتے ہوئے بولا" اور وہ دوسرا معذور کیا تماشا ہوا تم تو جانتے ہو میں اکیلا ہوتا ہوں صبح سویرے چھت پر ٹیرس میں اپنے ہی کھڑا تھا کہ سڑک پر وہ محترم صاحب ایک جگہ پانی خوب تھا۔ چاروں طرف دیکھ کر اٹھے جلدی سے پانی کراس کر کے خشک جگہوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں اتنا حیران ہوا اور بہت ہنسی آئی بلکہ اپنی بے وقوفی پر بہت حیرت بھی ہوئی واقعی یہ لوگ بہت تیز اور چالاک ہوتے ہیں۔"

دانش سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا" یار پاگل کہو پاگل اگر یہ چالاک ہوں تو یہ کریں۔"

ارمان بات کاٹتے ہوئے بولا" سب کو اتنے مزے سے بے وقوف بنا لیتے ہیں چالاک اور شاطر نہیں تو اور کیا کہنا چاہیے انہیں۔"

دانش ارمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا" یہ بھکاری ہیں جھوٹے اور بے غیرت جو محنت کرنے کی بجائے حرام کھاتے ہیں۔"

ارمان تائید کرتے ہوئے بولا" ہاں دونوں میں فرق ہوتا ہے پیشہ گر اگر یا ضرورت مند مسائل اور ضرورت مند کی تو حتی الامکان مدد کرنی چاہیے اسے مشکل سے نکالنا ہمارا اخلاقی فرض بھی ہے اور دینی بھی۔"

ارمان مزید اضافہ کرتے ہوئے بولا" اگر ہماری مدد سے کسی کی مشکل حل ہو جائے تو اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ کسی کی ضرورت پوری کرنے سے بڑھ کر اچھا کام اور کیا ہو سکتا ہے۔"

دانش بات کاٹتے ہوئے بولا ''لیکن ان تربیت یافتہ اور پیشہ وروں کو دینا تو گناہ ہی ہے۔ دشمنی ہے اپنے ملک کے ساتھ۔''

ارمان درخت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''اگر ہر انسان اپنے خاندان میں ہی نظر دوڑائے تو بہت سے لوگ سفید پوش ہوں گے جو کہ صحیح معنوں میں ضرورت مند ہوتے ہیں لیکن کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔''

دانش گردن ہلاتے ہوئے بولا ''یہ درست ہے کہ معاشی تنگی بہت بڑی لعنت ہے لیکن غریب ہونا کوئی جرم نہیں ہوتا اور جو لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں وہ قابل تعریف ہیں۔''

ارمان مسکراتے ہوئے بولا ''حلال کھاتے ہیں کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔''

دانش انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولا ''وہ دیکھو دو عورتیں اور آ رہی ہیں بھیک مانگتی ہوئی۔''

ارمان انگلی کی سمت دیکھتے ہوئے بولا ''ہاں اور ابھی تو بہت ہوں گی شادی ہال کے باہر تو ڈھیر لگا ہوتا ہے۔''

دانش ہنستے ہوئے بولا ''مسجدوں کے باہر کیا کم ہوتے ہیں' گزرنے نہیں دیتے اتنی رش ہوتی ہے۔''

ارمان افسردگی سے بولا ''یہ حکومت کیوں کچھ نہیں کرتی ہر جگہ ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔''

دانش ہنستے ہوئے بولا ''حکومت اپنے بکھیڑوں کو ہی سنبھالے رہتی ہے اگر کرنا چاہے تو کیا مشکل ہے۔''

ارمان زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا ''تمہیں یاد ہے وہ زلزلہ 005ء کا اس وقت سڑکوں پر بھکاری بہت کم ہو گئے تھے وہ کیمپ میں شامل ہو گئے تھے مدد ملتی تھی نا۔''

دانش ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولا ''یاد ہے سڑکیں صاف ہو گئی تھیں پتہ ہے حکومت کا بھی قصور ہے۔''

ارمان سوال کرتے ہوئے بولا ''وہ کیسے؟''

دانش لمبی آہ لے کر بولا ''جس قوم کے لوگ محنت کی بجائے جدید اور سائنٹیفک انداز سے گداگری کرے وہ اخلاقی بلکہ ہر لحاظ سے مفلوج ہو جاتی ہے وہ ابھر نہیں سکتی نشوونما نہیں پا سکتی نہ عزت دار کہلا سکتی ہے۔''

ارمان تائید کرتے ہوئے بولا ''یہ تو تم نے درست کہا ہے واقعی باوقار اور عزت دار قوموں کے لوگ بھی تو عزت نفس اور خودار ہونگے ورنہ تو ذلت ہی مقدر ہوتی ہے۔''

دانش تنگ آتے ہوئے بولا ''دفع کرو ہم یہ کیا ٹاپک لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ یہ بھیک منگے تو کروڑ پتی ہوتے ہیں۔''

ارمان آہ بھرتے ہوئے بولا ''لیکن ایسے پیسوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا حرام کبھی فائدہ نہیں دیتا۔''

کچھ دیر رک کر بولا ''حرام کبھی فائدہ نہیں دیتا بلکہ ذلیل و رسوائی کا سبب بن جاتا ہے۔ نسل تباہ ہو جاتی ہے زوال نعمت کا سبب بنتا ہے۔''

دانش افسردگی سے بولا ''ایک مرتبہ اس لعنت کی عادت پڑ جائے کبھی انسان کو عزت کی زندگی نہیں گزارنے دیتی چلو دفع کرو۔''

کچھ دیر دونوں طرف خاموشی چھا گئی دونوں اردگرد بے معنی نظروں سے دیکھتے رہے۔

دانش خاموشی توڑتے ہوئے بولا ''چلو کچھ کھاتے ہیں۔''

ارمان منہ بناتے ہوئے بولا ''بالکل جی نہیں چاہ رہا۔''

دانش حیرت سے بولا ''وہ کیوں؟''

ارمان مختصراً بولا ''پتہ نہیں۔''

دانش ہونٹ چبا کر ارمان کو دیکھتے ہوئے بولا ''کیوں نہیں پتہ کوئی تو وجہ ہو گی۔''

ارمان مسکرا کر دانش کو دیکھنے لگا جو ارمان کو ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ دانش اٹھا اور کینٹین سے کچھ لینے چلا گیا۔ ''کہاں کھو جاتے ہو تم تمہارا کچھ پتہ نہیں چلتا ویسے بھی تو تم پل بھر میں تولہ اور پل بھر میں ماشہ ہو۔''

ارمان سر جھٹکتے ہوئے بولا ''کچھ نہیں بس ویسے ہیں۔'' دانش بیٹھتے ہوئے بولا ''یار گرما گرم سموسہ پلیٹ لایا ہوں اور ساتھ سیون اپ بھی چلو بیٹھو اور شروع کرو۔'' ارمان سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ ''دانش میں پرہیز پر ہوں۔''

دانش زچ ہوتے ہوئے بولا ''او کچھ نہیں ہوتا کھالو۔''

ارمان مسکراتے ہوئے بولا ''سوچنا پڑے گا کہ تمہارا شمار دوستوں میں ہونا چاہیے یا دشمنوں میں۔''

دانش نے ہنستے ہوئے سوال کیا ''وہ کیوں؟ ایسی کیا بے اعتباری ہو گئی ہے؟''

ارمان حیرت سے بولا ''تم خود سوچو ابھی تو کچھ بتایا تھا۔''

دانش ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولا ''نہیں تم نے تو ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔''

ارمان قہقہہ لگاتے ہوئے بولا ''تمہاری مثال وہی ہے ساری رات کہانی سنائی اور صبح اٹھ کر پوچھا کہ زلیخاں مرد تھی یا عورت۔''

دانش ارمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''طنز کر رہے ہو سچ میں مجھے کچھ خیال نہیں کیا مطلب ہے تمہارا؟''

ارمان یاد دلاتے ہوئے بولا ''تمہیں بتایا تو تھا کہ پرہیزی کھانا کھاتا ہوں۔''

دانش سوری کرتے ہوئے بولا ''سچ میں ذہن سے نکل گیا تھا لیکن ایک دفعہ کھالو کچھ نہیں ہوتا۔''

ارمان خوشگوار موڈ میں بولا ''اگر ہو گیا تو پھر۔''

دانش ماتھے پر بل دے کر بولا ''نہیں ہو گا یار سب اتنی بد پرہیزی کرتے ہیں کچھ نہیں ہوتا۔''

ارمان پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا ''چلو پھر ہم بھی کر لیتے ہیں۔''

دانش نصیحت کرتے ہوئے بولا ''تو پھر تم گھر جا کر مزید کچھ الٹا سیدھا نہ کھا لینا۔''

ارمان یکدم بول اٹھا ''او خدا کا خوف کرو میں بڑی سختی سے پرہیز کرتا ہوں۔''

دانش سراہتے ہوئے بولا ''شاباش پرہیز کرو کیونکہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔''

ارمان کچھ سوچتے ہوئے بولا ”اگر ہم لوگ اچھی صحت مند خوراک گھر میں بنی ہوئی استعمال کریں تو ہماری صحت اچھی رہے کبھی بیمار نہ ہوں۔“

دانش ہنستے ہوئے بولا ”یہ تو نہ کہو کہ کبھی بیمار ہی نہ ہوں ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ کم بیمار ہوں۔“

ارمان سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا ”یہ خوراک جو ہم کھاتے ہیں یہی ہماری بیماری اور صحت کی وجہ بن جاتی ہے۔“

دانش مزاحیہ انداز میں بولا ”کمال ہے پرہیز نے تو تمہاری آنکھیں کھول دی ہیں۔“

ارمان افسوس کرتے ہوئے بولا ”ہماری آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔“

دانش موضوع بدلتے ہوئے بولا ”سموسہ پلیٹ ہے زبردست جی چاہ رہا ہے ایک اور ہو جائے۔“

ارمان ماضی میں جھانکتے ہوئے بولا ”بچپن میں ہم پیسے جمع کر کے سموسہ پلیٹ کھاتے تھے۔“

دانش اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ”ہاں ہم بھی پیسے جمع کر کے کبھی فروٹ چاٹ کبھی چنا چاٹ اور سموسہ پلیٹ کھایا کرتے تھے۔

ارمان مزید بولا ”اس وقت یہ چیزیں اتنی مہنگی نہیں تھیں لیکن ہمارے پاس اس وقت کے لحاظ سے پیسے نہیں ہوتے تھے۔“

دانش خوش ہوتے ہوئے بولا ”اور خوشی کتنی ہوتی تھی مزالے کر کھاتے تھے۔“

ارمان کچھ سوچتے ہوئے بولا ”کبھی کبھار جو کھاتے تھے اس لئے لطف آتا تھا۔“

دانش پلیٹ رکھتے ہوئے بولا ”اور جب بیمار ہو جاتے تھے ریڑھی کی چیزیں کھا کر تو مسکین بن جاتے تھے کہ ہم نے تو گھر کے کھانے کے علاوہ کچھ نہیں کھایا۔“

ارمان مسکراتے ہوئے بولا ”ظاہر ہے اچھی خاصی مار پڑ جاتی اگر ہم یہ بتاتے کہ ریڑھی سے کھا کر پیٹ خراب ہوا ہے۔“

دانش بچوں کو دیکھتے ہوئے بولا ”باہر تو سارے کھانوں میں پرانا تیل ہی استعمال کرتے ہیں اسی لئے پیٹ خراب ہوتے ہیں۔“

ارمان اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ”پہلے تو صرف پرانا تیل اور گھی استعمال کرتے تھے اب تو تھرڈ کلاس چیزوں سے بناتے ہیں اور سستا بیچتے ہیں۔“

دانش انکشاف کرتے ہوئے بولا ”ہاں ارمان ایک جگہ تو جانوروں کے سینگوں اور انتڑیوں سے بھی گھی بنایا جاتا تھا۔

ارمان ہنستے ہوئے بولا ”سینگوں سے کیسے؟“

دانش آنکھیں مکمل کھولتے ہوئے بولا ”وہ سینگوں سے شاید کچھ اندر سے چربی وغیرہ۔“

ارمان کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا ”توبہ ہے اور یہ کھا کر صحت ہی بنتی ہوگی۔“

دانش اٹھتے ہوئے بولا ”ویسے تو ہارٹ اٹیک اتنے عام نہیں ہیں یہ دل کی شریانوں میں جھے نہ تو اور کیا ہو؟“

ارمان سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا ”یہ شریانیں اور وریدیں تمہیں ابھی تک نہیں بھولیں مجھے تو کبھی نہیں یاد ہوا کہ کون سی دل کی طرف خون

لے کر جاتی ہیں اور کون سی جسم کی طرف۔"

دانش قہقہہ لگاتے ہوئے بولا" مجھے کون سا یاد ہے؟ میں یہ پلیٹیں اور بوتلیں واپس کر کے آتا ہوں۔"

ارمان اٹھتے ہوئے بولا" اب چلتے ہیں کافی دیر ہو چکی ہے۔ دونوں چیزیں واپس کر کے باتیں کرتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

ارمان نے گھر پہنچ کر وقت دیکھا تو سات بج رہے تھے فریش ہو کر کھانا کھایا اور سمیر اور فہد کو تنخواہ دی ساتھ سوری کیا کہ کچھ لیٹ ہو گیا یاد ہی نہیں رہا۔ فریدہ کو چھٹی کے دن دے دوں گا۔ سب چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد کمرے میں آ گیا۔ ٹی وی آن کر کے دیکھنے لگا۔

پورا ہفتہ ارمان آفس کے کاموں کے سلسلے میں دوسرے شہر رہا اور بہت ہی مصروف رہا۔ وہ اپنی مصروفیت سے لطف اندوز ہوتا رہا اور ہفتے بعد واپسی پر تھکن اتارنے کے لئے پروگرام بنایا کہ دو دن یہ چھٹیاں گھر میں گزار کر آرام کرے گا۔

ہفتے کے دن ارمان نے بہت سے آفس سے لائی ہوئیں فائلیں دیکھیں اور ساتھ ساتھ آرام بھی کیا۔ پورا دن نہایت مصروف گزارنے کے بعد شام کو باہر لان میں آ گیا۔ لان میں پودے بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ اسے مائرہ یاد آ گئی کہ کتنے شوق سے یہ سارے پودے خود اپنے ہاتھوں سے لگائے تھے۔ یہ پودے لا کر وہ کتنی خوش تھی اور خوشی خوشی مالی کے ساتھ لگائے تھے۔ ان کو مالی کی موجودگی میں بھی خود پانی دیتی تھی ان کی تراش خراش تک خود کرتی تھی۔

ارمان مائرہ کو یاد کر کے اداس ہو گیا اور کرسی ایک طرف کر کے بیٹھ گیا۔

مائرہ کتنے پیار سے باغ کو سجاتی اور دیکھ بھال کرتی تھی۔ گھر کو سجانا سنوارنا بس اس نے مقصد بنا لیا تھا۔ ارمان ماضی کی یادوں میں محو ہو گیا۔ سمیر چائے لے کر آیا تو ارمان کو گم سم دیکھ کر بلایا۔

"سر جی۔ سر جی۔"

ارمان ماضی سے باہر آتے ہوئے سمیر کی طرف دیکھ کر بولا" چائے رکھ کر آپ جائیں۔"

سمیر چائے رکھ کر چلا گیا ارمان نے چائے کی پیالی کو ایک نظر دیکھا تو یوں لگا جیسے مائرہ بھی آ کر سامنے بیٹھ گئی ہو۔ ارمان نے ایک دم سامنے کرسی کی طرف نگاہ دوڑائی جو خالی تھی۔ خالی کرسی دیکھ کر مایوسی سے چائے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور خالی دماغ سے باغ کو دیکھنے لگا۔ سوچوں کو جھٹکتے ہوئے اٹھا اور اوپر کمرے میں واپس آ گیا۔ کمرے میں کھڑکی میں باہر دیکھنے لگا۔ باہر دیکھنے سے دل کچھ بہلنے لگا ارمان سوچنے لگا۔

"کھڑکیاں بھی تو بہت ضروری ہیں۔ صرف تازہ ہوا نہیں فراہم کرتی بلکہ ذہن کو بھی تازہ کر دیتی ہیں۔"

اسے مائرہ یاد آئی جو کھڑکی میں سے باہر ضرور کچھ دیر دیکھا کرتی تھی اور پوچھنے پر کہتی کہ اسی لئے تو ہوتی ہیں باہر کی دنیا دیکھ کر دل بہلایا جائے۔ ارمان جب مخالفت کھڑکیوں کی کرتا تو کہتی کہ اگر گھر میں کھڑکیاں نہ ہوں تو گھر کتنا برا لگے۔

ارمان جان بوجھ کر کچھ نہ کچھ ضرور کہا کرتا تھا اور مائرہ کہتی کہ انسان کتنا ہی بور ہو تنہا ہو جب کھڑکی سے باہر دیکھتا ہے تو دل بہل جاتا ہے۔ وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔

ارمان سب سوچ کرافسردہ ہوکر کرسی پر بیٹھ گیا اور اکرم کو فون کیا۔ اکرم سے باتیں کر کے کچھ اداسی کم ہونے لگی اس لئے اکرم کو کل ریسٹورنٹ میں ملنے کا کہا۔

دوسرے دن ارمان حسب عادت نماز کے بعد واک پر چلا گیا۔ واک سے آ کر فریش ہو کر ناشتہ کیا اور کچھ وقت کام کرنے کے بعد تیار ہو کر اکرم کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ گیا۔ اکرم بھی وقت پر ریسٹورنٹ آ گیا۔ دونوں دوست بہت گرمجوشی سے ملے۔

اکرم نے آفس کی مصروفیت کا پوچھا۔

ارمان نے مختصراً بتایا "ٹھیک اچھی رہیں سب سرگرمیاں درست انجام پا گئی ہیں۔"

اکرم مسکراتے ہوئے بولا "اور سناؤ کیسی مصروفیات ہیں۔"

ارمان افسردگی سے بولا "اور کچھ نہیں اور کیا ہونی ہیں۔" اکرم ارمان کو افسردہ دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

جب بھی ارمان کسی دوست کے سامنے اپنی تنہائی یا کوئی بات افسردگی کی کرتا تو دوست ٹوکتے کے ایسا نہ کہا کرو اکرم نے مشورہ دیا "زندگی ختم تو نہیں ہو گئی تم دوبارہ شادی کر لو۔"

ارمان کو شادی کا مشورہ اچھا نہ لگا اور ناگواری سے بولا

"بس اکرم یہ ٹاپک چھوڑ کر جو مرضی ڈسکس کرو پلیز۔"

اکرم کچھ دیر ارمان کے ناگواری کے تاثرات دیکھتا رہا اور پھر سمجھاتے ہوئے بولا

"دیکھو! جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم ماضی کا ماتم کرتے رہو زندگی ایسے نہیں گزر سکتی۔"

ارمان شکستہ دلی سے بولا "تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ یہ سب کچھ جو میرے ساتھ ہوا وہ میری قسمت ہے یا مجھے میرے کئے کی سزا مل رہی ہے۔"

اکرم حوصلہ دیتے ہوئے بولا "تم ایسے مت سوچا کرو اسی لئے تم الجھتے چلے جا رہے ہو۔"

ارمان سوچتے ہوئے بولا "پتہ ہے اکرم میں سوچتا ہوں کہ شاید زندگی میں کوئی نہ کوئی بات رہ جاتی ہے۔"

اکرم خوشی سے بولا ہاں میرے دوست یہی تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں "زندگی میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے بالکل اسی موسموں کی طرح بہار و خزاں بھی ہماری زندگی میں آتے رہتے ہیں صرف خوشیاں ہی ہوں تو زندگی تو بہار ہی بن جائے جس میں خزاں کا نام و نشاں نہ ہو۔"

ارمان ماضی میں جھانکتے ہوئے بولا "لیکن اکرم" بس یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

اکرم کچھ دیر انتظار کرتا رہا لیکن ارمان کو مسلسل سوچ میں گم دیکھ کر مخاطب کیا "اوئے ارمان کہاں کھو گئے ہو؟"

ارمان ماضی کی خوبصورت یادوں سے نکلتے ہوئے بولا "کچھ نہیں بس سوچ رہا تھا کہ گھر چھوڑنے سے پہلے میری زندگی بھی تو بہاروں جیسی تھی۔ بہن بھائیوں کا پیار اور لڑنا جھگڑنا چھوٹی چھوٹی باتوں پر چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ماں باپ کا پیار، پھر مائرہ یاد آنے لگی گھر چھوڑنے سے پہلے میں

نے کبھی دکھ نہیں دیکھا تھا۔

اکرم حیرت سے بولا ''کیا مطلب گھر تم نے چھوڑ دیا تھا۔''

ارمان یاددہانی کرواتے ہوئے بولا ''میں نے جب مائرہ سے شادی کی تھی تم سب کو یاد نہیں ہے۔''

اکرم یاد کرتے ہوئے بولا ''ہاں یاد آیا اب تو دس سال ہو گئے ہونگے۔'' مزید رک کر بولا ''یار تم نے گھر چھوڑا تھا کیوں تم کوئی پرندے تھے کہ اڑنا آیا اور سب کو چھوڑ کر پھر سے اڑ گئے۔''

ارمان تائید کرتے ہوئے بولا ''اگر سچ دیکھو تو ہم پرندے ہی تو ہیں بس پر نکالے تو پھر سے اڑنا چاہتے ہیں۔ کسی کی کوئی بات خاطر میں نہیں لاتے۔''

اکرم ہنستے ہوئے بولا ''فارگاڈ سیک ارمان میں نے تو مذاق کیا تھا کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

ارمان سنجیدگی سے بولا ''اگر ہم بھی پرندوں والے کام کریں تو پرندے نہیں تو اور کیا ہونگے بلکہ ان سے ہم بہت بدتر ہیں وہ تو پاکیزہ ہوتے ہیں کسی پر زیادہ دیر تکیہ نہیں کیے رہتے اور جلد ہی اپنے ٹھکانے چلے جاتے ہیں عبادت کرتے ہیں۔ دیکھو نا صبح نماز فجر کے وقت کتنی عبادت کرتے ہیں چہچہا کر ہم انسانوں کو طنز سے پکارتے ہیں کہ ہم اشرف المخلوقات کو بتاتے ہیں کہ وقت پر اٹھنا سیکھو اور اٹھ کر رب کو یاد کر کے کام شروع کرو۔ ہم کہاں پرندوں کے برابر ہو سکتے ہیں۔''

یہ کہہ کر ارمان کچھ دیر خاموش رہا اور اکرم اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ کافی دیر بعد مزاحیہ انداز میں بولا ''او پرندے دانہ لا دوں۔''

ارمان نے اکرم پر سرسری نظر ڈالی اور سنجیدگی سے کہا ''سچ پوچھو اکرم تو واقعی انسان پرندوں سے بھی کمتر ہے کہ خود ہی اپنے ان والدین کو جو ایک لمبا عرصہ اس کے لئے قربانیاں دیتے رہتے ہیں سب کچھ قربان کر دیتے ہیں مال، نیند اور اپنا قیمتی وقت لیکن اولاد پھر بھی کس طرح وقت پڑنے پر اپنے کاموں کو ان پر فوقیت دے دیتی ہے۔''

اکرم سنجیدگی سے ارمان کی باتیں سن رہا تھا بولا ''ہاں ارمان تم ٹھیک کہتے ہو۔''

انور سب کو سرسری نظر سے دیکھتا جا رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر اکرم پر پڑی۔ انور اکرم کو دیکھتے ہی بہت خوش ہوا دونوں بہت خوشی سے بغلگیر ہوئے اور ایک دوسرے کا حال بہت دیر پوچھتے رہے۔ اکرم نے انور سے کہا ان سے ملو میرے دوست ارمان ہیں۔ انور ملتے ہوئے گرمجوشی سے بولا ''یہ اکرم تو آپ کا بہت ذکر کرتا رہتا تھا کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا جس دن اس نے آپ کا ذکر نہ کیا ہو گا۔''

ارمان نے انور کو بیٹھنے کا کہا اور انور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ تینوں اپنے اپنے ماضی کی باتیں کرنے لگے ارمان سے انور نے پوچھا ''آپ سنائیں بزنس کیسا ہے آج کل۔''

ارمان مسکراتے ہوئے بولا ''ٹھیک جا رہا ہے اللہ کا شکر ہے۔''

ارمان نے سوال انور سے مخاطب ہوتے ہوئے کیا۔ ''کیا آپ چھٹیوں پر آئے ہیں یا مستقل آ گئے ہیں۔''

انور تذبذب سے بولا ''ارادہ واپس جانے کا ہے۔اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے بس...... کہہ کر خاموش ہو گیا۔''

ارمان نے مسکراتے ہوئے پوچھا ''کیوں گھر والے جانے نہیں دے رہے ہیں یا خود ان کو چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔''

انور نے شرمندہ نظروں سے اکرم کی طرف دیکھا تو اکرم نے بات گول کرنے کی کوشش کی۔

ارمان اس بات سے بے چین ہو گیا کہ انور نے جواب نہیں دیا اس لئے دوبارہ وہی سوال انور سے کر ڈالا۔

انور نے سرد آہ بھری اور نہایت ہی افسردہ اور مایوس نظروں سے ادھر ادھر دیکھ کر بولا ''ارمان صاحب کچھ بتانے کے لئے ہو تو بتاؤں۔''

ارمان حیران ہوتے ہوئے بولا ''آخر ایسا کیا ہو گیا ہے۔''

انور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولا ''بس کچھ نہیں۔'' یہ کہہ کر آنسو پونچھنے لگا۔

اکرم جو خاموش بیٹھا تھا تسلی دیتے ہوئے بولا ''انور ایسا ہو جاتا ہے۔دل تھوڑا نہیں کرتے دیکھو ارمان بھی تمہارہ رہا ہے۔''

انور نے حیرانگی سے پہلے اکرم کو دیکھا اور پھر ارمان کو دیکھا جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔ہمت کر کے بولا ''سمجھ نہیں آتی کہ کہاں سے شروع کروں۔''

کچھ دیر انور خاموشی سے تانے بانے بنتا رہا اور پھر خود ہی بولا ''میری زندگی میں اب کچھ بھی نہیں ایک بے رنگ اور بے مقصد سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔'

میری داستان بڑی کرب بھری ہے۔مختصر بتا دیتا ہوں۔میں غریب گھر میں پیدا ہوا تھا۔والدین دونوں ہی کسی کے گھر میں نوکر تھے۔مجھ سے بڑے ایک بہن اور ایک بھائی تھا۔وہ دونوں ہی ماں کے ساتھ اچھے تھے جبکہ میں امیر بچوں کے طور طریقے دیکھ دیکھ کر انہی کی زندگی پسند کرنے لگ گیا تھا۔یاسر جو میرا ہم عمر ہی تھا اس سے کھیل کر اس جیسا ہی لباس پسند کرنے لگا اور جوں جوں بڑا ہونے لگا ہر بات ضد سے منوانے لگتا تھا حالانکہ میرے دونوں بہن بھائی بالکل بھی تو کسی بات پر ضد نہ کرتے تھے وہ ماں باپ کو کام کروا کر دیتے چھٹی کے دن تو پورا دن ان کے ساتھ کام کرواتے اور ماں باپ کا صحیح معنوں میں ہی احساس کرتے تھے لیکن میری فطرت بالکل ہی ان کے برعکس تھی یوں سمجھ لو کہ میں اولاد کی شکل میں ماں باپ کے لئے عذاب تھا۔اکرم نے ٹوکتے ہوئے کہا ''ایسا نہیں کہتے انور''

انور نے سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے بیان کرنا شروع کیا۔

''میں ہر بات پر ضد کرتا اور اگر والد یا والدہ میں سے کوئی مجھے ڈانٹتا تو میں آگے سے بہت برا بھلا کہہ دیتا۔جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا یہی رویے میرے ماں باپ کے لئے نا قابل برداشت ہوتے گئے اگر وہ ڈانٹتے یا تھپڑ مار دیتے میری کسی غلطی پر تو میں بہت بدزبانی کرنے لگتا اور پتہ نہیں کیسے ان باتوں کی وجہ سے میں ان سے نفرت کرنا شروع ہو گیا تھا اور یہ نفرت میرے دل میں مضبوط ہوتی گئی۔بڑا بھائی ایف ایس سی میں تھا لیکن شام کو جاب بھی کرتا تھا بہن بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھاتی تھی لیکن مجھے میٹرک کرنا بھی برا لگ رہا تھا۔بس رٹ لگا دی کہ چچا مجھے بھی دبئی لے جائے۔آخر کار میٹرک کے پیپرز کے بعد ویسا ہی ہوا اور گھر والوں نے مجھے دبئی بھجوا دیا۔سارا خرچہ قرض لے کر ہوا لیکن میں خوش تھا جیسے ہواؤں میں

اڑنے لگا۔ چچا نے ایک آفس میں مجھے کلرک لگوا دیا پیسے دیکھ کر میں سب کے احسانات بھول گیا۔ گھر والوں کو کچھ نہ سمجھا اور خود جمع کرنے لگا۔ اور حسین زندگی کے خواب دیکھنے لگا۔ اسی طرح پانچ سال گزر گئے میں نے خوب پیسہ جمع کر لیا۔ وطن آ کر پلاٹ لے کر گھر بنوایا اور باقی پیسوں سے کاروبار شروع کر دیا۔ کاروبار دیکھ کر ایک حسینہ میرے اردگرد منڈلانے لگی اور میں اس کے حسن میں ایسا بے وقوف بنتا چلا گیا کہ اس پر لٹانا شروع کر دیا جو مال دیارِ غیر میں محنت و مشقت سے کمایا تھا اور چار سال لگا کر کاروبار کیا تھا وہ اب لوٹا رہا تھا۔

ارمان حیرت سے بولا ''اس دوران آپ کو گھر والے نہیں یاد آئے۔''

انور شکستہ دلی سے بولا ''گھر والے یاد آتے تو تھے لیکن کبھی گیا نہیں اس طرف اور پتہ ہے ارمان یہی وہ وجہ تھی جس وجہ سے میں خرابی کی طرف بڑھ رہا تھا نہ گھر والوں کا حق ادا کیا نہ خیال رکھا تو پیسے نے غلط لوگوں کے ہاتھوں میں جانا ہی تھا ایسے ٹھگ لوگوں کے ہاتھوں میں پیسے نے تباہ ہونا تھا کیونکہ میں نے حق داروں کو ان کا حق نہیں دیا تھا۔ یہ کہہ کر انور خاموش ہو گیا اور صاف اس کے چہرے پر پچھتاوا دکھائی دے رہا تھا۔

ارمان تجسس سے بولا ''تو پھر شادی کی آپ نے۔''

انور مایوسانہ لہجے میں بولا ''کی تھی شادی لیکن وہ نہایت چالباز سفاک اور بدزبان عورت تھی ایسی گھٹیا زبان استعمال کرتی تھی کہ روز کا جھگڑا معمول بن گیا تھا۔ وہ جاتے ہوئے سب بینک بیلنس اور قیمتی سونا وغیرہ لے گئی۔''

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پتہ ہے یہ سب کیوں ہوا تھا۔

ارمان نے نفی میں گردن ہلا دی۔ تو انور خود ہی بولا۔

'یہ بے سکونی' بے چینی اور ناکامی صرف اور صرف ماں باپ کی نافرمانی کی وجہ سے ہر طرف گھیرے ہوئے ہے۔''

ارمان ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولا ''تو آپ ماں باپ سے معافی مانگ لیں تاکہ اس کرب' دکھ اور پریشانی سے نجات مل جائے۔''

انور آنسو پونچھتے ہوئے بولا ''گیا تھا لیکن وہ وفات پا چکے ہیں۔ کاش میں ان کی زندگی میں چلا گیا ہوتا تو آج نوبت یہ نہ ہوتی سچ میں اب تنگ آ گیا ہوں۔''

اکرم فون بند کر کے آ کر بیٹھ گیا اور موضوع گفتگو بدل گیا۔ اکرم خالی میز دیکھتے ہوئے بولا ''کنجوسو کچھ تو آرڈر کرتے۔ انور موبائل پر میسج دیکھتے ہوئے بولا ''اوہو میں کسی دوست کے پاس کام سے آیا تھا اس کی مس کالز اور میسج میں نے پہلے دیکھا ہی نہیں دونوں کو خدا حافظ کہہ کر آگے چل دیا۔

ارمان کافی دیر ہکا بکا انور کو جاتے دیکھتا رہا۔ اکرم نے ارمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کم آن کہاں کھو گئے ہو؟

ارمان کو خاموش دیکھ کر خود ہی بولا' یار اس کی کسی بات کا برا نہ منانا اگر اس نے کچھ ایسا ویسا کہہ دیا ہے تو اس کی طرف سے میں معافی چاہتا ہوں۔''

ارمان نے پرسکون انداز میں اکرم سے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں وہ جلدی چلا گیا ہے اس لئے حیران ہو رہا تھا۔''

اکرم اطمینان کا سانس لیتے ہوئے بولا ''اس کو واقعی دوست سے ملنا تھا اور کافی لیٹ ہو گیا تھا اس لئے چلا گیا ہے تیزی سے گیا اس لئے مل

کر نہیں گیا ہے۔''

ارمان پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔''

اکرم نے آرڈر دیا اور دوبارہ ارمان کی طرف متوجہ ہوا جو الجھے ہوئے انداز میں خاموش بیٹھا تھا۔

اکرم نے خفگی سے پوچھا ''ارمان تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے کیسے چھپائی ہے۔''

ارمان اس بات سے چونک گیا اور سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا ''کون سی بات۔''

اکرم سرد مہری سے بولا ''تم خود سوچو' کون سا اہم کام تم نے پچھلے دنوں کیا ہے اور ہمیں ہوا تک نہیں لگنے دی۔''

ارمان اضطراب کی حال میں سوچنے لگا اور لاعلمی کا اظہار کر دیا۔

اکرم نے مذاق کہہ کر بات ٹال دی لیکن ارمان نہ مانا اور اصرار کر بیٹھا کہ کون سی بات کا ذکر کیا ہے؟

اکرم نے مزاحمت کئے بغیر سادگی سے کہہ دیا۔ ''یاد کرو کوئی خرید وفروخت کا معاملہ ہو گا۔''

ارمان نادم ہو کر بولا ''سوری میں تمہیں بتانا چاہتا تھا لیکن بتا نہ پایا وہ دراصل تم فلیٹ کی بات کر رہے ہو۔''

اکرم خفگی سے بولا ''جی خاں محترم صاحب اسی کی بات کر رہا ہوں۔ پہلے تو آپ بتائیں کہ آپ نے یہ بات کسی سے شیئر کیوں نہ کی۔''

ارمان اندیشوں کو جھٹکتے ہوئے بولا ''اچھا میں سمجھا پتہ نہیں کون سی بات کا ذکر کر رہے ہو۔''

اکرم چبھتے ہوئے لہجے میں بولا ''اچھا اور کتنے راز چھپائے ہیں جو سمجھنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔''

ارمان نادم ہوتے ہوئے بولا ''وہ میں نے اپنے لئے تھوڑا ہی خریدا تھا جو فیس کسی سے ذکر کرتا۔''

اکرم نے تجسس سے پوچھا ''تو پھر کس کے لئے لیا گیا ہے کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلنا چاہیے۔''

ارمان کھانا لگاتے ہوئے ویٹر کی طرف دیکھنے لگا اور اس کے جانے کے بعد بوجھل دل سے بولا ''وہ مائرہ کے لئے لیا ہے۔''

اکرم کو جیسے کرنٹ لگا ہو یک دم چونک کر بولا ''وہ کیوں اس کی کیا ضرورت تھی۔''

ارمان نے مدہم آواز میں کہا کہ ''لمبی بات ہے کھانے کے بعد بتا دوں گا تمہاری تسلی کے لئے بس خوش۔''

کھانے کے دوران دونوں طرف خاموشی چھائی رہی دونوں ہی سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔

کھانے کے بعد ارمان نے اکرم سے کہا ''کہیں پارک وغیرہ میں چلتے ہیں وہاں میں تمہیں سب بتا دوں گا تم اطمینان رکھو کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے۔''

اکرم معذرت خواہانہ انداز میں بولا ''ارمان مجھے پتہ ہے کہ ایسی ویسی بات نہیں ہے ویسے ہی تجسس ہوا سو پوچھ لیا' پلیز تم مائنڈ نہ کرنا۔''

ارمان نے بڑی سہولت سے جواب دیا ''مجھے تمہیں بتا دینا چاہیے تھا چلو باہر چل کر تفصیلاً بات کرتے ہیں۔''

دونوں اٹھے اور گاڑی میں جا بیٹھے دو تین منٹ میں دونوں پارک میں جا بیٹھے۔ پارک میں گہما گہمی تھی سب سے زیادہ شور اور شرارتیں

بچے کرر ہے تھے۔دونوں دوست ایک سائیڈ پر درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔اکرم نے درخت کی طرف دیکھتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہا۔''یہ درخت بھی کتنے خوبصورت اور آنکھوں کو طراوت دیتے ہیں اور دیکھو زمین کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔''

ارمان نے بے اختیار سر اوپر اٹھا کر درخت کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہا۔اسے یاد آیا کہ مائرہ بھی درخت اور پودوں کو بہت پسند کیا کرتی تھی اس نے تو گھر میں بھی کتنے گملے رکھے ہوئے تھے اور پودے ہی پودے گارڈن میں ہر طرف لگا دیئے تھے۔

اکرم بھی درخت کی چھاؤں کو بغور دیکھنے لگا ارمان کافی دیر یادوں میں کھویا رہا اور اکرم نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا کافی دیر بعد ارمان سر جھٹکتے ہوئے شرمندہ ہوتے ہوئے اکرم کو مخاطب کیا۔

''اکرم سوری پتہ نہیں میں کیوں ماضی میں کھو جاتا ہوں اکثر''اکرم مسکراتے ہوئے بولا''نہیں ایسا ہو جاتا ہے کوئی بات نہیں دونوں پارک میں کھیلتے بچوں کے ایک گروہ کو دیکھتے رہے پھر ارمان ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔''چلو میں تمہیں فلیٹ کے بارے میں بتاتا ہوں۔''

اکرم بات کاٹتے ہوئے بولا''اٹس اوکے کوئی بات نہیں۔''

ارمان معذرت خواہانہ انداز میں بولا''مجھے پہلے ہی تمہیں بتا دینا چاہیے تھا سچ میں یاد نہیں رہا پتہ نہیں کیسے ذہن سے نکل گیا۔''

اکرم کو خاموش دیکھ کر ارمان خود ہی بولا''وہ یاد آیا وہ اس دن انور مل گیا تھا بس اس کی باتوں میں یاد نہیں رہا تھا ورنہ میں تمہیں ضرور بتاتا۔''

اکرم بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا''ارمان یار میں نے سچ میں مذاق کیا تھا پلیز مائنڈ مت کرنا۔''

ارمان دبی مسکراہٹ کے ساتھ اکرم کو دیکھتے ہوئے بولا۔

'وہ میں نے فلیٹ خرید کر مائرہ اور بچوں کو دے دیا ہے۔''

اکرم حیرت سے ارمان کو دیکھتے ہوئے بولا''لیکن وہ تو اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی تھی پھر تم نے کیوں۔''

ارمان آہ بھرتے ہوئے بولا''تم جانتے ہو اس کے چار بھائی اور بھابیاں بھی ہیں۔''

اکرم تجسس سے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا''تو پھر اسی لئے تو پوچھ رہا ہوں کہ فلیٹ میں کیوں رہے گی۔''

ارمان زور دے کر بولا۔''وہ گھر بھابیوں کا ہے۔''

اکرم حیرت سے بولا''لیکن ماں باپ ہیں اس کے۔''

ارمان لمبی سانس لیتے ہوئے بولا''وہ بزرگ ہیں اور تمہیں پتہ ہے بوڑھوں کو مشکل سے اولاد رکھتی ہے فرض سمجھ کر نہیں احسان سمجھ کر۔''

اکرم سن کر دکھی ہو گیا اور بولا''ہاں یہ تو ہے۔''ارمان وضاحت سے بولا''بس مائرہ کو تو بھابیاں بوجھ سمجھنے لگ گئی تھیں اور وہ بھی بچوں کے ساتھ۔''اکرم آہستگی سے بولا''اور بیچاری لڑکیاں ساری عمر بھائی بھائی کرتی رہتی ہیں اور خدانخواستہ اگر ضرورت پڑ جائے تو بھائی اپنی اوقات دکھا دیتے ہیں۔''

ارمان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا''یہ تم نے بالکل درست کہا ہے۔''

''ضرورت پڑھنے پر ہی پتہ چلتا ہے کہ کس میں کتنا دم ہے۔''

کچھ دیر دونوں طرف خاموشی چھائی رہی پھر سکوت توڑتے ہوئے اکرم بولا۔

''بس دعا یہ کرنی چاہیے کہ کسی انسان کے در پر انسان کو نہ جانا پڑے اور نہ کسی سے کبھی کوئی کام پڑے۔''

ارمان تائید کرتے ہوئے بولا ''بس میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میرے بچوں کو کوئی طعنہ دے یا ان کو کوئی اور مسئلہ درپیش رہے اس لئے بس ایسا کر دیا۔''

اکرم تعریف کرتے ہوئے بولا 'ہاں بہت اچھا کیا ہے اس طرح بچوں کے ذہن پر برے اثرات پڑتے اور بھی بہت مسائل جنم لیتے۔''

ارمان شکستہ دلی سے بولا

''اکرم میں نہ کرتا ایسا تو بچے جذباتی عدم مطابقت کا شکار ہو جاتے یا احساس کمتری کا شکار ہو جاتے اس لئے ان کے لئے بہتر یہی تھا کہ ان کا الگ گھر ہو۔''

اکرم سوالیہ انداز میں بولا 'تم بچوں سے ملنے جاتے ہو۔''

ارمان دکھ بھرے لہجے میں بولا 'فون پر بات کرتا ہوں یا چھٹی کے دن پارک لے جاتا ہوں گھر نہیں جاتا یہ ٹھیک نہیں ہے۔''

اکرم ارمان کے دکھ بھرے لہجے کو محسوس کر رہا تھا لیکن کچھ نہ بولا بلکہ تسلی دیتے ہوئے مسکراہٹ کے ساتھ سراہتے ہوئے بولا ''بچے تو تمہارے ہیں چاہے وہ تمہارے ساتھ رہیں یا ماں کے ساتھ اور یہ تمہارا فیصلہ بہت اچھا ہے۔ بچے ماں کے ساتھ ہی خوش رہتے ہیں تم تو ملتے ہو اور ویسے بھی اتنے مصروف تو ہو۔''

ارمان بچوں کو کھیلتے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا اور بے ساختگی سے بولا' بچے کتنے معصوم ہوتے ہیں من موجی سے' بے نیاز نہ فکر نہ خیال کسی چیز کا۔''

اکرم بھی بے اختیار مسکراتے ہوئے بولا' اسی لئے تو کہتے ہیں اصل میں بادشاہ یہ بچے ہی ہوتے ہیں ہر لحاظ سے آزاد بے فکر اور خوش باش۔''

ارمان قہقہہ لگاتے ہوئے ''اور کیا ورنہ بادشاہوں کو تو ہر طرف سے صرف اور صرف فکر ہی رہتی ہے رنج اور تکالیف ہی پریشانیاں ہی پریشانیاں۔''

اکرم چائے کی طلب محسوس کرتے ہوئے بولا' چائے پی جائے کیا خیال ہے تمہارا۔''

ارمان سر ہلاتے ہوئے ''نیکی اور پوچھ پوچھ۔''

دونوں درخت کے نیچے ہی بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے باتیں کرتے رہے آخر میں پھر درخت کی طرف دیکھ کر بولے

''یہ درخت کی چھاؤں بھی بڑی چیز ہوتی ہے۔'' اکرم بات کاٹتے ہوئے بولا ''صرف چھاؤں ہی نہیں ہوا بھی تو زندگی کی نوید لاتی ہے۔ آکسیجن ہی تو زندگی ہے۔''

ارمان اوپر دیکھتے ہوئے بولا' درختوں کے تو صرف فائدے ہی فائدے ہیں تازہ ہوا ہی کو دیکھو۔''

اکرم زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے بات کاٹ کر بولا۔

''اب تم ان کے فوائد نہ گنوانے لگ جانا وہ معاشرتی علوم کی کتاب والے۔''

ارمان دانت کچکچاتے ہوئے بولا'' معاشرتی علوم وہ تو بہت بور مضمون توبہ توبہ کیا پہاڑ' درخت' نظریات' انہی چیزوں سے بھری پڑی تھی۔''

اکرم ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولا'' اور کیا تمہارے لئے ہیر رانجھے کی کہانیاں لکھا کریں۔''

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے گاڑی کی طرف چل دیئے۔

گھر آ کر ارمان نے سمیر سے کہا'' مجھے کوئی بالکل ڈسٹرب نہ کرے۔ میں کمرے میں جا رہا ہوں۔''

سمیر نے آہستہ سے پوچھا'' کھانا لگا دوں۔''

ارمان نے نرمی سے جواب دیا'' نہیں کھا لیا ہے۔''

ارمان یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فریش ہو کر بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ دن کی مصروفیت آنکھوں میں گھومنے لگی۔ ارمان نے کوشش کی کہ سوئے اس لئے آنکھیں بند کر دیں۔ انور کی آواز گونجنے لگی۔

'' گھر والوں کا حق ادا نہیں کیا تھا اور نہ خیال رکھا تھا تو پیسہ غلط لوگوں میں تو جانا ہی تھا کیونکہ حقداروں کا حق مارا تھا۔''

ارمان اٹھ کر بیٹھ گیا ار ماتھے سے پسینہ صاف کرنے لگا انور کی آواز مزید سنائی دینے لگی۔

'' بے سکونی' بے چینی اور ناکامی صرف اور صرف ماں باپ کی نافرمانی کی وجہ سے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔''

ارمان نے ذہن ہلکا کرنے کے لئے اخبار اٹھا لیا لیکن ذہن میں مسلسل انور کی آواز ہی گونج رہی تھی۔

'' کاش میں نے ماں باپ سے معافی مانگ لی ہوتی تو آج یہ نوبت نہ آتی۔''

ارمان کو اپنے والدین یاد آ گئے اور بار بار خیال آنے لگا کہ

'' میری تنہائی' پریشانیوں اور خرابیوں کی وجہ بھی والدین کی ناراضگی ہی ہے۔ مائرہ جیسی اچھی بیوی کو کھو دیا یہ کیا ہو گیا اس کا مطلب ہے کہ والدین کی ناراضگی دکھ' پریشانیوں اور مشکلات کی وجہ بن جاتی ہے۔''

تو پھر مطلب یہ ہوا کہ اگر والدین راضی رہیں تو'' اگر والدین راضی رہیں ان کی رضامندی سے کام کیا جائے تو دکھ پریشانیاں اور خرابیاں نہیں ہوتی۔ ہر کام اچھے سے' خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل ہو جاتے ہیں۔''

ارمان خود سے ہم کلام ہو رہا تھا اور کھڑے ہوتے ہوئے بولا'' مجھے والدین کو راضی کر لینا چاہیے تا کہ اس عذاب سے نجات ملے۔'' مزید اپنے سے کہا۔

'' یہ بے سکونی' بے اطمینانی اور افسردگی صرف اور صرف اسی وجہ سے ہی تو ہے ہر وقت طبیعت کا بوجھل رہنا بس اب بس ہونی چاہیے اب تھک گیا ہوں۔This is too much اب نہیں کچھ اور سوچنا بس سب سے پہلے یہی کام کرنا ہے۔

ارمان نے یہ کہہ کر موبائل اٹھایا اور دانش کو فون کیا۔باتوں باتوں میں اس سے اپنے گھر والوں کا پوچھا۔دانش نے اسے آگاہ کیا کہ شمروز سب گھر والوں کے ساتھ وادی نیلم کی سیر کو گئے ہیں۔ارمان حیرت سے بولا" وہ کیوں گئے ہیں خیریت ہے۔"

دانش ہنس کر بولا" خیریت ہے بس ویسے ہی سب گھر والے گئے ہوئے ہیں۔پہلے بھی تو جاتے رہے ہیں۔"

ارمان سر کھجا کر بولا" او ہاں یاد آیا سال میں ایک یا دو مرتبہ سب جاتے ہیں۔

دانش نے پوچھا" کیا ہوا کیوں پوچھ رہے ہو؟ خیریت۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی اور کچھ دیر بعد ہی ارمان بھرائی ہوئی آواز سے بولا" خیریت ہے بس سب کی یاد آ رہی تھی۔"

دانش نے کہا" یہ تم نے بہت اچھا کیا ہے آنٹی ہمیشہ تمہیں بہت یاد کرتی ہیں بلکہ ہر تہوار اور اہم دنوں میں تمہارا انتظار کرتی ہیں۔"

ارمان کا یہ سن کر دل بھر آیا دانش کو بعد میں فون کرنے کا کہہ کر خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

ارمان نے بچوں کو فون کیا۔بچوں نے ملنے کی خواہش کی تو ارمان نے انہیں تیار ہونے کا کہا اس کے بعد ارمان تیار ہو کر گاڑی لے کر باہر نکل گیا۔سارے راستے ارمان اپنی تنہائی پر آنسو بہاتا رہا۔فلیٹ پر پہنچ کر ہارن دے کر آنسو پونچھ کر باہر دیکھنے لگا۔تینوں بچے خوشی خوشی آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ارمان سے ملے اور باہر دیکھنے لگے۔

ارمان بچوں کے چہروں پر خوشی دیکھ کر خوش ہو گیا۔

ارمان کے ذہن میں طوفان چلنے لگا اور سوچنے لگا" انسان کی انا اسے بری طرح مات دیتی ہے۔"

سر جھٹک کر بچوں سے باتیں کرنے لگا ہے۔اور موڈ خوشگوار کر لیا۔ارمان نے باتوں باتوں میں بچوں سے سکول کی ساری سرگرمیوں کے بارے میں پوچھا۔بچوں کو پارک میں گھمایا۔ان کو خوب جھولے دلائے۔ساتھ ساتھ اچھی اچھی باتیں بتائیں۔اس کے بعد شاپنگ کروا کر ریسٹورنٹ میں لے جا کر کھانا کھلایا۔کھانے کے دوران ارمان نے بچوں کو ماں کا خیال رکھنے کا کہا۔

ہادی التجائیہ انداز میں بولا" پاپا آپ واپس گھر ہمیں اور امی کو لے چلیں نا پلیز۔"

احمد نے ہادی کو ٹوکا۔" مما پاپا کی طلاق ہو چکی ہے اب وہ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔"

ارمان احمد کی بات سن کر ہکا بکا رہ گیا۔نور العین نے ہادی کو ڈانٹا" کھانا کھاؤ خاموشی سے۔"

ارمان نے آہستہ سے بچوں سے پوچھا۔" آپ کو یہ کس نے بتایا ہے۔"

احمد اور نور حیرانگی سے بولے۔" کیا پاپا"

ارمان سر کھجاتے ہوئے بولا" طلاق والی بات۔"

احمد نظریں جھکائے ہوئے بولا" پاپا وہ ممانی روز امی کو کہتی تھی۔"

ارمان حیرت سے بولا" کیا کہتی تھی۔"

احمد افسردگی سے بولا" تم طلاق لے کراب یہاں آ کر بیٹھ گئی ہو۔"

ارمان دلاسہ دیتے ہوئے بولا" اب اپنے گھر میں تم خوش ہو۔"

ہادی پھر بول اٹھا" پاپا اگر آپ آ جائیں تو خوش ہونگے۔"

احمد خوش ہوتے ہوئے بولا" ہاں پاپا اب ہم بہت خوش ہیں۔اب کوئی مما کو کوئی بات نہیں کہتا۔"

نورالعین نے باپ کو ٹھیک یو کہا اور تینوں نے آئس کریم کی فرمائش کی۔

ارمان نے تینوں کے لئے آئس کریم لانے کا کہا اور ایک کھانا پیک کرنے کا کہہ کر بچوں سے باتیں کرنے لگا۔آئس کریم کے آنے تک بچوں سے تمام مضامین کی رپورٹ لے لی۔بچوں سے مشکل مضامین کے بارے میں پوچھا۔

احمد سے پہلے پوچھا" کسی مضمون میں کوئی مشکل ہو تو بتاؤ۔"

نہیں ابو کوئی مضمون مشکل نہیں ہے۔مما ہمیں دو گھنٹے خود پاس بیٹھ کر پڑھاتی ہیں اور سبق یاد کرواتی ہیں۔"

نورالعین سے پوچھا یہی سوال" نہیں ابو کوئی پرابلم نہیں ہے۔مما سب یاد کروا دیتی ہیں۔"

ارمان لمبی سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔خیال میں مائرہ خود بخود بے اختیار آ گئی۔مائرہ بچوں سے واقعی بہت پیار کرتی تھی۔ان کو صاف ستھرا رکھتی اور بچوں کی عادت صاف ستھرا رہنے کی ڈالنے کے لئے گندگی سے انہیں دور رکھتی تھی۔ارمان کی آنکھیں بند دیکھ کر احمد نے پوچھا" پاپا آپ کو نیند آ رہی ہے۔"

ارمان سر جھٹکتے ہوئے بولا" نہیں تو بالکل بھی نہیں۔" ویٹر آئس کریم لے آیا تینوں بچوں کو آئس کریم کھاتے دیکھ کر ارمان لطف اندوز ہو رہا تھا۔آئس کریم کے بعد بچوں کو لے کر باہر آ گیا۔بچے ارمان کے دائیں بائیں ہاتھ پکڑے بہت خوش خوش چل رہے تھے۔ان کے ساتھ ارمان سب غم بھول کر چل رہا تھا۔گاڑی میں ہادی آگے بیٹھ گیا نور اور احمد پیچھے بیٹھ گئے۔راستے میں بچے ارمان سے مختلف سوالات کرتے رہے۔ارمان بہت محتاط انداز میں بچوں کو جواب دے رہا تھا۔گھر پہنچ کر بچے ارمان سے ملے اور احمد نے بیل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ مائرہ نے گیٹ کھول دیا۔

نور خوشی سے بولی" آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ہم آ گئے ہیں۔"

مائرہ جواب میں کچھ نہ بولی اور احمد نے دوبارہ پاپا کی طرف دیکھا جو کہ ہادی کو چوم رہے تھے۔

ہادی ارمان کا ہاتھ پکڑے زبردستی ضد کر کے اندر آنے کو کہہ رہا تھا۔

نور بھی ہادی کے ساتھ ہو لی اور بولی

" پلیز پاپا کچھ دیر آ جائیں چائے پی کر چلے جایئے گا۔"

احمد بھی واپس پلٹا اور ارمان کا ہاتھ پکڑ کر بولا

''پاپا آ جائیں! پلیز چائے پی لیجئے گا ویسے بھی آپ نے آئس کریم نہیں کھائی۔''

اس بات پر مائرہ حیرانگی سے دیکھنے لگی اور کھڑے کھڑے ماضی میں کھو گئی۔

ارمان اسے چھٹی کے دن آئس کریم کھلانے ضرور لے کر جاتا تھا۔آئس کریم سامنے رکھے مائرہ کو پکارا۔

''مائرہ پتہ ہے آئس کریم مجھے بہت پسند ہے لیکن صرف اور صرف تمہارے ساتھ۔''

مائرہ نے شرارتاً پوچھا۔

''اور اگر میں نہ ہوں تو آئس کریم نہیں کھائیں گے۔''

ارمان بے نیازی سے بولا تھا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بالکل بھی نہیں۔''

بچوں کی ضد دیکھ کر ارمان اندر آ گیا۔مائرہ نے سب کے اندر جانے کے بعد گیٹ بند کر دیا۔

ارمان نے باہر ٹیرس پر بیٹھنے کی خواہش کی اور بچوں کے ساتھ ٹیرس پر آ گیا۔

مائرہ چائے لے کر آئی اور خود بھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ارمان نے مائرہ کے اترے چہرے پر نظر ڈالی اور بچوں سے باتیں کرنے لگا۔

بچوں نے ارمان کو اپنے سکول کی رپورٹ کارڈ دکھائی تینوں کی اول پوزیشن دیکھ کر ارمان کے خزاں دیدہ چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

مائرہ جو کن اکھیوں سے ارمان کو دیکھ رہی تھی سوچ رہی تھی کہ ارمان تو جیسے صدیوں کا بیمار ہو یہ کیسے ایسا ہوا ہے۔

بچے اپنی رپورٹ کارڈ رکھتے چلے گئے۔

مائرہ نے سرسری نظر ڈالتے پوچھا۔''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔''

ارمان خالی الذہن بغیر سوچے سمجھے بولا

''کیوں کیا ہوا ہے طبیعت کو؟''

مائرہ آہستگی سے بولی

''نہیں کسی نے تو کچھ نہیں کہا لیکن بہت کمزور دکھائی دے رہے ہیں۔''

''ہاں پچھلے دنوں کچھ بیمار رہا تھا اب ٹھیک ہوں۔''

''کیا ہوا تھا؟''

''کوئی خاص نہیں لیکن اب بالکل ٹھیک ہوں۔''

بچے واپس آ کر ارمان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔مائرہ کام کا کہہ کر اندر چل دی۔

ارمان کچھ دیر بچوں سے باتیں کرتا رہا اور باغ باغ ہو گیا۔کچھ دیر بعد اٹھ کر بچوں کو پیار کیا اور دوبارہ آنے کا کہہ کر گیٹ کی طرف چل

دیا۔ گیٹ کے قریب دوبارہ بچوں سے ملا اور باہر نکل گیا۔ راستے میں ارمان بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ جیسے بہت کم وہ محسوس کرتا تھا۔ گیٹ پر پہنچا ہی تھا کہ ڈاکٹر سکندر پر نظر پڑی وہ بہت خوش ہوا اور جلدی سے گاڑی اندر کر کے دوست سے گیٹ پر ملا۔

ڈاکٹر سکندر گرمجوشی سے گلے ملتے ہوئے بولا

''کہاں غائب ہو گئے تھے میں پریشان ہو گیا تھا۔''

''پہلے بیٹھ تو جاؤ کہ کھڑے کھڑے سارے سوال پوچھو گے۔''

دونو ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔''

''کہاں غائب تھے تم نے تو مجھے پریشان ہی کر دیا۔'' ڈاکٹر سکندر نے دوبارہ سوال دہرایا۔

ارمان مسکراتے ہوئے بولا ''شکر ہے تمہیں خیال تو آ گیا۔''

ڈاکٹر سکندر بغور ارمان کو دیکھتے ہوئے بولے

''آج بہت خوش لگ رہے ہو کہاں سے آ رہے ہو۔''

''کچھ نہیں بچوں سے ملنے گیا تھا ان کو شاپنگ کروائی ہے اور گھمایا پھرایا ہے۔''

''یہ تم نے بہت اچھا کیا بچوں کو لے جایا کرو تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔''

ارمان سر ہلاتے ہوئے بولا ''لے جاتا ہوں ہفتے میں ایک مرتبہ۔''

ڈاکٹر سکندر شرارتاً بولا ''میں سمجھا تھا کوئی نئی بھابی کا چکر ہے اس لئے خوش ہو۔''

ارمان ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بولا ''اونو توبہ ہے بابا۔''

ڈاکٹر سکندر مزید چھیڑتے ہوئے بولا ''اس کے لئے تو ہم سب دوست کوشش کر رہے ہیں تمہارا رشتہ دیکھنے تو جانا ہے سوچا تم سے پوچھ لوں اسی لئے تو آیا ہوں۔''

ارمان نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں تو نہیں کر سکتا البتہ تم کر لو۔''

ڈاکٹر سکندر چڑاتے ہوئے بولا ''تمہیں ضرورت ہے اس لئے تمہیں کروانی ہے۔''

ارمان کو افسردہ دیکھ کر ڈاکٹر سکندر خاموش ہو گیا کچھ دیر بعد بولا

''کیوں دوبارہ نہیں سوچ سکتے۔''

ارمان مختصراً بولا ''بس ایسے ہی۔''

ڈاکٹر سکندر کو ارمان کی حالت پر ترس آ گیا موضوع بدلتے ہوئے بولا

''بچے کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔''

''اور مائرہ''

''وہ بھی ٹھیک ہے۔''

''تم نے اچھا کیا جو فلیٹ ان کو لے کر دے دیا ہے۔''ڈاکٹر سکندر نے سراہتے ہوئے کہا۔

ارمان نظریں نیچے جھکائے خاموش بیٹھا رہا کچھ دیر بعد خود ہی بولا۔''مجھے ایسا شروع ہی سے کر لینا چاہیے تھا نجانے کتنی مشکلات سہی ہوں گی۔انہوں نے وہاں پر۔''

ڈاکٹر سکندر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا''ہاں بھابیاں کہاں برداشت کرتی ہیں ایک دن نہیں نندوں کا رہنا پسند کرتی اور مستقبل اس طرح سے آنا۔''

ارمان ہونٹ پر زبان پھیرتے ہوئے بولا

''انسان بہت کم ظرف چیز ہے اس کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب اس سے واسطہ پڑتا ہے۔''

ڈاکٹر سکندر تائید کرتے ہوئے بولا''یہ میرا فرض تھا ایک تو میں نے بلا کسی وجہ کے اسے طلاق دے دی اور دوسرا اسے دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔''

ڈاکٹر سکندر تعریف کرتے بولا''تم نے بہت اچھا کیا ہے ہر کسی کو اپنے بچوں کا سوچنا چاہیے۔

ارمان آہ بھرتے بولا''پتہ ہے جب میں گھر آتا ہوں تو گھر خالی دیکھ کر بہت افسردہ ہو جاتا ہے۔دکھ کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے رگ و پے میں۔''

ڈاکٹر سکندر مسکراتے ہوئے بولا''ہاں جب میں گھر آتا ہوں شام کو تو بچوں کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور جب بچے آکر لپٹ جاتے ہیں تو ساری تھکن یکدم اتر جاتی ہے۔''

ارمان مسکراتے ہوئے بولا''واقعی جب میں بچوں سے ملنے جاتا ہوں ان کو باہر لے کر جاتا ہوں تو میں بہت ہلکا پھلکا اور خوشی محسوس کرتا ہوں۔''

ڈاکٹر سکندر نے ارمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا''ہفتے میں کتنی مرتبہ بچوں سے ملنے جاتے ہو۔''

ارمان مختصر جواب دیتے ہوئے بولا''ایک مرتبہ۔''

''ایک مرتبہ ٹھیک ہے تربیت تو دونوں ہی کر سکتے ہیں۔''

''ہاں مائرہ اچھی تربیت کر رہی ہے اچھے آداب کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔''

''ظاہر ہے بھابی تو اچھی خاصی تعلیم یافتہ ہیں اچھی ہی تربیت کریں گی۔''

ارمان کچھ سوچتے ہوئے بولا''ہاں ماں کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا جو لوگ بچے اپنے پاس رکھ کر خادماؤں سے دیکھ بھال کرواتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر سکندر تائید کرتے ہوئے بولا''ہاں پھوہڑ سے پھوہڑ ماں بھی پڑھی لکھی دوسری عورتوں کا مقابلہ میں اپنے بچوں کی بہت بہترین تربیت کرسکتی ہے۔''

ارمان کچھ سوچتے ہوئے بولا''ماں کے دل میں اولاد کے لئے تڑپ ہوتی ہے باقی کسی کو کیا پرواہ ہوسکتی ہے اسی لئے بچے مارہ کو دے دیئے اور وہ بے قصور بھی تھی غلطی میری ہی تھی پھر اس کو اتنی سزا کیوں دیتا؟''

ڈاکٹر سکندر ہونٹ چباتے ہوئے بولا''تم سے بچے مختلف سوالات تو کرتے ہوں گے۔''

''ہاں بہت سوالات کرتے ہیں بعض کا جواب بھی مشکل ہوجاتا ہے۔''

''لیکن تحمل اور ٹھنڈے مزاج سے بچوں کی بات سن کر ان کو مطمئن کرنا چاہیے۔''

''ہاں ڈاکٹر صاحب آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

سمیر چائے لے کر اندر داخل ہوا۔ دونوں اس کو دیکھتے رہے چائے رکھ کر واپس چلا گیا تو ڈاکٹر سکندر آہستہ سے بولا

''ایک بات کہوں مائنڈ نہ کرو تو۔''

ارمان آنکھیں سکیڑتے ہوئے بولا

''پہلے کبھی مائنڈ کیا ہے جواب کروں گا۔''

ڈاکٹر سکندر نظریں ارمان پر مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

''تم شام میں کوئی باقاعدہ کام شروع کردو۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تمہارا رہنا ٹھیک نہیں ہوتا دن بدن تمہاری صحت گرتی جارہی ہے۔''

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو شام کو میرا وقت بھی مشکل سے کٹتا ہے تنہائی ایک عذاب ہی ہے جو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے۔ اور پتہ بھی نہیں چلنے دیتا۔''

''دوستی بھی تو تنہائی کا حل ہے ہم دوست تمہارے ساتھ ہیں۔''

''ہاں اس بات کا پتہ ہے اسی لئے تم لوگوں کے ساتھ وقت گزارتا ہوں۔''

ڈاکٹر سکندر مزید وضاحت کرتے ہوئے بولے''ارمان تنہا رہنا اتنا ہی خطرناک ہے جتنا سگریٹ نوشی' ہائی بلڈ پریشر' کولیسٹرول کی زیادتی وغیرہ وغیرہ۔''

ارمان آہ بھرتے ہوئے بولا" ہاں جانتا ہوں جو لوگ تنہا رہتے ہیں ان کے مرنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر سکندر موضوع بدلتے ہوئے بولا" ہم سب دوست سیر کا پروگرام بناتے ہیں۔"

ارمان ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولا" ٹھیک ہے چلو جگہ سب کی مرضی کے مطابق سیٹ کرتے ہیں۔"

چائے پر نظر ڈالتے ہوئے ارمان بولا" لو چائے اور یہ سموسے تازہ ہیں۔"

ڈاکٹر سکندر ہنستے ہوئے بولا" نظر آ رہے ہیں گھر کے بنے ہوئے ٹیڑھے میڑھے۔"

دونوں کھلکھلا کر ہنس دیئے اور چائے کے ساتھ سموسے کا مزہ لیتے ہوئے ارمان بولا" ذائقہ تو اچھا ہے شکل جیسی بھی ہے۔"

ڈاکٹر سکندر پلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا" خالی ہو جائے گی ابھی تھوڑی سی دیر میں۔"

"سمیر کے ہاتھ میں ذائقہ اچھا ہے۔"

"محنت سے بناتا ہے کھانا اور سب چیزیں اسی لئے تو ذائقہ ہے۔"

"ویسے جب یہ چھٹیوں پر جاتا ہے تو تم کیا کرتے ہو۔"

"میں اس وقت اس کو چھٹیوں پر بھیجتا ہوں جب مجھے دوسرے ملک بزنس کے سلسلے میں جانا ہوتا ہے۔"

"واہ کیا سکیم نکالی ہے واقعی تم بہت Jenius ہو ارمان۔"

"جینیس تو نہیں کہہ سکتے اگر واقعی جینیس ہوتا تو آج اس طرح تنہا ہوتا۔" ارمان نے افسردگی سے کہا۔

"غلطی ہو جاتی ہے اس میں عقل مند ہونے اور بے وقوف ہونے کا کیا تعلق ہے۔"

"نہیں سکندر! عقلمند اتنے غلط فیصلے نہیں کرتا کہ ساری زندگی پچھتانا پڑے۔"

ڈاکٹر سکندر تسلی دیتے ہوئے بولا

"ہو جاتی ہے غلطی بڑے بڑے لوگوں سے بھی تو غلطی ہو جاتی ہے۔"

ارمان کپ رکھتے ہوئے بولا

"انسان کی انا اس کو بہت بری طرح مات دیتی ہے نہ انسان ادھر کا رہتا ہے اور نہ ادھر کا سمجھو کہیں کا نہیں رہتا اور والدین کے سامنے انا تو انسان کو ہر جگہ ہرا دیتی ہے۔"

ڈاکٹر سکندر جواباً خاموش رہا اور چائے کے ساتھ آخری سموسہ اٹھاتے ہوئے ارمان کو دکھا کر کہا" بس اتنی سی تو بات تھی۔"

ارمان ہنس کر سکندر کو دیکھتے ہوئے بولا" میں نے صرف دو کھائے ہیں باقی چار تم نے کھا لئے ہیں۔"

ڈاکٹر سکندر طنز کرتے ہوئے بولا" تمہاری پرہیز یہ کہ دو سموسے مزے لے کر کھا لئے۔"

ارمان سر پکڑ کر بیٹھ کر سکندر کو کھاتا دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر سکندر کھا کر چائے کا آخری سپ لیتا ہوں ارمان کی طرف فخریہ انداز میں دیکھنے لگا۔

جواب میں ارمان بھی مسکرا دیا۔

ڈاکٹر سکندر ارمان کو مسکراتا دیکھ کر خوش ہو گیا اور لمبی آہ لے کر ارمان کو دیکھنے لگا۔

ارمان سکندر کو اس طرح دیکھتے ہوئے اپنی طرف متوجہ جان بوجھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دوبارہ ارمان کی نظر سکندر پر پڑی تو سکندر ابھی تک ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔

ارمان کو بے چینی ہونے لگی وہ ہونٹ چبا کر ضبط کرتے ہوئے بولا ''خیریت ایسے کیوں دیکھ رہے ہو۔''

سکندر خیالات سے باہر آتے ہوئے '' کچھ نہیں تمہاری مسکراہٹ غضب کی ہے اسی پر سوچ رہا تھا۔''

ارمان ہنستے ہوئے بولا ''بات کوئی اور ہے۔''

''سچ میں یہی بات ہے تمہاری مسکراہٹ واقعی بندے کو دہلا دینے والی ہے۔ ویسے تو بھابی فدا نہیں ہوئی تھی۔''

ارمان یہ سن کر حیران ہوا اسے جیسے اس بات سے دھچکا لگا ہو۔ وہ فرش کی طرف نظریں جمائے دیکھنے لگا۔ دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔

ڈاکٹر سکندر سکوت توڑتے ہوئے بولا '' کیا سوچ رہے ہو۔ اگر میری بات بری لگی تو سوری۔''

ارمان ماتھے پر بل ڈالے بولا ''نہیں تمہاری بات نہیں بری لگی ہم تو اتنا اتنا ایک دوسرے کا مذاق کر جاتے ہیں۔''

سکندر بات کاٹتے ہوئے بولا ''تو پھر موصوف وجہ بتانا پسند کریں گے۔''

ارمان آہستگی سے بولا ''ویسے عورت کو مرد پر نظر بھی نہیں ڈالنا چاہیے۔''

ڈاکٹر سکندر قہقہہ لگاتے ہوئے ''وہ کیوں؟''

ارمان شکستہ دلی سے بولا ''ساری خرابیاں یہاں سے شروع ہوتی ہیں۔''

ڈاکٹر سکندر حیران ہوتے ہوئے بولا ''تو جو آپ کے آفس میں ہیں۔''

ارمان سر جھٹکتے ہوئے بولا ''میرا مطلب ہے کام کے علاوہ بات نہیں کرنی چاہیے۔''

''تو یوں کہو نا کہ گپیں نہیں لگانی چاہئیں۔''

''ہاں یونہی سمجھ لو یہی میرا مطلب ہے۔''

''یہ تم نے ٹھیک کہا بغیر کام کے کسی سے بات کی کوئی تک بھی نہیں بنتی۔''

ارمان مایوسی سے بولا

''تمہیں پتہ ہے سکندر ساری خرابیاں ہی مرد اور عورت کی گپ شپ سے جنم لیتی ہیں میری ہی مثال لے لو نہ بات چیت رکھتے تو آج حالات مختلف ہوتے نہ ماں باپ اور اپنے گھر والے کھوتا اور نہ یوں تنہا زندگی میرا مقدر بنتی اب سوائے پچھتاؤں کے اور کچھ نہیں ہے۔''

ڈاکٹر سکندر تائید کرتے ہوئے بولا ''یہ تو ٹھیک ہے مرد کو بھی کسی کی طرف شروع سے مائل نہیں ہونا چاہیے۔ نہ کسی سے بلا وجہ بات چیت

رکھنی چاہیے ورنہ تو ضرور پھسل جاتا ہے۔''

''پھسل نہ کہو تباہ و برباد کہو۔'' ارمان اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

ڈاکٹر سکندر حقیقت بتاتے ہوئے بولا'' مرد کی شان یہ نہیں ہونی چاہیے کہ وہ عورت سے بات چیت رکھے یا ان کی طرف راغب ہو۔''

کچھ دیر رک کر مزید بولا

''اگر سچ پوچھو تو ایک مرتبہ عورت کی طرف راغب ہونا شروع ہو جاؤ تو پیچھے ہٹنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔''

ارمان طنزیہ مسکراہٹ سے بولا

''عورت کی محبت انسان کو اپنے میں اس طرح جکڑ لیتی ہے کہ وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔''

ذرا رک کر مزید بولا

''دیکھو نا کہ اس میں سوچ نہیں رہتی کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر ہونے لگتا ہے۔''

''ہاں ارمان یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا تمہیں پتہ ہے کہ واقعی جو انسان ان چکروں میں پڑ جاتا ہے وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔''

ارمان کچھ سوچتے ہوئے بولا'' انسان سے اس کا اصل مقصد دور ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی سوچ کا محور وہی ہو جاتی ہے پھر ہر کام میں ناکامی تو پکی ہو جاتی ہے۔''

سکندر تائید کرتے ہوئے بولا'' ویسے شادی والدین کی مرضی سے ہی زیادہ کامیاب اور پائیدار رہتی ہے۔''

ارمان افسردگی سے بولا'' ہاں یہ درست ہے کیونکہ ہر عورت میں کچھ نہ کچھ خامیاں ضرور ہوتی ہیں۔''

ذرا رک کر مزید بولا

''ہر عورت میں کچھ خوبیاں اور کچھ خامیاں ہوتی ہیں کوئی مکمل طور پر خوبیوں والی اور مکمل طور پر خامیوں والی نہیں ہوتی بس کمپرومائز تو کرنا پڑتا ہے چاہے خود پسند کر کے وقت ضائع کرتے رہو یا وقت ضائع کئے بغیر ماں باپ کی پسند سے کر لو۔''

ڈاکٹر سکندر جو غور سے ارمان کی بات سن رہا تھا ٹھہر کر بولا'' ماں باپ کی پسند زیادہ کامیاب رہتی ہے اپنی پسند میں توقعات دونوں طرف بہت زیادہ ہوتی ہیں۔''

ارمان بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''ہاں یہ ہے محبت کی شادی میں دونوں طرف زیادہ توقعات ہوتی ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ لڑائی جھگڑوں کا سبب بنتی جاتی ہیں اور خرابیاں ہو جاتی ہیں۔''

سکندر کچھ خاموشی سے ہونٹ چباتے ہوئے ارمان کو کچھ دیر دیکھتا رہا اور پھر لمبی آہ لے کر بولا۔

''تمہیں پتہ ہے کہ آج کل اتنی زیادہ علیحدگی اور طلاقیں ہو رہی ہیں یعنی شرح بہت بڑھ رہی ہے کہ دانش مند طبقہ سر پکڑ کر رہ گیا ہے۔''

ارمان چھت کو گھورتے ہوئے بولا" ہاں آبادی بھی تو بڑھ رہی ہے لیکن زیادہ تر شرح پڑھی لکھی لڑکیوں کی ہے جو ڈاکٹر سکندر ماتھے پر بل لاتے ہوئے بولا" وہ کیوں؟"

" ظاہر ہے پڑھی لکھی لڑکیاں مردوں کی روک ٹوک برداشت نہیں کرتی بالکل بھی تو ایسے میں گھر بن سکتے ہیں۔" ارمان حقیقت بتاتے ہوئے بولا ڈاکٹر سکندر سوال کرتے ہیے بولا" تو غلطی کس کی ہے؟ کیا لڑکیوں کو پڑھانا نہیں چاہیے۔"

ارمان نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا" او پڑھانا ضرور چاہیے تعلیم تو شعور دیتی ہے۔"

یہ کہہ کر کچھ رک گیا۔

سکندر مزید سوال کرتے ہوئے بولا" تو کیا یہ شعور ہے کہ گھر اجڑ رہے ہیں۔"

ارمان نظریں قالین پر مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

" نہیں تعلیم کے دوران تربیت کی کمی اور تعلیم میں صحیح شعور بیدار کرنے کی کمی ہے کہ صحیح تعلیم نہیں دی جا رہی ہے۔"

سکندر الجھے ہوئے انداز میں بولا" تو تربیت کس نے کرنی ہے۔"

ارمان اطمینان سے بولا" والدین نے، اور اساتذہ نے، اور ماحول نے جس میں کہ بچہ پروان چڑھتا ہے۔"

سکندر لمبا سانس لیتے ہوئے بولا۔" کیا اس طرح مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

ارمان یقین سے بولا" ہاں کیوں نہیں؟"

سکندر اپنا خیال بیان کرتے ہوئے بولا" نہیں ارمان بالکل نہیں۔"

ارمان حیرت سے دیکھتے ہوئے" وہ کیوں؟"

سکندر سوچتے ہوئے بولا" آپ کسی کو جتنا مرضی سمجھا لیں اس کو سب باتیں سکھا دیں لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔"

ارمان آنکھیں سیکتے ہوئے" وہ کیسے اور کیوں؟"

سکندر سمجھاتے ہوئے" وہ اس لئے کہ دیکھو سب کو پتہ ہے کہ ماں باپ کا حکم ماننا ہے فرمانبرداری کرنی چاہیے لیکن جونہی محبت ہو جائے تو کیا لڑکی اور کا لڑکیاں دونوں سب کچھ بھول کر چل پڑتے ہیں۔"

ارمان مثبت میں سر ہلاتے ہوئے" ہاں یہ تم نے ٹھیک کہا لیکن جب تربیت ہوگی تو ایسا نہیں ہوگا۔"

ذرا رک کر مزید بولا

" تربیت میں یہی تو سمجھانا ہے کہ کوئی بھی اچھا مقام بغیر قربانیوں کے حاصل نہیں کر سکتا۔ اور گھر بنانے کے لئے تو دونوں کو ہی بے تحاشا مقامات پر ایک دوسرے کے لئے راہ ہموار کرنی پڑتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایک دوسرے کی بات ماننا پڑتی ہے۔ اور اس میں اپنی نفی کر کے ہی رشتے قائم رکھے جا سکتے ہیں۔

سکندر ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے" ہاں محترم یہ تو آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔"

ارمان مزید بولا" بس ہر رشتے کو قائم رکھنے کے لئے اپنی ذات کی نفی بھی کرنی پڑتی ہے۔تب ہی گھر قائم رہتے ہیں۔یوں سمجھ لو کہ انا کو مار کر رشتے قائم رکھے جا سکتے ہیں ورنہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔"

سکندر ماضی میں جھانکتے ہوئے بولا" پہلے لڑکیوں کو باقاعدہ سکھایا جاتا تھا کہ شوہر کا درجہ بلند ہوتا ہے اس کی بات ماننے کا سمجھایا جاتا تھا۔"

ارمان بات کاٹتے ہوئے" چاہے غلط بات کہتا رہے۔"

ڈاکٹر سکندر ٹھہر کر مزید بولا" نہیں وقتی طور پر صبر کر کے اچھے طریقے سے بھی تو راہ راست پر لایا جا سکا ہے۔بعد میں احساس دلایا جا سکتا ہے یہ کیا کہ ذرا ذرا سی بات پر بیخ پا ہو جاؤ تو گھر کیسے بن سکتے ہیں۔"

ارمان تائید کرتے ہوئے بولا" ہاں صبر بہت بڑی چیز ہے تو مشکل لیکن اس کے نتائج بہت مثبت اور اعلیٰ ہوتے ہیں۔واقعی اگر عورت صبر سے کام لے تو بڑے سے بڑا اور بگڑا ہوا انسان بھی راہ راست پر آ جاتا ہے لیکن اس کے برعکس اس کو طعنے دینے یا طنزیہ گفتگو کرنے سے مزید بے راہ روی کی طرف دھکیلنے والی بات ہوتی ہے۔"

سکندر ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولا" عورتیں اور طنز نہ کریں یہ ناممکن سی بات ہے ان کو ساری عمر ہی نوازتے رہو ذرا سی کمی ہونا شروع ہوئی بس سکون غارت کر کے رکھ دیتی ہیں۔"

ارمان مسکراتے ہوئے بولا" یہ تم سچ کہہ رہے ہو لیکن برداشت دونوں طرف ہونی چاہیے اسی طرح برداشت سے ہی مسئلے حل ہوتے ہیں اور اگر حقیقت میں دیکھو تو صبر بہت سے مسائل کا حل ہے۔آہستہ آہستہ مختلف طریقوں اور گاہے بگاہے مختلف مثالوں سے سمجھایا جا سکتا ہے۔"

کچھ دیر رک کر بولا

آج کل ہم سب میں صبر نہیں ہے ہم یکدم تبدیلی چاہتے ہیں۔یہ سوچ بنا کہ ہر کام میں کچھ وقت لگتا ہے۔کام درست ہو جاتے ہیں۔"

سکندر مزید اضافہ کرتے ہوئے بولا" ہم کچھ وقت انتظار کئے بغیر سوچتے ہیں کہ مسئلہ حل فوری نہیں ہو رہا۔زچ ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ لڑائی جھگڑوں کی صورت میں نکلتا ہے اور لڑائی جھگڑے ایک مرتبہ شروع ہو جائیں تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتے بلکہ وقت کے ساتھ بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔"

ارمان نے سکندر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا" لڑائی جھگڑوں میں زیادہ قصور کس کا ہوتا ہے۔"

سکندر دونوں ہاتھ اوپر کر کے تالی بجاتے ہوئے بولا" تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے دونوں ہی طرف سے لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں اگر ایک بھی خاموش ہو جائے تو جھگڑا ختم۔"

ارمان زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا" وہ ایک کسی بزرگ کے پاس چرب زبان عورت گئی اور ان کو بتایا کہ میری بہوئیں بہت فسادی ہیں روزانہ مجھ سے لڑائی جھگڑا کرتی ہیں۔وہ صاحب پہچان گئے کہ یہ بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے ایک کاغذ لے کر اس پر ویسے ہی لکیریں ڈال کر بند

کر کے کہا کہ آئندہ جب بہوئیں لڑائی کریں تو یہ منہ میں دانتوں کے نیچے دبا دینا لیکن احتیاط سے کہ گرے نہ ورنہ تمہارا بہت نقصان ہو جائے گا ارمان ہنستے ہوئے بولا یار سکندر وہ عورت دو ہفتے بعد انہی کے پاس آئی اور کہا بہت اچھا تعویز تھا گھر میں جھگڑے ختم ہو گئے بہوئیں اچھی ہو گئیں تو عورت کے جانے کے بعد بزرگ ہنسے اور سب سے کہا کہ دانت میں تعویز دبانے سے یہ بول نہیں سکی تو اگلے نے خاموشی اختیار کر لی ورنہ اس پر تو کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔''

سکندر کچھ سوچتے ہوئے بولا'' پہلے اخلاق و کردار کی تربیت دی جاتی تھی۔ اچھی سیرت پر توجہ دی جاتی تھی اور بیہودہ اور لغو کاموں میں وقت برباد نہیں کیا جاتا تھا۔ سوچ ہوتی تھی اس کی وجہ سے گھر گھر تھے اور آج کل نتائج سامنے ہیں۔''

ارمان آہستگی سے بولا'' ہاں یہ موبائل تو بربادی کا دوسرا نام ہے لڑکیوں جو اچھی خاصی عورتیں یا لڑکیوں سے دوستی کر لیتے ہیں اور گھر کے گھر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔''

''ہاں یہ ہے ارمان وہ ہمارے ہمسایے میں وسیم ہے اس نے اپنی بیوی سے صرف اتنا کہا کہ موبائل نہ رکھو تو اس نے اس سے طلاق لے لی۔''

''ظاہر ہے کیسے میاں منع نہ کرے وہ گھر آئے تو میاں کی موجودگی میں اس کو وقت دینا چاہیے نہ کہ دوستوں کے ساتھ میسجز کرتی رہیں۔''

ارمان پر شکنیں ماتھے پر۔۔۔ ارمان سوچتے ہوئے بولا

''اب دونوں انا میں اتنا آگے نکل جاتے ہیں کہ نہ بچوں کا سوچتے ہیں اور نہ کسی اور کا پہلے برداشت سے کام لیا جاتا تھا اب گھرانا کا شکار ہو گئے ہیں۔

سکندر آنکھیں سکیڑتے ہوئے بولا'' پہلے پہل عورت مرد کو سربراہ سمجھ کر عزت بھی ویسی دیتی تھی بات مانتی تھی تو گھر قائم رہتے تھے اور آج کل لڑکیاں اپنے آپ کو ہیروئن سمجھتی ہیں۔ کام تک کرنا معیوب سمجھتی ہیں پھر گھر کیسے قائم رہ سکتے ہیں۔

کچھ دیر رک کر مزید بولا

ارمان لمبی سانس لیتے ہوئے بولا'' پہلے شادی شدہ عورت کسی غیر مرد سے بات گناہ سمجھتی تھی اور اب شادی شدہ اور غیر دونوں ہی بے حیا ہو چکی ہیں۔''

''اب دولت کے چکروں میں سب کچھ کیا جاتا ہے۔ لڑکیاں دولت دیکھ کر پاگل ہوئی ہوتی ہیں چاہے اس کے دس بچے ہوں۔'' سکندر نے کہا۔

ارمان تائید کرتے ہوئے بولا'' پہلے عورت ایک بچے کے ساتھ یا سات بچوں کے ساتھ بیوہ ہوتی تھی عزت سے محنت مزدوری کر کے پالتی تھی اور آج کل ہیروئن بننے کے چکروں میں محنت مزدوری تو دور کی بات بچوں کو ہی نہیں پوچھتی۔''

سکندر نفی میں سر ہلاتے ہوئے''نہیں زیادہ تر مائیں آج بھی اولاد کے لئے بہت کچھ کرتی ہیں معاشرہ بھی تو عجیب ہے تنگ طرح طرح سے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ میں تمہیں اپنے جاننے والی باجی کا سچا واقعہ بتاتا ہوں کہ وہ باجی بہت جلدی عمر میں بیوہ ہو گئی تھیں وہ خوددار تھیں خود

جاب کر کے اپنا اور بچوں کا خرچہ اٹھاتی تھیں لیکن انہوں نے ایک بزرگ سے نکاح کر لیا جو کہ ادھر سال میں صرف ایک دو دن کے لئے آتا تھا اور اس سے کچھ نہ لیتی تھی بہن نے پوچھا جب تم اس سے کچھ نہیں لیتی تو نکاح کیوں کیا تھا اس پر اس نے بتایا کہ روزانہ کوئی نہ کوئی چھوٹا بڑا پرپوزل بھیج دیتا تھا اور تنگ کرتے تھے اب کوئی ایسا نہیں کہتا اور وہ تو سال میں ایک دو دن ہی آتے ہیں سب کی زبانیں تو بند ہیں۔"

ارمان افسردگی سے بولا" ہاں عورتیں مظلوم بھی بہت ہوتی ہیں۔ سسرال میں ہی بیچاریوں پر کتنے مظالم بھی ڈھائے جاتے ہیں یہ داستانیں بھی کم نہیں ہیں۔ گھر گھر میں کسی نہ کسی طرح استحصال ہو رہا ہوتا ہے کبھی ساس کے ہاتھوں کبھی نندوں کے ہاتھوں اور کبھی میاں کے ہاتھوں۔"

سکندر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا" ہاں جہاں کسی کی کمزوری ہو وہاں اس کا استحصال ہی تو ہوتا رہتا ہے۔"

ارمان آہ بھرتے ہوئے بولا" یہ دکھ کی بات ہے نوکرانیوں سے بدتر سلوک رکھا جاتا ہے اور جب وہ بول لے یا سہہ نہ سکے تو اس پر کبھی چولہا پھٹ جاتا ہے تو کبھی کچھ۔"

یہ کہہ کر ارمان خاموش ہو گیا۔ دونوں طرف ہی خاموشی چھا گئی ارمان کچھ دیر بعد بولا" جی چاہتا ہے کہ ایسے گھروں کو آگ لگا دوں جہاں بلاوجہ عورتوں پر ظلم ہوتا ہے۔"

سکندر ماتھے کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے بولا" ارمان قدرت بہت بڑا ایسے گھروں سے انتقام لینا جانتی ہے دیکھ لو جہاں جہاں عورتوں کا استحصال ہوا ظلم ہوا وہ لوگ زندگی میں ایسے ناکام اور ذلت کا شکار ہوئے قدرت بدلے موڑ دیتی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں تو حساب اور ہی کڑا ہوگا۔"

ارمان ہاتھ بند کرتے ہوئے بولا" اور ان عورتوں کی ذہنی و جذباتی شدت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جن کے شوہر دوسری عورتوں کے ساتھ وقت گزارتا ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ عورت چاہے مشرق کی ہو یا مغرب کی جب اس کا شوہر دوسری عورتوں کے ساتھ وقت گزاری کرتا ہے تو وہ بہت اپنے آپ کو ان سکیور اور قابل رحم سمجھتی ہے۔

سکندر افسردگی سے بولا" لیکن یہ تو بہت زیادہ ہوتا ہے جا رہا ہے مغرب تو مغرب مشرق بھی پھیلتا جاتا ہے۔" سکندر گھڑی پر نظر پڑتے ہی بول اٹھا اور ارمان مجھے کلینک جانا ہے بس گزرتے ہوئے سوچا حال پوچھوں کافی دن ہو گئے تھے فون پر بات نہیں ہوئی تھی۔ سکندر یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور ارمان بھی گیٹ تک ساتھ ہو لیا۔

ارمان سکندر سے بات چیت کے بعد کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ واپس کمرے میں آ کر بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ساری باتیں بار بار گونجنے لگیں۔ مائرہ کے ساتھ گزرے وقت میں اس کے ساتھ غصے سے پیش آنا باری باری ذہن میں گھومنے لگا۔ مائرہ کی خاموشی اور صبر اب ارمان کو بار بار یاد آنے لگا۔ ارمان کو اب اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہو رہا تھا وہ اپنے آپ کو اس حصار سے باہر نکالنا چاہتا تھا اس لئے موبائل اٹھایا اور

اکرم کا نمبر ملایا اکرم کا نمبر مصروف ملا کچھ دیر بعد دوبارہ ملایا لیکن نمبر مسلسل مصروف رہا تھا۔ موبائل رکھ کر ارمان دوبارہ مائرہ کی یادوں میں کھو گیا۔ یہ یادیں اب ارمان کو تنگ کر رہی تھیں وہ زچ ہو کر کھڑا ہونے کے لئے اٹھا۔ سلیپر پہننے کے بعد کھڑے ہونے کی جیسے طاقت نہ ہو۔ وہ کھڑا ہوتے ہوئے لڑکھڑا گیا اور اس بات پر حیران ہوا کہ کیوں ایسا لگتا ہے کہ وجود کو اب سہارے کی ضرورت ہے ورنہ تو یہ بہت بھاری بوجھ لگنے لگا ہے۔ جیسے نجانے میں کتنے عرصے سے بیمار ہوں وہ دوبارہ بیٹھ گیا اور دراز سے آئینہ نکال کر اپنا جائزہ لینے لگا۔ آنکھوں پر موٹے شیشوں والی عینک' سفید بال' رنگت زرد بالکل ایسے جیسے سمندر کے کنارے ڈوبتے سورج کا آخری منظر ہو اور آنکھوں میں حد درجہ اداسی کسی شام کے غروب ہوتے سورج کا پتہ دے رہی تھی۔ ڈوبتے سورج سے اسے وہ منظر یاد آنے لگا جب وہ اور مائرہ شادی کے بعد سمندر کنارے ڈوبتے سورج کا آخری منظر دیکھنے گئے تھے اور پھر ہمیشہ ہی سال کے آخری سال کے سورج کے ڈوبنے کا منظر دیکھنے ایک بڑی تعداد میں لوگ آیا کرتے تھے۔ یہ سین تو مائرہ کو بے حد پسند ہوتا تھا جسے وہ کبھی بھی کسی بھی قیمت پر مس نہیں کیا کرتی تھی۔

☆......☆......☆

زرد پڑتے سورج کی روشنی نیلے پانی میں کتنے بے شمار چراغ روشن کر دیتی ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ کاش وہ سب مناظر دوبارہ لوٹ آئیں۔ کاش گزرا وقت اور اس کے ساتھ سب رونقیں دوبارہ لوٹ آئیں اور مائرہ سامنے آکر کھڑی ہو جائے کاش کہ انسان دوسروں کی عزت واحترام کرنا سیکھ جائے اور اپنے خول سے باہر نکل کر جینا سیکھ لے تو زندگی میں اس طرح ٹھوکریں نہ کھائے زندگی ان کے لئے اجیرن نہ بنے۔ موبائل کی مسلسل بجتی گھنٹی نے سوچوں کے حصار کو توڑ دیا۔ سر کو جھٹک کر موبائل اٹھایا نمبر دیکھا تو دوست کا تھا۔ جلدی سے اٹینڈ کیا۔

"ہیلو! کیسے ہو؟"

دوسری طرف کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آواز آئی۔

"ہیلو ارمان کیسے ہو؟"

ارمان حیرانگی سے بولا دانش بولو میں ٹھیک ہوں اپنی سناؤ تم کیسے ہو؟

دانش نے مختصراً بتایا کہ اس کی ماں ہسپتال میں ہیں۔

ارمان حواس درست کرتے اٹھ بیٹھا اور پوچھا دانش کس کی بات کر رہے ہو؟

دانش وضاحت سے بتاتے ہوئے بولا "ارمان تمہاری امی ہسپتال میں سیریس ہیں ان کو برین ہیمرج ہوا ہے۔"

ارمان نے ہسپتال کا نام پوچھا اور فون بے خیالی میں رکھ کر زور زور سے رونے لگا اسے لگا کہ وہ سب کچھ اب کھو رہا ہے۔ اب وہ بالکل ساکت بیٹھا رہا کافی دیر بعد ہمت کر کے اٹھا اور ہسپتال پہنچا۔ وہاں ریسپشن سے معلوم کیا اور دیکھنے کے لئے بے تابی سے آگے بڑھا۔ گھر کے سب افراد باہر جمع تھے اس نے ان کو کئی سالوں کے بعد دیکھا تھا بڑے بھائی' بہنیں اور دوسرے سب ہی وہاں کمرے کے باہر موجود تھے۔ اتنے عرصے کے بعد بھائی جان کو دیکھ کر آنکھیں مزید چھلک گئیں۔ بھائی کے ساتھ بہت دیر گلے لگنے کے بعد بہنوں' بھابیوں اور سب سے باری باری ملا۔ بہن نے

بتایا کہ ابو نماز پڑھنے گئے ہیں۔اس نے ماں کا پوچھا زرمہ چھوٹی بہن نے بتایا کہ امی آئی سی یو میں ہیں وہ دیکھنے کے لئے تڑپ اٹھا اور ڈاکٹر کی منت سماجت کرنے لگا کہ صرف ایک نظر دیکھنے دیں۔ڈاکٹر نے دس منٹ بعد کا وقت دیا کہ صرف چند گھڑی دیکھ سکتے ہیں یہ سن کر اس کو قدرے اطمینان ہوا کہ ماں سانسیں تو لے رہی ہے وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔بہن بھائی اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کیسے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر ریزہ ریزہ ہو رہا ہے۔ایسا تو نہ تھا خوش شکل' سمجھدار' شوخ مزاج زرمہ اپنی بڑی بہن عشاء سے بولی' آپی بھیا تو بالکل ہی پہچانے نہیں جا رہے ہیں کتنے عجیب سے ہو گئے ہیں۔عشاء جو سب کچھ جانتی تھی افسردگی سے بولی'' بس حالات و واقعات انسان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔انسان کی کایا پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔''

زرمہ نے بڑے بھائی کو مشورہ دیا کہ ابو ارمان کو دیکھ کر غصہ کریں گے انہیں مسجد سے ہی ان کو گھر لے جائیں۔شہروز کو یہ تجویز معقول لگی اور شمروز نے بھی یہی مشورہ دیا۔ارمان جو غم کی تصویر بنے دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ڈاکٹر کو دیکھ کر تڑپ کر بولا پلیز ڈاکٹر مجھے ایک نظر ماں کو دیکھنے دیں۔ ڈاکٹر نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی اور اندر جانے کی اجازت دے دی۔اس کے قدم تیزی سے کمرے کی طرف بڑھے۔ماں پر نظر پڑتے ہی وہ سب دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا۔اس کا دل بھر آیا اور اپنے پر قابو نہ پاتے ہوئے سسکیوں سے رونے لگا۔نرس دیکھ کر آگے بڑھی۔اور خاموشی کا کہا وہ سسکیوں پر قابو پاتے ہوئے بولا۔اچھا یہ کہہ کر وہ خاموشی سے ٹکٹکی باندھ کر ماں کو دیکھنے لگا۔ماں کا کملایا ہوا چہرہ وہ زیادہ دیر تک نہ دیکھ سکا اور افسردگی سے باہر آ گیا۔

باہر بھی سب ہی خاموش تھے ارمان نے خاموشی توڑتے ہوئے پوچھا'' ماں کا کیا حال ہو گیا ہے۔''

سب ہی افسردہ اور حددرجہ غمگین تھے کوئی نہ بولا۔سب ہی حددرجہ افسردہ اور مایوس کھڑے تھے۔کافی دیر بعد ڈاکٹر سے شمروز نے پوچھا کہ ڈاکٹر امی بچ جائیں گی۔ڈاکٹر نے تسلی دی ارمان کو لگا جیسے ڈاکٹر جھوٹ بول رہا ہے۔اسے ڈاکٹر کی بات بالکل ہی بے معنی لگ رہی تھی لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولا اور سوچ رہا تھا کہ اسے کسی کی بات سچ اور حقیقت کیوں نہیں لگتی۔شاید اس لئے کہ جب انسان کو اپنی ذات پر بھروسہ نہ رہے تو اسے کسی کی بات پر بھی بھروسہ نہیں رہتا ہے۔

اس نے زرمہ سے شہروز کے بارے میں پوچھا اور ابا جی اب تک نہیں آئے دونوں سوال ایک ہی سانس میں کر ڈالے۔زرمہ نے بتایا کہ اب ہسپتال آئے ان کو کافی دیر ہو گئی تھی اس لئے وہ گھر لے کر گئے ہیں۔عشاء نے ارمان سے کہا کہ اب وہ بھی گھر جائے ارمان بت بنے سب کو دیکھنے لگا اور جواب میں کچھ نہ بولا بس سب کو دیکھتا رہا۔شام رات میں ڈھل چکی تھی سب رشتے دار ایک ایک کر کے جا رہے تھے۔شہروز اور عشا بھی چلی گئیں۔زرمہ نے ارمان سے کہا کہ صرف ایک بندہ رہ سکتا ہے اس لئے آپ چلے جائیں لیکن وہ نہ مانا اور مان بھی کیسے لیتا اسے یہ دکھ کھائے جا رہا تھا کہ ماں سے پہلے کیوں نہ ملا اسے راضی کیوں نہ کیا۔اسے رہ رہ کر یہ بات ستا رہی تھی کہ اس نے ذرا بھی کوشش کی ہوتی تو ضرور ماں اسے معاف کر دیتی۔اسے بہت دکھ تھا لیکن وقت گزر چکا تھا وہ رات دیر تک سوچتا رہا کہ ماں کو اگر وہ راضی کرتا تو وہ اس کے سب قصور معاف کر کے سینے سے لگا لیتی کیونکہ یہ واحد وہ ہستی ہوتی ہے جو سب کچھ معاف کر دیتی ہے۔اپنی اولاد کی سب خطاؤں کو معاف کرنے کا حوصلہ صرف اور صرف ماں کا ہے۔

اسے بہت دکھ ہو رہا تھا کہ اس نے ماں کو راضی کیوں نہ کیا۔ پوری رات اسے ماں کا ہنستا مسکراتا چہرہ آنکھوں میں گھومتا رہا۔ ماں صبح سے رات تک مصروف رہتی تھی۔ چاند رات کو تو بہت سی ڈشیں تیار کر کے رکھتی تھی سب کے کپڑے استری کر کے ترتیب سے ہینگ کرتی۔ رات گئے کام کے باوجود صبح نماز سے پہلے کام نمٹا کر نماز پڑھتی تھی پھر سب کو باری باری دن چڑھے جگاتی عید کی مبارکباد دیتی تھی۔ نہلا کر کپڑے بدلوا کر عیدی دیتی کھانے کو چیزیں دیتی تھی کبھی تو ماں نے تیار ہو کر اپنے لئے عید نہ منائی صرف اور صرف اولاد کے لئے ہر وقت کام کر کے زندگی بسر کرنے والی ماں اور ہم اولاد ماں کو شاید روبوٹ سمجھتے ہیں جس کے کوئی احساسات اور جذبات بالکل نہ ہوتے ہوں واقعی ہم اولاد بہت ظالم ہوتے ہیں۔

رات صبح میں بدل رہی تھی اور وہ ہر لمحہ کرب میں مبتلا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے زمین اس کے قدموں سے سرک رہی ہے اور آسمان سر پر آ کر گر رہا ہے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ اندر سے ٹوٹ رہا تھا اور اس کی کرچیوں سے بری طرح زخمی ہو رہا تھا۔ وہ بہت بے بسی سے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ لوگ آنے جانے والے اس کو ملی جلی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کوئی ستائشی نظروں سے دیکھ رہا تھا تو کوئی قابل رحم نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک لڑکا بہت رشک بھری نظروں سے کھڑا دیکھ رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا "لوگ ظاہری حلیے کو دیکھ کر نجانے کیا سمجھ لیتے ہیں کبھی خوش نصیب کبھی رشک بری نظروں سے دیکھنے والوں کو میرے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔" لوگ کیا سمجھتے ہیں اور اصل کیا ہوتا ہے شاید ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

"جنہیں ہم بہت خوش قسمت سمجھ رہے ہوتے ہیں اور قابل رشک نظروں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں ان میں سے بھی بہت سے بلکہ زیادہ تر ہی اندر سے ٹوٹ پھوٹ اور زخمی ہوں گے صرف ہم ظاہر دیکھ کر اندازہ لگاتے ہیں کبھی ان کے باطن میں جھانک کر نہیں اندازہ لگا سکتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ کسی کے چہرے یا ماتھے پر تو اس کی محرومیاں اور تکالیف لکھی ہوئی نہیں ہوتی ہیں جو سمجھ جائیں۔ زیادہ تر لوگ تو صرف مسکراہٹ سجا کر دکھ درد اور کرب کو چھپائے رکھتے ہیں اور ایسا کرنا بھی انسان کی کمزوری ہوتی ہے۔"

اس کے آگے ماں کا کملایا ہوا چہرہ بار بار آنے لگا۔ وہ ذرا سا چکرایا اور ڈاکٹر سے اجازت لے کر ماں کو دیکھنے گیا۔ ماں کے کملائے ہوئے زرد چہرے پر نگاہیں مرکوز کئے کھڑا رہا وہ جیسے بت بنے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے ماں سوئی ہوئی ہے اور ابھی اٹھ کر بیٹھ جائے گی اور اسے سینے سے لگا کر پیار کرے گی اسے مخاطب کرے گی اس کا حال پوچھے گی لیکن بے ہوش ماں کو دیکھ کر سب خواب لگ رہا تھا۔

وہ ماں کا زرد چہرہ دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ ماں کا رنگ وروپ کتنا ماند پڑ گیا ہے چہرہ کتنا اترا ہوا ہے کیا اس سے پہلے ہی بیمار ہیں یا کچھ اور وجہ ہے۔" وہ اسی سوچ میں تھا کہ اسے آواز کی گونج سنائی دی کہ جن ماؤں کے جوان بیٹے انہیں چھوڑ کر چلے جائیں تو کچھ اور یادوں کی وجہ سے ان کے رنگ وروپ بکھر جاتے ہیں۔"

وہ بے قابو ہو کر ماں کے قدموں سے لپٹ گیا وہ قدموں کو بوسہ دے رہا تھا کہ نرس نے اٹھا اور باہر جانے کا کہا۔ اتنے میں شہروز اندر داخل ہوا اور ماں کے قدموں سے لپٹا دیکھ کر ارمان کو اٹھایا اور اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اسے کمرے سے باہر لے آیا۔ وہ اسے سائیڈ پر لے گیا اور شہروز باپ کو لے کر ماں کے کمرے کی طرف آ گیا۔ ارمان اس بات سے بے خبر تھا کہ باپ بھی ہسپتال آئے ہیں۔ بہت دیر بعد شہروز اٹھ کر چلا گیا اور ارمان کی ایک مرتبہ پھر ماں کا زرد چہرہ آنکھوں میں آبسا۔ ایک مرتبہ پھر آواز کی گونج پورے زور و شور سے سنائی دی کہ جن ماؤں کے جوان بیٹے انہیں

چھوڑ کر چلے جائیں دکھ سے ان کے رنگ وروپ بکھر جاتے ہیں۔''

یہ آواز اس نے ذہن پر زور ڈالا اور بار بار آواز کی گونج سے یاد آیا کہ گھر میں کام کرنے والی کی تھی جس کا جوان بیٹا ترقی کرنے کے لئے امریکہ گیا تو اپنی ماں کو ترقی کی دوڑ میں بھول گیا اسے اس کی اپنی اولاد کے لئے تڑپ اور بے بسی یاد آ گئی کہ وہ کس طرح اپنے بیٹے کو یاد کیا کرتی تھی کتنا دکھ درد ہوتا تھا جب اس کی اولاد کی بات ہوتی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ

''ماں باپ کے پاس اولاد کے علاوہ ہوتا ہی کیا ہے وہ بھی بڑھاپے میں تو خاص طور پر جب اولاد ایسا کر دیتی ہے تو وہ تو جیتے جی مر جاتے ہیں۔''

ارمان کو اپنی اولاد یاد آ گئی اور کام والی کی تڑپ اور ممتا سے اندازہ ہوا کہ کیا ہوتی ہے اولاد کی یاد اور خاص طور پر ان کے لئے اولاد کیا معنی رکھتی ہے کس طرح ہر قسم کی تکالیف اٹھا کر پالتی ہیں اولاد کو زمانے کے بے رحم ہاتھوں سے بچا کر جوان کرتے ہیں اور اولاد کیا کرتی ہے من مانیاں؟ اور روند ڈالتی ہے ان کے احساسات اور جذبات کو اب اس کو سب اپنا بھی یاد آنے لگا اسے ماضی کے طاق پر رکھی تصویر نے بری طرح جھنجھوڑا۔ ماں کی عظمت اب مکمل طور پر اس پر عیاں تھی۔ وہ انہی سوچوں میں گم صم تھا۔ بھائی ناشتہ لے کر آ گیا اور ہاتھ لگا کر اپنی طرف متوجہ کیا وہ اٹھا اور بھائی سے لگ کر بہت رویا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور روتے ہوئے بولا۔

''کاش میری ماں مجھے دوبارہ ہنستی مسکراتی مل جائے سب کچھ چھوڑ کر خدمت کروں بس ماں ایک بار مل جائے ٹھیک ہو کر آ جائے مجھے قدر بھی کب ہوئی جب وقت گزر چکا کاش ایک مرتبہ ماں واپس ٹھیک ہو جاؤ تو کبھی اپنی جنت کو دکھ نہ دوں گا۔ کبھی بھی کسی بھی قیمت پر اب میں غلطی نہیں کروں گا۔ اے اللہ تو ہی رحم کر دے میری ماں ٹھیک ہو جائے۔''

بھائی نے ارمان کو دلاسا دیتے ہوئے حوصلہ دیا اور تسلی دی کہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی ارمان آنسو پونچھتے بولا کہ

''اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ والدین کی جدائی جس طرح اولاد کے لئے تکلیف دہ ہے ایسے ہی اولاد جب چھوڑ کر چلی جائے تو ان کو کتنی تکلیف اور اذیت ہر لحہ ہوتی ہوگی۔ کاش اس کا اندازہ مجھے پہلے ہو جاتا اور سب کو ہو جائے تو کبھی کوئی اپنے والدین کو چھوڑ کر نہ جائے۔''

ارمان یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگا ارد گرد بیٹھے لوگ شہروز سے وجہ پوچھنے لگے شہروز نے ماں کی بیماری کا بتایا تو سب ہی باری باری افسوس سے بولے کہ ماں باپ چیز ہی ایسی ہوتے ہیں جب جدا ہوتے ہیں تب ہی احساس ہوتا ہے۔

ایک عورت دلاسا دیتے ہوئے بولی ''جب ماں باپ پاس ہوتے ہیں اس وقت تک اس کو قدر نہیں ہوتی اور جب نہیں ہوتے تو راحت نہیں ہوتی۔''

ایک بزرگ بولے۔

''ماں باپ چیز ہی ایسی ہوتے ہیں جب نہ رہیں تو خوشیوں میں خوش اور غموں میں دلاسا اور سہارا دینے والا کوئی نہیں ہوتا بس کیا ہو سکتا ہے نظام ہے قدرت کا۔''

عورت نے ارمان کو دلاسا دیا کہ شکر کرو تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو ورنہ جن کے بچپن میں ماں باپ مر جاتے ہیں ان کی زندگی دوزخ سے کم نہیں ہوتی ہر وقت دوسروں کی جھڑکیاں اور باتیں سنتے سنتے عمریں گزرتی ہیں۔"

سب کے جانے کے بعد شہروز نے ارمان کو ناشتہ کرنے کو کہا تو ارمان نے انکار کر دیا۔ شہروز کے حوصلہ اور تسلی دینے پر بڑی مشکل سے چائے کا کپ لیا اور ایک توس کھایا۔ کافی دیر بیٹھے رہنے کے بعد شہروز نے ارمان سے کہا کہ ایک کام یاد آ گیا ہے ادھر ہی ویٹ کرنا میں آتا ہوں۔ شہروز نے جا کر شمروز سے کہا کہ اب کافی دیر ہو گئی ہے بابا کو لے کر گھر چلو نرمہ اور عشاء نے بھی یہی مشورہ دیا اور شمروز باپ کے ساتھ گھر چلا گیا۔ نرمہ اور عشاء نے بھی جانے کا ارادہ کیا اور واپس شام کا آنے کو کہہ کر رخصت ہو گئیں۔ شام کو عشاء آ گئی اور ارمان سے کہا کہ وہ ماں کے پاس ہو گی تم گھر جاؤ شہروز بھی گھر چلا گیا ہے۔ ارمان نے کہا کہ نہیں وہ ماں کو ہوش میں دیکھ کر ہی جائے گا۔ رات کو شمروز آ گیا اور ارمان سے گھر جا کر آرام کر لینے کو کہا ارمان نے وہی بات کہی کہ ماں کو ہوش میں دیکھ کر ہی جائے گا۔ شمروز نے تسلی دی کہ جائے اور اب آرام کرے بہت وقت ہو گیا ہے ایسے ہی کھڑے ہو۔ ماں کو نجانے کب ہوش آئے۔ ڈاکٹر بالکل بھی پر امید نہیں ہیں۔ اس نے ڈاکٹر سے بات کی اور گھر چلا گیا۔ میں نوکر اور چوکیدار دونوں نے وجہ پوچھی تو بتا دیا کہ ہسپتال میں تھا ماں بیمار ہے اس لئے نہیں آیا تھا اس لئے اب ڈسٹرب نہ کرے کوئی اب وہ سونا چاہتا ہے۔ نوکر اچھا جی کہہ کر چلا گیا۔ ارمان کپڑے تبدیل کئے بغیر بستر پر دراز ہوا اور نجانے کب سو گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو فجر کی اذان ہو رہی تھی وہ اٹھا کپڑے تبدیل کئے نماز پڑھی اور ماں کے لئے بہت دیر تک دعا کرتا رہا۔ وہ بہت گڑگڑا کر دعائیں کرتا رہا۔ ماں کو یاد کر کے روتا رہا۔ ماں کا مسکراتا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ گیا وہ اٹھا اور کھڑکی سے پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگا۔ سورج کی مدھم روشنی اندر آتی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ سڑک پر رونق بڑھ رہی تھی۔ بچے سکول کے یونیفارم میں وین کا انتظار کرتے بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ اسے اپنا بچپن یاد آ گیا۔ ماں صبح نماز کے بعد یونیفارم الماری سے نکال کر رکھتی اور ناشتہ بنانے کچن میں چلی جاتی ناشتے کے بعد لنچ باکس میں لنچ ڈال کر بیگ چیک کر کے لنچ باکس بھی بیگ میں رکھ کر تیار کرتی سکول وین کے انتظار میں ہم سب بہن بھائیوں سے باتیں کرتی تھیں۔ اور واپسی پر کھانا تیار کر کے انتظار کرتی کھانے کے بعد کپڑے رکھتیں شام کو کام چیک کرتیں رات تک مصروف رہتیں اور کبھی ناگواری سے جواب نہ دیتی تھیں بلکہ ہمیشہ ماتھا چوم کر ہی پیار سے سمجھاتی تھیں۔ ماں کے ساتھ بچپن کی یادیں آتے ہی وہ افسردہ ہو گیا۔ ماں کا ہنستا مسکراتا چہرہ یاد کرتے ہوئے آنسو امڈ آئے اور کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے ماضی میں جھانکنے لگا۔ آنسو پونچھ کر قلم اور کاپی لے کر ماں کے بارے میں ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے لکھنے لگا۔

ماں کتنا پیارا اور میٹھا لفظ ہے کیسی مٹھاس اس لفظ میں ہے۔ شبنم کہوں تو وہ تو چند گھڑی کی ہوتی ہے۔ چاند کہوں تو اس کی روشنی تو مستعار ہوتی ہے۔ ماں کا وجود تو خود سراپا نور ہے۔ سورج ہوں تو وہ تو حدت سے زیادہ ہی گرماتا ہے ماں کا وجود تو سراپا نور ہے ایسی روشنی جو صرف دن کو نہیں رات کو بھی روشن رکھتی ہے ماں کو پھول سے تشبیہ دوں لیکن دھول تو مرجھا جاتا ہے خوشبو ختم ہو جاتی ہے اور ماں کی خوشبو تو ساری زندگی ساتھ دیتی ہے۔ پھر ماں میں تجھے کیا کہوں سوائے اس کے کہ تو رب کائنات کا سب سے قیمتی تحفہ ہے۔ واقعی تو صرف اور صرف رب کا تحفہ ہے۔ تیرے ہی قدموں تلے جنت ہے۔

ارمان کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ سمیر نے دروازہ کھٹکھٹایا جس سے وہ یادوں کے حصار سے باہر آ گیا اور اندر آنے کا کہا۔ سمیر نے ناشتے کے لئے بلایا وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ نیچے آ گیا ناشتے سے فارغ ہو کر ارمان ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا بالکل اسی طرح جیسے بادل کھل کر برس جائے تو مطلع روشن ہو جاتا ہے اسی طرح ارمان کچھ بہتر تھا۔ واپس کمرے میں موبائل لے کر بھائی کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ ویسے ہی ہیں۔ بہت دنوں کا تھکا تھا لیٹ کر آرام کرنے لگا اور اسی اثناء میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ رات گئے آنکھ کھلی تو گھڑی سے وقت دیکھا تو رات کے نو بج رہے تھے وہ اٹھا اور نیچے آ گیا۔ سمیر نے کھانا رکھا اور بتایا کہ دن کو دو مرتبہ کھٹکھٹایا لیکن جواب نہ ملنے کی وجہ سے واپس آ گیا تھا۔ ارمان کو احساس ہوا کہ وہ کتنا سویا رہا اور کتنی گہری نیند میں رہا ہے۔ کھانے کے بعد قہوہ پیا اور کمرے میں آ گیا اس کا دل کسی چیز میں نہ لگ رہا تھا۔ اس لئے بستر پر ہی لیٹ کر اخبار پڑھنے لگا رات دیر سے سونے کے لئے لیٹا اور صبح جلدی بیدار ہو کر نماز کے بعد ماں کے لئے بہت دعا کی کہ ایک مرتبہ ہوش میں مل جائیں۔ اس کے بعد باہر چہل قدمی کے لئے نکل گیا۔ آسمان پر ہلکی ہلکی روشنی امیدوں کی کرنیں سب کی زندگی میں بکھیر رہی تھی۔ سب انسانوں کے لئے جدوجہد کا پیغام امید کا پیغام دے رہی تھیں وہ ابھرتے سورج کو کھڑا کافی دیر دیکھتا رہا کہ کتنا خوشگوار احساس دیتا ہے۔ زندگی کا پیغام دیتا ہے۔ نئے عزم بیدار کرتا ہے۔ نئے سرے سے جوش وجذبہ پیدا کرتا ہے۔ غمزدہ لوگوں کے لئے نئی نوید لاتا ہے۔ ہر طرف ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جسم کو لطافت دے رہی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لئے سب کچھ بھول گیا۔ ذہن ہر قسم کے خیال سے آزاد تھا اور وہ چہل قدمی کر رہا تھا۔ آسمان کی وسعتوں میں پرندے اڑ رہے تھے اور تا حد نگاہ پرندوں کے غول نگاہوں میں سما رہے تھے وہ سوچنے لگا یہ پرندے بھی آسمان کی نیلگوں فضاؤں کو کتنا خوبصورت بناتے ہیں۔ وہ پرندوں کو دیکھ کر انسانوں سے موازنہ کرتے افسردہ ہو گیا اپنے آپ سے کہنے لگا کہ

''ہم انسانوں سے اچھے تو پرندے ہیں جو کسی کو دکھ تو نہیں پہنچاتے میں نے ہی اپنی ماں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ ہم انسان اپنے ہم جنسوں کو ہی نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔

اسے بار بار اپنی غلطیاں یاد آنے لگیں اور پرندوں پر فخر کر رہا تھا کہ یکا یک اسے یاد آیا کہ بچپن میں تو اسے پرندے بہت برے لگتے تھے جب کوا اس کا چوزہ لے کر چلا گیا اور درخت پر دور بیٹھ کر چیر کر کھانے لگا تھا تو وہ بے بسی سے روئے جا رہا تھا اس کو پتھر مارنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے رونے کی آواز سن کر ماں آ گئی تھیں اور اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کس طرح بے بسی سے بتایا تھا کہ میرے چوزے کو کوا لے گیا ہے۔ ماں نے اسے اپنے سینے سے لگا کر پیار کیا تھا اور بتایا تھا کہ کوا چیل وغیرہ چوزے اٹھا کر لے جاتے ہیں اس لئے تو ان کو ڈربے میں بند رکھتے ہیں اس پر اس نے کتنی معصومیت سے پوچھا تھا کہ امی بلی کیوں چوزے کھاتی ہے امی کے سب تفصیل بتانے پر اس نے کتنی معصومیت سے پوچھا تھا

امی جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں میں رکھتی ہے گرمی اور سردی سے بچاتی ہے اسی طرح کیا سارے پرندے اپنے بچوں کو گرمی سردی اور خونخواروں سے بچا کر رکھتے ہیں۔ ماں زور سے ہنسیں تھیں اور سمجھایا تھا کہ سب پرندوں کے لئے ان کے بچے بہت اہم ہوتے ہیں اس پر ارمان نے معصومیت سے پوچھا کہ امی ہم سب بھی اپنے اپنے امی ابو کے لئے اسی طرح اہم ہیں۔

ماں نے سر پر پیار دے کر گلے میں بازو ڈال کر بتایا تھا کہ ہاں سب بچے اپنے اپنے ماں باپ کے لئے تو بہت ہی اہم ہوتے ہیں۔

ارمان نے کتنی معصومیت سے ماں سے سوال کیا تھا کہ امی کیا کوے کے اپنے بچے نہیں ہیں۔ ماں نے مختصراً بتایا تھا کہ ہیں تو اس پر ارمان نے حیرت سے کہا تھا کہ پھر کوے نے کیوں مرغی کے بچے کو کھایا؟

امی تو ارمان کے سوال سے چونک کر بولی تھی "بیٹا کوے کے بچے تو ہوتے ہیں لیکن وہ پرندہ ہے سوچ نہیں سکتا کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں اس کا گوشت یہی چیزیں ہوتی ہیں۔" ارمان نے افسردگی سے پوچھا تھا کہ امی تو انسان کے بچے بھی کوئی کھا سکتا ہے۔ امی نے کہا تھا کہ بس کرو ارمان آج بہت ہو گیا چلو اندر لیکن ارمان نے بار بار جب اصرار کیا تو ماں نے بتایا تھا کہ

"انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس کو عقل دی ہے اپنی حفاظت کی اور اپنے بچوں کی حفاظت کی وہ اپنے بچوں کو بہت محفوظ رکھتا ہے تاکہ کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔"

ارمان پرندوں کو دیکھ کر ماضی میں ماں کی یاد میں کھو گیا وہ ماضی کے دریچے بند کرتے ہوئے بولا۔

"واقعی ماں باپ ہی تو اولاد کو ہر طرح کے درندوں سے بچا کر رکھتے ہیں۔"

وہ واپس گھر آ رہا تھا تو محلے کے مزمل نے پوچھا یہ تم پرندوں کو بہت دیر سے کھڑے دیکھے جا رہے تھے ارمان نے سب واقعہ سنایا تو مزمل نے بھی کہا واقعی یہ تو ہے۔

"ماں باپ اولاد کو درندوں اور درندہ صفت انسانوں سے بھی بچا بچا کر رکھتے ہیں ورنہ تو ہر دوسرا انسان دوسروں کے بچوں کی پرواہ کیئے بغیر ہی تباہی کا سامان تیار کر بیٹھا ہے۔"

ارمان ہاں تم ٹھیک کہتے ہو نمبر دو ادویات کو ہی دیکھ لو کس طرح انسان کے لئے نقصان دہ ہیں لیکن کرنے والے کر رہے ہیں۔ درندوں سے بڑھ کر ہیں۔

مزمل ہاں یاد آیا کہ آنٹی کی طبیعت کیسی ہے

ارمان افسردگی سے بولا "بس بے ہوش ہیں۔"

مزمل نے بتایا کہ وہ اور اس کی امی بھی آنٹی کو دیکھنے جانا چاہتے ہیں ناشتے کے بعد چلیں گے آپ کا کیا خیال ہے۔

ارمان نے بتایا کہ وہ بھی ناشتے کے بعد ہی جائے گا اکٹھے چلتے ہیں۔ گھر آ کر ارمان نے ناشتہ کیا اور تیار ہو کر مزمل کا انتظار کرنے لگا۔

مزمل اپنی ماں کے ساتھ باہر آیا تو ارمان پہلے سے کھڑا تھا۔ آنٹی کو سلام کا انہوں نے اس سے اس کی امی کا حال پوچھا اور ارمان نے اپنی امی کی کنڈیشن مختصراً بتائی ارمان نے گاڑی کا دروازہ کھولا آنٹی کے بیٹھ جانے کے بعد بند کر کے خود ڈرائیو کرنے لگا۔

راستے میں علینا آنٹی سے باتیں کرتا رہا کچھ مزمل سے بھی کیں لیکن زیادہ تر علینہ آنٹی سے ہی باتیں رہیں۔

ہسپتال پہنچ کر علینہ آنٹی کے لئے دروازہ خود کھولا اور مزمل سے کہا: "جب تک مائیں ہوتی ہیں تندرست تو ہمیں معلوم نہیں ہوتا لیکن جب ہم سے یہ ہستیاں دور چلی جاتی ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ سب سے قیمتی چیز تو ہم نے کھو دی۔"

مزمل نے ارمان کی ہاں میں ہاں ملائی اور چلتے گئے آگے شہروز اور عشاء ملے۔ارمان نے دیکھتے ہی بے تابی سے ماں کے بارے میں پوچھااور شہروز نے وہی جواب دیا جو اتنے دن سے وہ سنتا آرہا تھا۔مزمل اور اس کی امی ایک منٹ کے لئے اندر گئے اور مایوس لوٹ آئے لیکن ارمان کو وہ حوصلہ دے رہے تھ۔سب ہی چپ چاپ کھڑے تھے اور انسان کی بے بسی' فانی ہونے پر غور وفکر کر رہے تھے۔مزمل نے ارمان سے کہا انسان کتنا خود مختار اور با اختیار بنا ہوتا ہے لیکن اصل میں کتنا بے اختیار اور بے بس ہے کہ اپنے سامنے کس طرح سب کچھ دیکھ کر بے بسی سے خاموش تماشائی بنا کھڑا رہتا ہے۔ارمان نے حیرت سے مزمل کو دیکھا تو مزمل نے اپنی کہانی بیان کردی۔''میرے ابو کو فالج رہا تین سال ارمان تو وہ پکے بستر پر ہی رہے خود کروٹ نہیں لے سکتے تھے۔دولوگ کروٹ بدلاتے اور اسی طرح ان کو سنبھالتے تھے۔وہ لیٹے لیٹے اکتا جاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ بس دعا کرو میرا وقت پورا ہو جائے۔یہ کہتے ہوئے مزمل کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بارش کی طرح گال کو تر کر رہی تھی ارمان بھی ساکت بیٹھا ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔وہ ہمت کر کے اٹھا اور مزمل کو گلے لگا کر تسلی دی۔شہروز ڈاکٹر سے مل کر واپس آرہا تھا۔ارمان کچھ قدم آگے بڑھ کر بولا

''کیا کہا ڈاکٹر نے؟''

شہروز جواب میں چپ تھا سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا جواب دے۔دوبارہ بے تابی سے ارمان نے سوال دہرایا

شہروز لمبی سرد آہ لے کر بولا''ڈاکٹر پر امید نہیں ہیں۔''

ارمان بچوں کی طرح رونے لگا۔شہروز اور عشا بھی غم کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

مزمل آگے بڑھا اور ارمان کو اپنے گلے لگا کر تسلی دینے لگا۔علینہ نے عشاء کو تسلی دی ارمان کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے کہ ایک دفعہ ماں بول لے وہ بت بنے بہت دیر کھڑا رہا۔مزمل اور علینہ نے بہت سنبھالا کافی دیر بعد مزمل نے ارمان سے کہا کہ اب چلنا چاہیے ارمان نے تیزی سے جا کر ماں کو دیکھا اور بوسہ پاؤں پر کرتے ہوئے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا اور ماں کو مخاطب ہو کر بولا

''ماں ایک مرتبہ بول دو ایک بار کچھ کہہ دو ماں پلیز کچھ تو کہہ دو۔''

ڈاکٹر نے ارمان کو اٹھایا تسلی دی اور کمرے سے باہر لے گئے۔بہت دیر ارمان بے بسی سے بیٹھا آہیں بھرتا رہا۔علینہ اور مزمل تسلیاں دیتے رہے۔شہروز اور عشا بھی کچھ نہ بول سکے۔صبح شام میں بدل رہی تھی مزمل اور علینہ بھی ارمان کے ساتھ تھے۔ارمان نے علینہ آنٹی کی طرف دیکھا اور کہا آئیں آپ کو گھر چھوڑ آؤں۔راستے میں سب خاموش رہے کسی نے کسی سے کوئی بات نہ کی۔گھر آ کر کچھ دیر ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا۔سمیر نے ارمان سے اس کی امی کا حال پوچھا ارمان نے افسردگی سے بتایا کہ ویسی ہی ہیں۔

سمیر نے تسلی دی اور کھانے کا پوچھا۔ارمان کھانا لگانے کا کہہ کر اپنے کمرے میں فریش ہونے چلا گیا۔

واپس آ کر کھانا کھایا اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سمیر سے کہا کہ چائے بھی لا کر کمرے میں دے دے باہر کی گھنٹی سن کر سمیر باہر چل دیا۔

ارمان وہیں سیڑھیوں میں ہی کھڑا انتظار کرتا رہا۔سمیر نے آ کر بتایا''سر جی ڈاکٹر سکندر اور ان کے ساتھ دو اور لوگ آئے ہیں۔''

ارمان نے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کا کہا سمیر نے تینوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود باہر آ گیا۔ارمان ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو

تینوں حیران رہ گئے۔ڈاکٹر سکندر نے ارمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

''یار پلیز تسلی رکھو تم نے کیا اپنا حلیہ بنایا ہوا ہے۔''

ذرا رک کر اکرم بولا''ارمان ہمت کرو کتنے کمزور ہو گئے ہو۔''

ارمان سب سے باری باری ملا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔

انور جو ابھی تک خاموش بیٹھا تھا اس نے ارمان کو بتایا کہ وہ سب ہسپتال گئے تھے تمہاری طبیعت کا سن کر ادھر آ گئے ہیں وہ دو تین مرتبہ ہسپتال جا چکے ہیں۔

ارمان نے مختصراً جواب دیا''شہروز بھائی نے بتایا تھا۔''

اکرم نے بات بدلنے کی کوششیں کرتے ہوئے آفس کے بارے میں پوچھا۔

ارمان نگاہیں اوپر کرتے ہوئے بولا''نہیں جا سکا۔''

ڈاکٹر سکندر دھیمے لہجے میں ارمان سے بولے

''یہ سب کچھ زندگی کا حصہ ہے۔قبول کرنا پڑتا ہے۔''

ارمان شکستہ دلی سے بولا''مشکل تو ہے نا''

ڈاکٹر سکندر تسلی دیتے ہوئے بولے

''اس کے سوا چارہ بھی تو کوئی نہیں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ماں باپ کو ایسی حالت میں دیکھ کر انسان کا ذہن ماؤف ہو جاتا ہے۔زمین پاؤں سے سرک جاتی معلوم ہوتی ہے لیکن ہمت کرنی پڑتی ہے۔''

اکرم ماضی میں جھانکتے ہوئے بولا''سب کو ان مراحل سے گزرنا پڑتا ہے کیا یہ کم ہے کہ تم سب بڑے ہوا اپنے پاؤں پر کھڑے ہو۔''

ارمان بے بسی سے بولا''کیا بڑے ہونے سے تکالیف کم ہو جاتی ہیں۔''

انور بے اختیار بولا''نہیں ایسا نہیں ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا ماں تو وہ چیز ہوتی ہے جسے کانٹا بھی چبھ جائے تو اولاد کو درد محسوس ہوتا ہے۔اور اتنی بڑی بات ہم کیسے کر سکتے ہیں۔''

ڈرائنگ روم میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔انور نے دوبارہ ٹوٹے سلسلے کو جوڑتے وئے بات شروع کی۔''دنیا کا ہر انسان ماں کے خلوص وایثار کا قائل ہے۔چاہے وہ کتنا ہی ظالم و جابر کیوں نہ ہو لیکن ماں کی یاد آتے ہی آنکھیں چھلک جاتی ہیں لیکن ارمان ہمت سے کام لینا پڑتی ہے۔سمجھ رہے ہو نا تم بہت کمزور ہو چکے ہو تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے تم تو پہلے ہی بہت کمزور ہو گئے ہو۔''

ارمان مایوسی سے بولا''مجھے زیادہ دکھ اور پچھتاوا اماں کی بات نہ ماننے کا ہے۔ان کو دکھ دیا اور اب معافی کا وقت تک نہیں رہا اگر وہ ناراض

دنیا سے رخصت ہوگئیں تو یہ دکھ مجھے کھا جائے گا۔" ڈاکٹر سکندر نے سنجیدگی سے کہا

"یہ بات درست ہے کہ ماں باپ کی بہت خدمت کی ہو تو زندگی میں اس بات کا دکھ اور پچھتاوا نہیں رہتا کہ ان کو دکھ دیا تھا یا نافرمانی کا مرتکب ہوئے ہیں۔"

اکرم نے توجیہہ پیش کی "غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے انسان غلطی کا پتلا ہے تم سے بھی ہوگئی معافی مانگ لینا اللہ معاف کرنے والا ہے۔"

ارمان خاموشی سے اکرم کو دیکھ رہا تھا۔

"تم پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انور نے تسلی دیتے ہوئے کہا

ارمان شکستہ لہجے میں بولا "یہ غلطی نہیں میں نے کی بلکہ نافرمانی کی ہے غلطی کی معافی ہو سکتی ہے سزا کاٹنے کے بعد لیکن نافرمانی کی صرف سزا ہی سزا ہوتی ہے معافی نہیں ہوتی وہی سزا جو میں کاٹ رہا ہوں۔"

ڈاکٹر سکندر، انور اور اکرم تینوں حیرت سے ارمان کو کافی دیر دیکھتے رہے وہ اس کا جواب سن کر الجھ کر رہ گئے تھے وہ تذبذب کا شکار ہوگئے ارمان کا جواب سن کر کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ارمان کی تشفی وہ کس طرح سے کریں۔ ڈاکٹر سکندر تسلی دیتے ہوئے بولے

"زندگی میں پرابلمز ہو جاتی ہیں انسان غلطیاں کر لیتا ہے چلو تمہارے خیال سے نافرمانیاں ہی سہی لیکن توبہ تو کرتا ہے نا کہ خاموش سڑتا رہتا ہے اسی لئے تو رب نے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔"

انور نے آہستہ سے ٹھہر ٹھہر کر سمجھاتے ہوئے کہا

"زندگی کی مشکلات کا مقابلہ ثابت قدمی، بہادری، سمجھداری اور ہمت سے کرتے ہیں جو ہو گیا اس پر افسوس ضرور ہوتا ہے لیکن اس سے سبق سیکھ کر آئندہ کو بہتر بنانا چاہیے۔"

ڈاکٹر سکندر ایک مرتبہ پھر بولے

"دیکھو اگر تم اسی طرح غمگین اور گھلتے رہے تو تمہاری ہمت جواب دے جائے گی تمہاری صحت خراب ہو جائے گی پلیز ہمت کرو۔"

ارمان نے سوالیہ نظروں سے سب کو دیکھا اور الجھے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت کیا بات کرے کیا جواب دے؟

ڈاکٹر سکندر بغور ارمان کو دیکھ رہا تھا وہ دھیمے لہجے میں سمجھاتے ہوئے بولا

"جو ہو گیا سو ہو گیا اگر تم اسی طرح غمگین رہے تو تمہاری صحت کے خراب ہونے کے ساتھ ساتھ تمہاری ساری کی ساری صلاحیتیں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ پلیز ارمان سمجھو جو ہو چکا اس پر ماتم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

ارمان دکھ بھرے لہجے میں بولا

"پھر تم ہی بتاؤ میں خیال کروں کس طرح اس صورتحال کا مقابلہ کروں اور کس طرح ان یادوں سے پیچھا چھڑاؤں۔"

ارمان نے بے دھیان میں بے شمار سوال کر ڈالے لیکن اس کا اس کو احساس بالکل نہ تھا۔

ڈاکٹر سکندر کو سوال سن کر امید نظر آئی کہ اب ارمان ٹھیک ہو جائے گا کیونکہ اس سے پہلے اس کی باتیں مایوسی کی تھی لیکن اب تو وہ نکلنے کا طریقہ پوچھ رہا تھا۔باقی دونوں بھی ارمان کی اس بات سے خوش ہوئے تھے۔

ارمان کو سوچ میں غرق دیکھ کر ڈاکٹر سکندر نے تشویش سے پوچھا۔

ارمان کیا سوچ رہے ہو کوئی مسئلہ ہے۔''

ارمان کو خاموش دیکھ کر انور بولا''ارمان؟''

ارمان اپنی سوچ میں غرق بے خبر دیکھ کر اکرم نے زور دے کر کہا۔''ارمان کیا ہوا؟''

ارمان سوچ سے نکلتے ہوئے شرمندہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔خیالات کی یلغار کو جھٹک کر بولا

'''ایک مسئلہ تھا جو میں ڈسکس کرنا چاہ رہا تھا بس اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''کون سا ایسا مسئلہ ہے جس کی وجہ سے تم اتنے پریشان ہو گئے ہو کوئی سنجیدہ مسئلہ ہے۔''

اکرم اور انور بے اختیار ہنستے ہوئے بولے۔

''مسئلہ غیر سنجیدہ بھی ہوتا ہے۔

ارمان بھی مسکرانے لگا۔انور بولا

''اگر وہ غیر سنجیدہ ہو تو وہ مسئلہ نہ ہوا کوئی جوک ہو گیا۔''

اکرم دوبارہ شرارتاً بولا۔

''اب مسئلے بھی سنجیدہ اور غیر سنیدہ ہونے لگے ہیں۔''

ڈاکٹر سکندر بھی مسکراتے ہوئے بولا

''جب انسان ارمان کی طرح کھو جائے تو پھر اس کے سوا کچھ یاد نہیں آتا۔''

''ویسے ہم دوست بعض اوقات کتنے بے تکے سے مذاق کرتے رہتے ہیں اور شکر ہے کوئی مائنڈ نہیں کرتا۔''انور نے ڈاکٹر سکندر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر سکندر ہنستے ہوئے خوشگوار موڈ کے ساتھ بولا

''دوستوں میں تو ایسا ہوتا ہے دوست بھی ایک دوسرے سے مذاق نہ کریں تو اور کون کرے گا۔'''

''شاید کوئی بھی نہیں۔''اکرم نے بے اختیار کہا۔

''ہاں بڑے پتے کی بات کی ہے ارمان تم نے۔'' انور نے ارمان کو سراہتے ہوئے کہا۔

''ویسے یہ انا ہوتی کیا بلا ہے جو ہر رشتے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے؟'' انور نے آہستہ سے کہا۔

''خود تو تم بتا رہے ہو کہ رشتوں کو تباہ کرتی ہے اور کیا بتائیں۔'' ڈاکٹر سکندر نے کہا۔

''لیکن پھر بھی۔'' انور نے سوال پوچھتے ہوئے اصرار کیا۔

''چلو میں تمہیں اس طرح سمجھاتا ہوں گھر کی مثال ہی لے لیتے ہیں۔''

''میاں بیوی کے تعلقات کو خوشگوار رکھنے کے لئے دونوں فریقین کو کشادہ دلی اور برداشت سے کام لینا چاہیے۔ دونوں فریقین کو ہی ایک دوسرے کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دونوں کو ہی اپنی اپنی انا کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک دوسرے کی غلطیوں کوتاہیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔ صبر و تحمل سے کام لینا چاہے گو کہ یہ مشکل ہے لیکن یہ سب کرنا پڑتا ہے۔''

انور حیرت سے بولا

''دونوں طرف کوشش ہونی چاہیے لیکن ہمارے معاشرے میں تو بالکل ایسا نہیں ہوتا بلکہ صرف عورت سے ہی یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ گھر کی خوشحالی کے لئے قربانیاں دے اور دیتی بھی ہے لیکن اس کے باوجود اس رشتے میں دراڑیں پڑتی ہیں تو قصوروار صرف اور صرف عورت کو ہی ٹھہرایا جاتا ہے۔ اسی کی بے قدری ہوتی ہے حالانکہ قصوروار مرد بھی ہوتا ہے بلکہ پچاس فیصد معاملات میں تو بہت زیادہ قصور مرد کا ہی ہوتا ہے۔''

''انور بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے زیادہ تر مرد ہی اناء کا شکار ہوتے ہیں۔ ورنہ عورتیں تو کمپرومائز کرتی رہتی ہیں۔'' ڈاکٹر سکندر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''پورے خاندان بھی تو انا کا شکار ہوتے ہیں۔ ہمارے خاندان میں ایسا نہیں ہوتا ویسا نہیں ہوتا۔'' اکرم نے منہ بسورتے ہوئے کہا

''خاندان سے باہر رشتہ نہیں کرتے۔ شادی کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے خاندان سے باہر یہ سب اناء ہی تو ہے اور کیا ہے۔'' ارمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

تینوں کچھ دیر کے لئے خاموش ارمان کو دیکھتے رہے ارمان جو گہری سوچ میں تھا کچھ دیر بعد خود بولا

''والدین کو بھی تو اپنی انا کو کچل کر اولاد کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے اولاد تڑپ بھی رہی ہو خاندان میں جوڑ کا رشتہ نہ ہو باہر سے اچھا آیا ہو تو سوچنا تو چاہیے لیکن انا کے خول سے باہر آنا گوارا نہیں کرتے اور اسی لئے اولاد بھی خود اپنے فیصلے کرنے لگتی ہے۔''

''ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو انا کے خول سے باہر آ کر سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ رشتوں میں اناء نہیں ہونی چاہیے دوسروں کی بات کو سمجھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ ہر انسان کو اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ ورنہ رشتوں میں انائیں انہیں برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اسی لئے دوستی پائیدار اور باقی رہتی ہے کیونکہ اس میں انا نہیں ہوتی۔'' ڈاکٹر سکندر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ سمیر چائے اور دیگر لوازمات

ٹرالی میں لئے اندر داخل ہوا۔چاروں اسی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چائے کے بعد مختلف موضوعات زیر بحث لائے۔سب دوست بہت ریلیکس ہو کر بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔سب باتوں میں اس قدر مصروف تھے کہ وقت گزرنے کا کسی کو بھی احساس تک نہ ہوا۔ڈاکٹر سکندر کے موبائل کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔فون ریسیو کر کے اٹھ کھڑا ہوا اس کے ساتھ باقی دوست بھی اٹھے اور گیٹ کی طرف چل دیئے ارمان بھی ان کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھا اور سب دوستوں کو گیٹ کے باہر کھڑے باتیں کرتے کافی دیر ہو چکی تھی انور نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا او مائی گاڈ نو بج رہے ہیں بہت دیر ہو گئی ہے۔

اکرم چونک کر بولا ''خیریت تم نے کہیں جانا تھا۔''

انور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولا ''شادی پر جانا تھا لیکن اب تو گھر پہنچتے ہوئے دیر ہو جائے گی۔''

تینوں دوست ارمان سے مل کر گاڑی میں جا بیٹھے اور گاڑی کے جانے تک ارمان وہیں کھڑا رہا۔دو دن اسی طرح گزر گئے تیسرے دن ناشتے کے دوران فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔فون اٹھایا تو نرمہ نے روتے ہوئے بتایا کہ ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔یہ خبر اس پر بجلی بن کر گری اور وہ جیسے سکتے میں آ گیا ہو۔بمشکل فون رکھا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

ارمان کو ایسے لگ رہا تھا جیسے آج اس کے پاس کچھ نہ رہا ہو بالکل خالی ہو کر رہ گیا ہو۔اسے اپنا بچپن یاد آ گیا۔سب بہن بھائیوں کے لئے ماں کا کھانا بنانا ہر ایک کی خواہش کا دھیان رکھتے ہوئے سب کچھ تیار کرنا ہر موقع شادی' عید اور فنکشنز پر سب بچوں کے لئے کپڑے جوتے سب چیزوں کا خیال رکھنا اور کوئی بیمار ہو جائے تو دن رات اسی کے پاس بیٹھے رہنا ارمان کو یاد آنے لگا کہ بچپن میں جب اس کا سر پھٹ گیا تھا تو ماں کس طرح ساری رات اس کو گود میں لے کر بیٹھی رہتی تھی۔اس کے لئے سوپ بنا کر اپنے ہاتھ سے پلاتی اسی طرح بھائی جان کو خسرے کے دانے نکلے تو ماں کس طرح اس کا دن رات خیال رکھتی تھی ارمان کی جب آنکھ کھلتی تو دیکھتا کہ ماں جاگ رہی ہوتی تھی اور اسی کے پاس ہی بیٹھی ہوتی تھی۔ذرا ذرا سی آواز پر ماں سب بچوں کو اپنے ساتھ لگا لیتی تھی۔بادل بھی زور سے گرجتا تو ماں سب سے باتیں کرتی اور احساس نہ ہونے دیتی تھی۔

ارمان ٹیبل پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔سمیر نے بلایا لیکن کچھ نہ بولا اور اسے جانے کا کہہ دیا۔سمیر خاموشی سے باہر چلا گیا ارمان ایک مرتبہ پھر ٹیبل پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔ماں کا ہنستا مسکراتا چہرہ اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔

صبح سے لے کر رات تک گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ارمان اکثر سوچا کرتا تھا کہ سکول میں سب بچوں کو چھٹیاں ہوتی ہیں وہ آرام کرتے ہیں ابو کو آفس سے چھٹیاں ہوتی ہیں تو وہ بھی گھر پر آرام کرتے ہیں لیکن امی تو عید کے دن بھی آرام نہیں کرتی تھیں اور اوپر سے ذرا سی غلطی پر سارے خاندان میں ایک تماشا سا کھڑا ہو جاتا تھا۔تینوں ہی کوئی نہ کوئی ڈرامہ کرتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے ابو امی کو بے تحاشا ڈانٹا کرتے تھے اور پھوپھو خوش ہو جاتی تھیں ارمان سوچ میں پڑ گیا کہ کیا مرد میں احساسات نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی جب وہ اپنی بیوی کو اپنی بہنوں کے سامنے ڈانٹتے ہیں برا بھلا کہتے ہیں۔

یا مرد کی اناء اپنے گھر میں عروج پر ہوتی ہے جب وہ بیوی کو دوسروں کے سامنے برا بھلا کہتا ہے تو اس کی اناء کو تسکین پہنچتی ہے اپنے بہن

بھائیوں اور بڑوں کے سامنے بڑے فخر سے بیٹھتا ہے۔

☆......☆......☆

ارمان خیالوں میں کھوتا چلا گیا اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس کی ماں کی وفات ہو چکی ہے۔ ارمان سوچنے لگا کہ یہ جو مرد دو دو تین تین شادیاں کر بیٹھتے ہیں اور ان پر حکمرانی کرتے ہیں یہ بھی تو انا ہی کرواتی ہے کہ مردوں پر تو حکمرانی کر نہیں سکتے عورتوں پر ہی کر لو بس پیسہ ہونا چاہیے۔ دولت بھی تو انا پرست بنا دیتی ہے۔ ارمان بچپن کی یادوں میں کھو گیا جب تایا ابا بھی اسی طرح تائی اماں کو ذرا ذرا سی باتوں پر ڈانٹا کرتے تھے۔ حالانکہ ذرا ذرا سے کاموں میں اونچ نیچ ہو جاتی ہے اس میں ڈانٹنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے ارمان اکثر یہی سوچا کرتا تھا کہ تائی اماں کیسے خاموشی سے کام سیدھا کر دیا کرتی تھیں۔ بالکل ماں کی طرح۔ ارمان کا خیال محلے کی زینب چاچی کی طرف گیا کہ وہ زینب چاچی کے شوہر کس طرح ان کو بات بات پر گاؤں سے آئی ہوئی گنوار کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ ذرا سی باتوں پر اپنا ڈاکٹر ہونے کا رعب جماتے تھے حالانکہ زینب چاچی بہت سگھڑ اور ایف اے پاس تھیں گھر کے کاموں میں اتنی ماہر تھیں گھر مہمانوں کے لئے پانچ چھ ڈشز سے کم نہیں بنایا کرتی تھیں اور ارمان کو گھر کے لئے بھی دے دیا کرتی تھیں بلکہ اپنے بیٹے محسن کو دے کر ساتھ بھیجا کرتی تھیں۔ بچوں کو خود پڑھاتیں ان کے ساتھ کھیلتی ساتھ ارمان کے بھی کھیلا کرتی تھیں سارا دن گھر کا کام کرتی تھیں۔ اتنا صاف ستھرا گھر رکھا ہوا تھا۔ باہر گارڈن میں خود اتنے پودے لگا رکھے تھے خود ان کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ بچوں کو سکول سے لے کر آنا اور چھوڑنے تک سارے کام اتنی خوش اسلوبی سے کرنے کے باوجود انکل ڈاکٹر ان کو ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹا کرتے تھے لیکن زینب چاچی نے کبھی جواب نہ دیا بلکہ ہمیشہ خاموشی سے سر جھکا کر چل دیتی تھیں ارمان سوچنے لگا کہ کیا سارے مرد گھر میں اناء پرست ہوتے ہیں۔ شاید سب ہی ہوتے ہیں۔ اور عورتیں بیچاریاں ہی خاموش رہتی ہیں تب ہی تو گھر قائم رہتا ہے لیکن اب گھر ٹوٹ جو زیادہ رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب عورتیں بھی اناء پرست ہو گئی ہیں۔ مرد تو شروع سے ہی حاکم بن بیٹھے تھے اور حکم چلانا ہی اپنی شان سمجھتے تھے لیکن اب عورتیں برداشت نہیں کرتیں وہ غلام بن کر نہیں رہنا چاہتیں بلکہ غلامی میں اپنی توہین سمجھتی ہے یہی وجہ ہے کہ اب گھر بھی اناء کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ ورنہ پہلے چھوٹی پھوپھو کو ہی لے لو کس طرح اولاد دیر سے ہونے کے طعنے سارا خاندان دیتا تھا کتنی مشکلات سہہ کر علاج کرواتی تھیں تب کہیں جا کر اللہ نے اولاد دی تھی اوپر سے شوہر صاحب ایسے جواری کے سب جوئے پر لگا دیتے اور پھوپھو کچھ زبان سے نہ بولا کرتیں۔ اتنی تکلیفیں برداشت کر کے اپنے گھر میں ہی رہتی کہ یہی گھر ہے اور جب شوہر صاحب کو اللہ نے ہدایت دیدی تو وہ کتنی خوش رہنے لگیں تھیں لیکن مشکل اوقات کو انہوں نے صبر سے برداشت کیا پہلے مرد اگر انا پرست ہوتے بھی تھے تو عورت اپنے گھر کو ہی ہر حال میں اپنا سب کچھ سمجھا کرتی تھی اور کسی قیمت پر چھوڑ کر نہیں جایا کرتی تھی لیکن آج کل کی عورت بھی اناء پرست ہو کر دو بدو جواب دے دیتی ہے مرد تو اس بات کو برداشت کرتا نہیں ہے گھر کیسے قائم رہ سکتے ہیں۔

لیکن انا کا شکار ہو کر عورت بھی تو مرد کی طرح پچھتاتی رہتی ہے بلکہ مرد سے کئی گنا زیادہ اور ہر گھڑی پچھتاتی ہے۔ اس لئے کم از کم عورتوں کو اپنے گھر کی حد تک انا سے کام نہیں لینا چاہیے نہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو مائنڈ کرنا چاہیے۔ میرا بھی تو گھر اناء کی وجہ سے ٹوٹا ہر وقت مائرہ کو ڈانٹنا اس وقت سمجھ نہیں آئی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے پتہ نہیں ہم مرد کب اپنے آپ کو اناء کے خول سے نکال کر رشتے صحیح معنوں میں نبھانا سیکھیں گے۔

ارمان خیالوں میں کھویا بیٹھا تھا اور موبائل کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی ارمان نے بے خیالی میں موبائل اٹھایا تو دوسری طرف آفس سے کولیگ بول رہا تھا اس وقت ارمان کو ماں کی وفات یاد آئی اور آہستہ سے بتا کر فون بند کر دیا۔فون رکھنے سے پہلے ارمان نے ڈاکٹر سکندر کا نمبر ملایا اور کال کی۔تین گھنٹیاں بجنے کے بعد ڈاکٹر سکندر نے اٹھایا ارمان نے مختصراً ماں کی وفات کا بتایا اور فون بند کر دیا۔ارمان نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن بے سود ایسے لگ رہا تھا جیسے جسم بے جان لاش کی مانند ہے۔سمیر کو آواز دے کر پانی مانگا۔دوسری آواز پر سمیر جی سر کہتا ہوا اندر داخل ہوا اور پانی لا کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

ارمان نے پانی پیا سمیر بغور دیکھتے ہوئے بولا

''سر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی کچھ اور کھانے کو لا دوں۔''

ارمان لمبی آہ لیتے ہوئے بولا

''دراز سے جا کر ٹیبلٹ لے آؤ وہ پیکٹ والی۔''

سمیر جلدی سے دواء لے آیا ارمان نے پانی کے ساتھ لی اور کچھ دیر ادھر ہی بیٹھا ماضی کی باتوں کو سوچتا رہا اور ماں کی کچھ باتیں یاد آتی رہیں۔ماں کے ساتھ شرارتیں بہانے بنانا،ان کو تنگ کرنا بہانے سے پیسے مانگنا سب ہی کچھ یاد آنے لگا۔وہ ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگا۔

''واقعی ماں جیسی دوسری کبھی ممکن ہی نہیں ماں کا تصور بھی انسان کا دل بہلانے اور سکون دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ایک دفعہ اگر چل جائے تو پھر پوری دنیا نہیں لا سکتی بہت ہی انمول چیز ہے۔''

کافی دیر بعد اٹھا اور کوٹ اٹھا کر اپنے کمرے میں گیا۔کچھ چیزیں رکھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔راستے بھر آنکھیں برستی رہیں آج تو راستہ بہت لمبا لگ رہا تھا۔کافی عرصے بعد اپنی گلی میں داخل ہوا تھا گھر کا نقشہ کافی بدلا ہوا تھا۔محلے دار بھی ملے اور انہوں نے افسوس کیا شہروز اور شہروز گلے لگ کر بہت روئے باپ نے ملنے کی بجائے منہ دوسری طرف کر لیا۔ارمان سب سے ملنے کے بعد سائیڈ پر بیٹھ گیا۔سب رشتے دار باری باری افسوس کرتے رہے۔ہر طرف اداسی ہی اداسی تھی۔اندر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔آخری دیدار کے لئے شہروز نے بلایا۔ارمان اور سب گھر والوں کے لئے یہ لمحات بہت پُر کٹھن تھے۔اس لمحے سے کرب ناک لمحہ کوئی آج تک اس نے نہ دیکھا تھا۔نماز جنازہ سب نے آنسوؤں سے ادا کیا اور قبر پر مٹی ڈالنا بہت اذیت دے رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اپنے پیاروں پر مٹی ڈالنا کتنا مشکل اور اذیت ناک ہوتا ہے۔اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر طرف ویرانی اور خزاں چھا گئی ہو وہ بہت بوجھل قدموں سے واپس گھر داخل ہوا۔آفس کے لوگ بھی کچھ دیر بیٹھنے کے بعد چلے گئے اس کو کسی کے آنے اور جانے کا خیال تک نہ تھا۔شہروز نے اس طرح سے اکیلے بیٹھا دیکھ کر تسلی دی اور کھانا کھانے کے لئے بلایا۔ارمان نے بھائی کے چہرے کی طرف بغور دیکھا اور کافی دیر دیکھتے ہی چلا گیا۔شہروز نے اس طرح ارمان کو اپنی طرف مسلسل دیکھتے پایا تو بہت پیار سے ارمان کو مخاطب کر کے سمجھایا۔

''یہ تو زندگی میں لگا رہتا ہے جو آتا ہے اس نے ایک روز جانا بھی ہے۔دکھ بہت ہی بڑا ہے لیکن سوائے صبر کے کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔

حوصلہ کرو بس دعا کی جا سکتی ہے اور کیا ہو سکتا ہے۔''

ارمان بے دھیانی میں بولنے لگا

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ ازل سے ہوتا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا لیکن سب سے زیادہ اور ناقابل برداشت دکھ اس بات کا ہے کہ وہ مجھ سے ناراض تھیں اور یہی وجہ تھی میری ناکامی کی۔''

''ناکامی' شہروز نے حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ارمان آنسوؤں سے تر گال پونچھتے بولنے لگا تھا کہ شہروز نے خود ہی کہہ دیا'' ارمان پلیز اٹھو اور کھانا کھاؤ ایسے نہیں سوچتے۔''

ارمان کو شہروز نے زبردستی کھانا کھلایا اور سونے کے لئے کمرے میں چھوڑ آیا۔ ارمان رات گئے روتا رہا اور نجانے کس پہر سو گیا۔ دوسرے دن بھی آفس کے لوگ آئے اور بہت سے لوگ گھر میں موجود تھے اور بہت سے آتے جا رہے تھے۔ بہت سوں نے ارمان کو اس کی ماں کی اس حوالے سے افسردگی اور تکلیف بھی بتائی۔ ارمان کی پھوپھو اور چاچیوں نے اس کو اس کی ماں کی باتیں بتائیں کہ وہ اس طرح اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔ وہ روزانہ ہی فون سیٹ کر کے رکھتی تھیں کہ شاید تم فون کر دو اور کہیں جاتی بھی نہ تھی جیسے کہ فون مس ہو جائے گا۔ ہر عید پر خاص طور سے تمہاری راہ دیکھا کرتی تھیں۔ تمہاری چیزوں کو سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ شہروز نے سب کی باتوں سے ارمان کو مزید دکھی ہوتے دیکھا تو ارمان کو بہانے سے لے کر دوسرے کمرے میں شہروز اور اس کے دوستوں کے ساتھ بٹھا دیا۔ ارمان کو پھوپھیوں اور چاچیوں کی باتیں یاد آ رہی تھیں اور رہ رہ کر پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ کیوں ماں سے ملنے نہ آیا؟ کیوں نہ ماں سے لپٹ کر معافی نہ مانگ لی؟ اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ماں کس کرب سے گزری ہو گی کتنا ہر روز انتظار کیا ہوا ہو گا شہروز نے دوستوں کے جانے کے بعد ارمان سے پوچھا' وہ تم کل اپنی ناکامی کا ذکر کر رہے تھے کیا مسئلہ ہے بزنس ٹھیک تو ہے۔''

ارمان خالی خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا شہروز نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہے مہمانوں کو دے دیا ہے اب آپ کی باری ہے آئیں ابو بیٹھے انتظار کر رہے ہیں آ جائیں بھائی۔ شہروز اٹھ کر ارمان کو لے کر کمرے میں پہنچا کھانا کھایا اور ارمان خاموش تماشائی کی طرح دن بھر سوچوں میں ہی محو رہا۔ تیسرے دن سب نہا دھو کر ماں کے لئے دعا میں شریک ہوئے۔ دعا کے دوران ارمان خوب پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا جس طرح بچے بے اختیار روتے ہیں۔ کسی مرد نے تو ارمان کو کچھ نہ کہا لیکن عورتیں جب جانے لگتیں تو ملتے وقت کچھ نہ کچھ ارمان کو بول ایسا جاتی جو دکھوں کو مزید بڑھا رہا تھا اور حوصلہ مزید توڑنے والے جملے زخموں پر گویا نمک چھڑکنے کے برابر تھے۔

ارمان کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے وہ سوچ رہا تھا کہ اب گھر چلنا چاہیے۔ یہ سوچ کر باپ کا چہرہ آنکھوں میں پھرنے لگا وہ بے اختیار اٹھا اور باپ کے کمرے میں چلا گیا۔ کمرے کے اندر داخل ہوا تو کمرہ مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ باری باری سب سے ملا اور سائیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ چور آنکھوں سے باپ کے کمزور اور اداس چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ '' ماں تو جا چکی ہے لیکن باپ تو ہے نا ہم جانے والوں کے دکھ میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ جو ہوتے ہیں ان کا خیال ہی نہیں رکھ پاتے ان کی قدر نہیں کر سکتے۔'' اسے ماں کی آواز سنائی دی۔

''بیٹا مردوں کے لئے دعا ہی کافی ہوتی ہے کسی کے ساتھ کوئی نہیں جا سکتا اور نہ زندگی کو روگ لگانا چاہیے۔''

یہ الفاظ ماں کے تھے جو اس کو سمجھائے تھے جب وہ دادا کی وفات کے بعد بہت زیادہ روتا تھا۔ باپ کو دیکھ کر اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر ان کے قدموں سے لپٹ جائے معافی مانگے تاکہ اس کو اس بے سکونی سے نجات ملے۔ آنے والے اور آ رہے تھے وہ کافی دیر بعد اٹھا اور شمروز کو بتا کر گھر کی راہ لی۔

راستے میں سب بار بار یاد آ رہے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ رشتے کتنے انمول ہوتے ہیں یہ کبھی ٹوٹتے نہیں اور نہ ہی ان خون اور دلوں کے مضبوط رشتوں کو وقت یا فاصلہ ختم کر سکتا ہے۔"

گھر آیا تو سمیر اور فہد نے افسوس کیا وہ کافی دیر لاؤنج ہی میں بت بنا بیٹھا رہا۔ وہ خالی ذہن سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دو گھنٹے اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد اپنے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کئے غسل کیا اور تازہ دم ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ سمیر چائے لے کر آیا ساتھ سینڈوچ بھی بنا کر لے آیا۔ چائے کے بعد وہ کرسی کی پشت پر ٹیک لگائے بیٹھ گیا۔ ماضی کی سوچوں نے مکمل طور پر گھیر لیا۔ ماں کا ہنستا مسکراتا چہرہ اس کی آنکھوں میں پھرنے لگا۔ روشن اور پرنور چہرے کے تصور سے اس کو ایسے لگا جیسے اس کا وجود اور اردگرد کی ہر چیز پرنور اور روشن ہو گئی ہو وہ اپنے آپ سے کہہ اٹھا کہ

"اگر ماں کے تصور سے اس قدر نور و روشنی ہر طرف محسوس ہونے لگی ہے تو ماں کے وجود سے تو زندگی ہی روشن ہو جاتی ہے۔ اگر ماں کی خدمت کر لیتا تو زندگی بارونق پرسکون اور خوشیوں کا گہوارہ ہو جاتی۔ کاش کہ میں نے ایسا کیا ہوتا۔"

ماں کی باتیں یاد آنے لگیں بچپن میں ماں کے ساتھ شرارتیں اور ماں کا پیار بھرے انداز میں ڈانٹنا سب کچھ ایک فلم کی طرح آنکھوں میں گھومنے لگ گیا۔ بچپن میں ماں کا لنچ تیار کر کے دینا اور اس کا بریک میں کھیل میں مگن ہو جانا لنچ یاد نہ رہنا واپسی پر ماں کا لنچ بکس کھول کر دیکھنا اور پیار کر کے پوچھنا کہ کیوں نہیں کھایا میرے لاڈلے نے؟ کیا پسند نہیں؟ یا ماما نے اچھا نہیں بنایا۔ اس کے باوجود بلاناغہ ہی لنچ بنا کر دیتیں اور تاکید کرتی کہ ضرور کھانا اور رخصت کرتے وقت ڈھیروں دعائیں دینا اس کو سب یاد آنے لگا۔ کیسی پیاری اور ہر دل عزیز ہستی ہوتی ہے۔ ماں پتہ نہیں چلتا ہے جب وہ دنیا سے چلی جاتی ہے۔ ماں کتنا بلاتی تھی ہر عید پر ہر نئے سال پر اور ہر تقریب پر لیکن ملنے تک کبھی نہ جا سکا وہ یہ کہہ کر اٹھ بیٹھ گیا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے کال دیکھی تو سلمان کی تھی جو اس کا چچا کا بیٹا اور بھائیوں جیسا تھا۔ وہ کافی عرصے سے فرانس میں کاروبار کر رہا تھا اب اس نے تائی کے افسوس کے لئے فون کیا تھا۔ سلمان نے ارمان سے افسوس کیا۔

سلمان نے ارمان کو صبر کی تاکید کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو سب نے ادھر ہی جانا ہے اس دنیا میں کسی نے بھی مستقل تو رہنا نہیں ہے وہ بہت اچھی تھیں زندگی بھی اچھی گزری ہے سب سے بڑی بات کہ وہ کسی کی محتاج نہیں ہوئی ہیں۔

سلمان نے ارمان کو خاموش پا کر مخاطب کیا۔

ارمان کیا ہوا کیوں خاموش ہو؟

ارمان جذبات پر قابو پاتے ہوئے بولا "کچھ نہیں بس امی یاد آ رہی تھیں۔"

سلمان حوصلہ دیتے ہوئے بولا "ہمت سے کام لو زندگی اسی کا نام ہے ملنے کا بچھڑنے کا۔ انسان کیا کر سکتا ہے۔"

ارمان فون دوسرے کان سے لگاتے ہوئے بولا" سلمان تم بہت خوش نصیب ہو تمہاری ماں حیات ہیں تم سے خوش ہیں۔" ارمان یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ سلمان کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ اس نے بات بدلتے ہوئے ارمان کو خوش رہنے اور کامیابی کی دعا دی۔ ارمان مایوسی سے بولا

"ماں مجھ سے ناراض دنیا سے چلی گئی ہے۔ اب مجھے زندگی میں کوئی کامیابی یا خوشی مل سکتی ہے۔"

سلمان نرم لہجے سے سمجھانے کے انداز میں بے قراری سے بولا

"ارمان یہ کیا کہہ رہے ہو وہ تم سے ناراض نہیں ہوئی ہونگی ایسا ہو ہی نہیں سکتا یقیناً انہوں نے تمہیں معاف کر دیا ہوگا۔ آخر کار وہ تمہاری ماں تھی۔ تم بے فکر ہو جاؤ اور آرام کرو میں پھر فون کروں گا۔" ارمان فون رکھ کر کرب سے بولا۔

"کیسی پیاری اور ہردلعزیز ہستی ہوتی ہے ماں لیکن سب سے زیادہ اولاد تیری ہی ناقدری کرتی ہے پتہ اس وقت چلتا ہے جب وہ دنیا سے چلی جاتی ہے۔"

وہ یہ کہہ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ روتے روتے اس نے جھک کر دراز کھولا اور ماں کی تصویر نکالی دراز بند کر کے ماں کی تصویر کو دیکھنے لگا۔ کتنی باوقار اور دنیا کا سب سے پیارا چہرہ ہے اس نے ماں کی تصویر کو چوما اپنے منہ سے لگا کر کافی دیر بیٹھا رہا جیسے ماں واقعی اس کے پاس ہی آ گئی ہو وہ تصویر کو منہ سے اٹھا کر سینے سے لگا کر بیٹھ گیا۔ یکدم اسے لگنے لگا جیسے تصویر سے اس کو ٹھنڈک اور سکون ملنا شروع ہو گیا اور اسی طرح وہ صبح تک سوا رہا۔ صبح تازہ دم بیدار ہوا۔ تصویر ابھی تک اس کے ہاتھوں میں تھی۔ اس نے تصویر چومی اور دراز میں رکھ کر سوچنے لگا کہ

"ماں صرف اولاد کے لئے قربانیاں ہی دیتی رہتی ہے مرکز بھی تصویر سے بھی سکون اور آرام ہی دے دیا۔"

دروازے پر کھٹکانے کی آوز سے ارمان چونک گیا۔ سمیر اجازت ملنے پر اندر آیا اور بتایا کہ آپ کو رات کھانے کا کہنے آیا تھا لیکن آپ سو رہے تھے۔

ارمان نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

سمیر نے ناشتے کا کہا اور برتن ٹیبل سے اٹھا کر لے گیا۔ سمیر کے جانے کے بعد ارمان جلدی سے اٹھا اور تیار ہو کر نیچے ناشتہ کرنے بیٹھ گیا۔ ناشتے کے بعد آفس کے لئے روانہ ہوا۔

آفس میں سب نے ارمان کو خوشدلی سے خوش آمدید کہا۔ سب کے خوشگوار موڈ نے ارمان کے موڈ کو بھی خوشگوار بنا دیا۔ شہزاد نے ارمان کو اچھے موڈ میں دیکھ کر دانش سے کہا شکر کرو سر کا موڈ ٹھیک ہے۔ دانش جو ارمان کا دوست اور دور کا رشتے دار بھی تھا' مسکرا کر ارمان کو دیکھتے ہوئے بولا

"سب کے خوشگوار موڈ نے ارمان کے موڈ کو بھی خوشگوار بنا دیا ہے۔"

پورا دن آفس میں ارمان بہت مصروف رہا سارے کام جو کچھ دنوں کے رہتے تھے وہ مکمل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ آفس میں کام کے دوران احمد کا فون آیا اور ارمان نے واپسی پر گھر آنے کا کہہ کر دوبارہ کام شروع کر دیا۔ واپسی پر ارمان نے نورالعین اور احمد کے لئے تحائف خریدے اور ان کے گھر کی راہ لی۔ راستے بھر بچوں کی یاد اس کو ستاتی رہی۔ بیل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ احمد نے دروازہ کھول دیا اور پاپا کہہ کر لپٹ گیا۔ نورالعین بھی

بابا کے ساتھ لپٹ گئی۔ دونوں بچے بہت دیر تک ساتھ لگے رہے ارمان نے بھی دونوں کو خوب چوما اور ہادی کا پوچھا احمد نے بتایا کہ وہ سو رہا ہے پاپا وہ بھی آپ کو بہت مس کر رہا تھا۔ ارمان بچوں کو لے کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں مائرہ چائے لے کر آ گئی اور ٹیبل پر رکھ کر خود صوفے پر بیٹھ گئی۔ بچے ماں کو خوشی خوشی کھلونوں کے بارے میں بتا رہے تھے۔ کچھ خاموش رہنے کے بعد مائرہ بولی "آپ کی امی کا سن کر بہت دکھ ہوا۔"

ارمان نے لمبی آہ لیتے ہوئے کہا "بس ہر زندہ چیز کو موت آنی تو ہے کوئی کیا کر سکتا ہے۔"

مائرہ بے دھیانی میں بولنے لگی "بس کوشش کرنی چاہیے کہ ماں باپ ناراض نہ ہوں اور راضی رہیں۔"

ارمان شرمندہ سا ہو کر بولا "وہ تو ناراض ہی چلی گئی ہیں تم کو تو سب معلوم ہے۔"

مائرہ سوالیہ انداز میں دیکھتے ہوئے بولی "آپ کو ان کو راضی کر لینا چاہیے تھا۔ پتہ ہے آپ کو ہماری زندگی میں جتنی ٹھوکریں اور پرابلمز ہیں وہ والدین کی ناراضگی کی وجہ سے ہیں۔"

ارمان نے ایک نظر پاس بیٹھے بچوں کو دیکھا اور انہیں پیار سے باہر جا کر کھیلنے کے لئے کہا۔ بچوں نے جانے کے بعد بے دلی سے بولا "ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ تنہائی، تلخیاں اور پریشانیاں سب کی سب ماں باپ کی ناراضگی سے ہی ہیں۔"

مائرہ نے ماضی میں جھانکتے ہوئے کہا "جب میں نے فرحان سے منگنی توڑنے کی بات کی تھی تو میرے والدین بہت ناراض ہوئے تھے اور ان کی ناراضگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میں نے منگنی ختم کر کے تمہارے ساتھ شادی کا ان کو بتایا تھا۔" ارمان افسردگی سے بولا "وہ تو ہماری شادی پر بہت مشکل سے راضی ہوئے تھے۔"

مائرہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا "وہ راضی کہاں تھے بس دنیا کے سامنے اپنی عزت کی خاطر چپ سادھ لی تھی اسی لئے تو تمہارے ساتھ بھی مجھے کچھ نہ ملا۔"

ارمان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں یہ میں بھی اکثر سوچتا ہوں کہ تم جیسی آئیڈیل لڑکی جو ہر لحاظ سے قابل تعریف تھی ہم دونوں خوش کیوں نہ رہ سکے۔"

یہ کہہ کر ارمان خاموش ہو گیا۔ دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔

مائرہ نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا "اگر ماں باپ کو زبردستی راضی کر بھی لیا جائے تو بھی ان کا دل دکھا کر کیا گیا کوئی کام کبھی فائدہ نہیں دے سکتا یہ بات ہمیں اس وقت سمجھ آتی ہے جب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔"

ارمان ماضی میں جھانکتے ہوئے بولا

"اسی لئے نانی کہا کرتی تھیں کہ ماں باپ خوشی سے راکھ بھی دیں تو وہ سونا بن جاتی ہے کیونکہ ان کے دل سے دعائیں نکلتی ہیں جو فائدہ دیتی ہیں اور اپنی ضد سے سونا بلکہ ہیرا بھی ہاتھ میں لو جس سے ماں باپ ناراض ہوں تو وہ سہاگہ بن جاتی ہے۔"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد خود ہی مزید بولا

’’یہی تو میں سوچتا ہوں کہ میرے ساتھ ہوا تم جیسی عورت کے ساتھ میں صرف اس لئے خوش نہ رہ سکا کہ والدین ناراض تھے ورنہ اور تو کوئی بات نہ تھی۔‘‘

مائرہ نظر اٹھا کر اوپر دیکھتے ہوئے بولی ’’میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ ساری خرابی کی وجہ والدین کی نافرمانی ہی تھی گو کہ انہوں نے خود ہی شادی کی تھی شاید اسی وجہ سے بچے میرے پاس ہیں اور گھر بار بھی ہے کہ اسی وجہ سے کہ انہوں نے خود یہ شادی کروائی تھی کچھ ٹھوکریں کم ہیں ورنہ تو شاید نہ بچے میرے پاس رہتے اور نہ گھر اور آمدن جو ہے۔‘‘

کچھ دیر رک کر مزید شکستہ دلی سے بولی ’’کبھی بھی اپنے والدین کا دل نہیں دکھانا چاہیے اور نہ ان کے کسی فیصلے کو رد کرنا چاہیے وہ جو ہم سے اتنا پیار کرتے ہیں کبھی ہمارے لئے غلط فیصلہ نہیں کر سکتے لیکن ہم خود کو ان سے زیادہ ہوشیار اور سمجھدار سمجھ کر جب فیصلے کرتے ہیں تو سوائے ذلت اور پریشانی کے ہمیں کچھ نہیں ملتا ہے۔‘‘

دونوں طرف خاموشی چھا گئی بچے کھیلتے ہوئے ایک مرتبہ پھر ڈرائنگ روم میں نمودار ہو گئے۔ نور العین کی نظر پیالیوں پر پڑی تو بولی ابو آپ نے چائے نہیں پی۔ مائرہ او ہو یہ تو ٹھنڈی ہو گئی ہو گی یہ گرا کر تھرمس سے اور ڈال دیتی ہوں۔ مائرہ نے چائے گرا کر پیالی دھو کر لے آئی واپس آ کر تھرمس سے چائے ڈالی اور دوبارہ ٹیبل پر رکھ دی۔

چائے کے دوران ارمان بچوں سے باتیں کرتا رہا اور مائرہ کچن میں چلی گئی۔ واپس آ کر بچوں سے کہا کہ ٹیبل پر آپ کے نوڈلز تیار رکھے ہیں کھا لیں۔ بچے خوشی خوشی اٹھ کر چلے گئے۔ ارمان بچوں کو خوش دیکھ کر خوش ہو گیا اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ ’’کیا اچھا ہوتا کہ ہم اکٹھے ہوتے پہلے کی طرح۔‘‘

مائرہ لمبی سانس لیتے ہوئے بولی ’’اب ان باتوں کا کیا فائدہ ہے۔ گزرا وقت واپس کبھی لوٹ کر آ سکتا ہے۔‘‘

ارمان شرمندہ ہو کر بولا ’’مائرہ تم یقین کرو کہ تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں تھا نہ ہی میں تمہیں قصوروار سمجھتا ہوں پتہ نہیں مجھے ہی کیوں اتنا غصہ آتا تھا بات بھی کچھ نہیں ہوا کرتی تھی اور ہر وقت غصہ۔‘‘

مائرہ بے دلی سے بولی ’’اسی بات پر میں حیران ہوتی تھی کہ آپ ہر وقت ذرا ذرا سی بات پر غصے میں کیوں رہتے تھے اور پھر میرے ذرا سے جواب دینے پر اتنا بڑا فیصلہ یکدم یکطرفہ کر دیا آپ نے بغیر سوچے سمجھے۔‘‘

ارمان اپنی غلطی قبول کرتے ہوئے بولا ’’بس میں خود حیران اور شرمندہ ہوں یہ میں نے کیا کر دیا ورنہ تو میاں بیوی میں اتنے لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں روزانہ ہی لڑتے ہیں ناراضگیاں اتنے سالوں چلتی رہتی ہیں لیکن اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرتے کبھی بھی۔‘‘

مائرہ حقیقت بیان کرتے بولی ’’وہی بات ہے والدین کی ناراضگی آپ کے والدین ناراض تھے اور ہوئے بھی میری وجہ سے تھے اس لئے آپ کا غصہ مجھ پر ہی لاشعوری طور پر ہوتا تھا کیونکہ آپ کے لاشعور میں یہ ضرور تھا کہ اس قدم کی وجہ سے وہ ناراض ہیں۔‘‘

ارمان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ’’والدین ناراض ہوں تو رب بھی تو مدد نہیں کرتا اور جب رب ہی ناراض ہو جائے تو پھر ناکامی

توہوتی ہے تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اب سوائے پچھتاوے کے اور کیا ہوسکتا ہے۔" مائرہ افسردگی سے بولی

"یہ محبت واقعی اندھی ہوتی ہے اور جب یہ انا میں ڈھل جائے تو بالکل ہی تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔"

ارمان خاموشی سے گردن جھکائے سن رہا تھا۔ مائرہ مزید خاموشی توڑتے ہوئے بولی

"میں نے تم سے شادی اور محبت کو اپنی انا بنالیا تھا انا کا اتنا موٹا خول جو اس قدر مضبوط تھا کہ ٹوٹنا ہی مشکل نہ تھا بلکہ اس کے اس پار دیکھنا بھی ناممکن تھا اور یہ انا چاہے محبت کی ہو یا ہوس کی یا کسی بھی چیز کی ہو یہ دماغ اور آنکھوں پر ایسی مضبوط پٹی باندھ دیتی ہے کہ انسان کو نہ کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی وہ کچھ سمجھ سکتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے لئے مصائب اور پریشانیاں پیدا کرتا ہے بلکہ جوان کے ساتھ ہوتے ہیں ان سب کی زندگیوں کو بھی اجیرن بنا کر بے معنی کر دیتا ہے۔"

بچے نوڈلز کھا کر واپس آ کر ارمان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے ارمان نے ہادی کا پوچھا کہ ابھی تک وہ سویا ہوا ہے۔ مائرہ نے بتایا کہ ہاں وہ دیر سے سویا تھا۔ مائرہ نے ارمان کی امی کے لئے دعا کی اور ارمان نے جاتے ہوئے بچوں کو پیار کیا اور کہا کہ آج آپ کی مما سے بھی ملاقات ہوگئی چلو بچو جب میں فون کروں گا تم دونوں تیار رہنا باہر لے جاؤں گا۔"

ارمان گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ ارمان نے ہیلو کہا اور خاموش ہو گیا۔ دوسری طرف سے جواب آیا سلمان بول رہا ہوں پہچانا تم نے اس نے خود ہی اپنا تعارف کروایا اور خود ہی سوال کر ڈالا۔

ارمان کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا" ہاں پہچان لیا ہے تم بتاؤ کیسے ہو؟"

سلمان نے مختصراً جواب دیتے ہوئے سوال کر ڈالا" میں ٹھیک ہوں تم اپنی سناؤ' کچھ جاب کے بارے میں بتاؤ۔"

ارمان بیزاری سے بولا" ٹھیک جا رہی ہے جاب اور میں ٹھیک ہوں مجھے کیا ہونا ہے۔"

سلمان نے باری باری گھر کے سب افراد کے بارے میں پوچھا اور ارمان نے سب کی خیریت بتا دی۔

سلمان نے آہستہ سے تایا کا حال پوچھا اور ارمان سے کہا کہ آج میں ایک بات کہوں گا وعدہ کرو مائنڈ نہیں کرو گے۔ ارمان نے یقین دلایا کہ برا نہیں مانے گا۔ سلمان نے ماں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ

"جب ماں باپ دنیا میں نہ رہیں تو خوشیاں خوشیاں نہیں لگتیں کیونکہ یہی دو ہستیاں سب سے زیادہ خوشیاں دیکھنے کی متمنی ہوتی ہیں۔"

ارمان ہاں یہ بات تم نے بالکل ٹھیک کہی ہے۔ اسے سلمان کی بات سے بہت گھٹن محسوس ہونے لگی اور ماں کی آواز ایک مرتبہ پھر گونجنے لگی۔

گھٹن میں ماں کی آواز نے ایک خوشگوار احساس دلایا۔

ارمان کو خاموش پا کر سلمان نے دوبارہ سے ہیلو کیوں خاموش ہو گئے ہو کہا لیکن دوسری طرف سے ارمان کا کوئی جواب نہ آیا۔ سلمان نے فون پر دوبارہ ارمان کو مخاطب کیا ارمان کیا ہوا خاموش کیوں ہو گئے ہو۔ ارمان جذبات پر قابو پاتے ہوئے بولا" کچھ نہیں بس ماں کی باتیں یاد آ گئی تھیں۔ ہاں کہو سلمان کیا کہنا چاہتے تھے تم"

سلمان کچھ وقفے سے بولا" ارمان تم میرے بھائیوں جیسے ہو کیا اس میں کوئی شک ہوا کبھی ہم بچپن سے لے کر اب تک تو اکٹھے ہی تھے۔"

ارمان نے حیرانگی سے پوچھا" ایسا کیوں کہہ رہے ہو کیا ہوا ہے اس سے پہلے تم نے ایسا نہیں کہا تھا۔"

سلمان نے جواب میں کچھ نہ کہا تو ارمان بے چین ہو گیا۔ اور مخاطب کر کے بولا" بولو نہ کیا بات ہے مجھے پریشانی ہونے لگی ہے۔"

سلمان بغیر وقفے کے بولا" ارمان پلیز یہ بات مان لو بھائی سمجھ کر دوست سمجھ کر بس کچھ بھی سمجھ لو لیکن یہ بات مان لو۔"

ارمان حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور سلمان نے خود ہی بات شروع کی۔" تم صرف ایک بار اپنے باپ سے معافی مانگ کر ان کے پاس چلے جاؤ۔"

ارمان نے سن کر لمبا سانس لے کر پوچھا" بس یہ کہنا تھا تم نے اور اس کے لئے اتنی دیر سے تمہید باندھ رہے تھے۔"

سلمان التجا کرتے ہوئے بولا" دیکھو آنٹی بھی تمہارا بہت انتظار کرتی رہی تھیں اور اس جہان فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔"

ارمان حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے بولا" ٹھیک کہہ رہے ہو اب مجھے ماں کے انتظار کا اندازہ ہوا ہے ان کو دی گئی تکالیف کا بھی۔"

سلمان نے مزید سمجھاتے ہوئے بولا" تایا ابا بھی تو اتنا ہی بے چین ہونگے اتنے ہی منتظر صرف بولتے نہیں ہیں کچھ کہتے نہیں ہیں لیکن جذبات ان کے بھی ویسے ہی ہونگے۔"

ارمان نے معصومیت سے پوچھا" سچ میں وہ مجھے اتنا ہی مس کر رہے ہونگے۔"

سلمان بے تابی سے بولا" ہاں سچ میں کیا تمہیں شک ہے۔"

ارمان حیرت سے بولا" جنازے والے دن تو وہ مجھ سے ملے نہیں تھے اگر ماں ہوتی تو وہ مجھے گلے لگا لیتی لیکن وہ خاموش تھے۔"

سلمان نے وضاحت کرتے ہوئے کہا" اس وقت وہ تمہاری ماں کے غم سے نڈھال تھے اور مرد اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہیں۔"

ارمان تائید کرتے ہوئے بولا" ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں بھی یہی آج کل سوچ رہا ہوں کہ باپ کو راضی کر لوں بہت دکھ سہہ لئے ان کو ناراض کر کے۔"

سلمان نے کافی دیر تسلی دیتے ہوئے باتیں جاری رکھیں ارمان فون بند کر کے گاڑی میں ساکت جسم کے ساتھ بیٹھا رہا اور فیصلہ کر کے گاڑی سٹارٹ کی گھر آ کر فریش ہو کر کمرے سے باہر آ گیا۔ سمیر چائے لے آیا اس نے چائے لی اور اخبار دیکھنے لگا۔ رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آ گیا۔ نیند کوسوں دور تھی۔ ایک مرتبہ پھر سلمان کی آواز گونجنے لگی۔

" دیکھو آنٹی بھی تمہارا انتظار کرتی رہیں اور اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔"

یہ بار بار کانوں میں گونجنے لگی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور دوبارہ گونج کی تکرار ہونے لگی" تایا ابا بھی تو اتنا ہی بے چین ہونگے اتنے ہی منتظر صرف بولتے نہیں ہیں کچھ کہتے نہیں لیکن جذبات ان کے بھی ویسے ہی ہونگے۔"

ارمان نے پانی کا گلاس لیا اور منہ سے لگا لیا پانی پیتے بار بار صدا آئی۔" مرد اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہیں اظہار نہیں کرتے۔"

ارمان انہی سوچوں کے تانے بانے بن رہا تھا کہ دانش کا فون آ گیا۔ ارمان نے بے دلی سے ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے جاندار آواز میں السلام علیکم سے آغاز ہوا۔ ارمان نے پوچھا" خیریت اس وقت فون کوئی کیا پرابلم ہوگئی ہے۔"

دانش تیزی سے جواباً بولا" ارے نہیں ایسا بالکل بھی نہیں ہے وہ شہزاد کا فون آیا تھا کہ اس کے گھر کل سیرت کانفرنس ہے آفس کے بعد شام کوتو اس نے بہت تاکید کی ہے کہ میں تمہیں بھی لے کر آؤں۔"

ارمان حیرانگی سے بولا" لیکن اس نے تو مجھے کچھ ذکر نہیں کیا اور نہ فون کیا تھا۔"

دانش یاددہانی کراتے بولا" ارمان وہ بتا رہا تھا کہ تمہارا موبائل مسلسل مصروف جا رہا تھا اس نے بہت مرتبہ کوشش کی تھی اس لئے اس نے مجھے بھی کرنے کا کہا تھا۔"

ارمان یاد کرتے ہوئے بولا" اوہاں میرا موبائل واقعی مصروف تھا یاد آیا چلو ٹھیک ہے کل چلیں گے وقت کا پوچھ کر فون بند کر دیا۔ فون بند کر کے کرسی کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ماں کی یادیں ایک مرتبہ پھر گھیر چکی تھیں۔ ماں کا ہنستا مسکراتا چہرہ نگاہوں اور دماغ پر احاطہ کر بیٹھا تھا۔ ارمان کو یاد آنے لگا کہ ماں نے مرغیاں پال رکھی تھیں ایک مرغی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو ماں کس طرح بے چین ہو کر اس کا خیال رکھتی تھیں روزانہ گھی میں ہلدی ملا کر گرم کر کے اس کی ٹانگ پر لگاتی اور اسے الگ ٹوکری کے نیچے بند کر دیتیں۔ ارمان اور اس کے بہن بھائیوں میں سے کوئی پوچھتا کہ امی اس کو دوسری مرغیوں کے ساتھ ڈربے میں بند کیوں نہ کیا ہے تو وہ کہتی تھیں کہ دوسری مرغیاں ٹھیک ہیں چھلانگیں لگاتی ہیں اس کو لگ جائے گی۔ ارمان کو ماں کے ساتھ کیے سفر یاد آنے لگے۔ دروازے پر دستک نے ارمان کو سوچوں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ سمیر نے بتایا کہ رحمان اور ان کے ساتھ ایک اور بندہ آیا ہے۔ ارمان نے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کا کہا اور خود فریش ہونے چلا گیا۔ دس منٹ بعد ارمان ڈرائنگ روم آیا۔ رحمان اور اس کے دوست دونوں سے ملا۔ رحمان نے اپنے دوست کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ یہ سکندر ہیں لاہور سے آئے ہوئے ہیں۔ ارمان نے خوش دلی سے بات چیت شروع کی۔

" رحمان تم بہت ماہ بعد نظر آئے ہو خیریت کہاں ہوتے ہو فون تک نہیں کیا تم نے" ارمان نے رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" کچھ نہیں بس کام ہی ایسے تھے دوسرے شہر پوسٹنگ ہوگئی تھی فون کیا تھا بتایا تو تھا۔" رحمان نے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

" بتایا ہوگا لیکن یاد نہیں۔" ارمان نے آہستہ سے کہا۔

" تم سناؤ تمہارا بزنس کیسا جا رہا ہے تم نے بھی فون کرنے کی زحمت نہیں کی۔" اس دفعہ رحمان نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

" تمہارا شکوہ بجا ہے لیکن طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔"

" کیوں کیا ہوا طبیعت کو۔" رحمان نے بے چین ہوتے ہوئے پوچھا۔ ارمان کو خاموش دیکھ کر رحمان مزید بے تابی سے بولا" کیا ہوا ارمان خاموش کیوں ہو کچھ تو بتاؤ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

ارمان افسردگی سے بولا" کچھ خاص نہیں۔"

''پھر بھی بتاؤ تو کیا ہوا ہے؟''

''کیا بتاؤں۔''

''وہی جو سچ ہے بتادو۔''

''رحمان پتہ نہیں کیا ہوا۔شاید تنہائی سے ہی بیزاری پیدا ہو رہی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے تم مصروف رہا کرو۔''

''مصروف تو رہتا ہوں لیکن تھک سا جاتا ہوں کسی کام کے کرنے کا جی نہیں چاہتا ہے گھر تک آنے کو دل نہیں کرتا ہے'' ارمان نے بے خیالی میں کہا۔

''کیوں گھر کیوں نہیں آنے کا جی چاہتا؟'' رحمان نے پوچھا۔

''تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے جی چاہتا ہے کہ کہیں اور شفٹ ہو جاؤں۔'' ارمان بے خیالی میں بولتا جا رہا تھا۔رحمان نے سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا'' سن رہے ہو یہ نتیجہ ہوتا ہے تنہائی کا ابھی تمہیں اندازہ نہیں کیا سہنا پڑتا ہے۔'' ارمان دونوں کی باتیں سن کر حیرانگی سے بولا'' کیا ہوا ہے تم مجھ سے کچھ کہہ رہے ہو۔''

''دیکھو ارمان سکندر اور اس کی بیوی کے درمیان ایک ماہ پہلے جھگڑا ہوا تھا۔وہ گھر چھوڑ کر بچوں کو لے کر چلی گئی تھی اور یہ محترم بضد ہیں کہ اسے نہیں لائے گا سب نے بہت سمجھایا ہے اس کے ماں باپ نے یہاں تک کہ دوستوں نے لیکن یہ صاحب ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے ہیں۔ تمہارے پاس اسی لئے آیا ہوں اپنے تجربات کی روشنی میں اسے سمجھاؤ۔'' رحمان نے ارمان سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

ارمان کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا'' سکندر میں مختصر تمہیں اپنی سنا دیتا ہوں تا کہ تمہیں خود معلوم ہو جائے کہ غلطیاں ساری زندگی سزا بن کر آگے کھڑی رہتی ہیں۔''

کچھ دیر رک کر ارمان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا

''سکندر مائرہ میری بیوی بہت اچھی گھریلو عورت تھی، حیادار تھی باہر جانا پسند نہیں کرتی تھی اور یہی عورت کی سب سے بڑی خصوصیت ہوتی ہے۔ورنہ اگر عورت گھومتی پھرتی رہے شمع محفل تو بننے کے قابل ہوتی ہے وہ گھر داری نہیں سنبھال سکتی یہ اس لئے بتایا ہے تمہیں کہ تمہاری بیوی گھریلو عورت ہے۔''

''ہاں۔'' سکندر نے آہستگی سے کہا۔

''ابھی تمہارے سامنے رحمان نے بتایا ہے۔''

''ہاں مجھے معلوم ہے۔'' سکندر نے دھیمے انداز میں کہا۔

''ارمان بھائی پھر علیحدگی کیسے ہوئی آپ کی۔'' سکندر نے گہری سوچ میں محو ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بتاتا ہوں پہلے یہ مشروب لے لو۔'' ارمان نے مشروب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو بیرر کچھ دیر پہلے رکھ کر گیا تھا۔

تینوں مشروب کے دوران ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے سکندر سننے کے لئے بہت بے چین ہو رہا تھا۔ بے چینی صاف اس کے چہرے سے نمایاں ہو رہی تھی۔ ارمان نے مشروب کا گلاس ٹیبل پر رکھا اور خود ہی سنانا شروع کیا۔ سکندر بہت متجسس ہو کر دیکھنے لگا اور ارمان نے کہنا شروع کیا

''مائرہ باپردہ اور باکردار تھی جو کہ عورت کی بہت بڑی صفت ہوتی ہے اس کے ساتھ ساتھ فرمانبردار بھی تھی زبان دراز تک نہیں تھی لیکن پتہ نہیں میری طبیعت کو کیا ایسا ہو گیا تھا کہ غصہ اور انا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے مجھے یہ دن دیکھنا پڑے ورنہ سچ میں سکندر ایسی عورتیں تو نصیبوں والوں کو ملتی ہیں۔ اتنی پرخلوص کہ سوچ بھی نہ جائے بس کھو دی اور اس وقت سے پچھتاوا جان نہیں چھوڑتا۔''

سکندر کو محو ہو کر سنتے دیکھ کر ارمان مزید بولا

''دیکھو تمہارے بچے ہیں بیوی بھی اچھی ہے جنت میں ہی اپنے آپ کو سمجھو اس کو لے آؤ۔''

''ارمان بھائی وہ بہت بدزبان ہے۔'' سکندر نے افسردگی سے کہا

''تو وجہ دیکھو ناں کیوں بدزبانی کرتی ہے وجہ دور کر دو۔ سب معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ارمان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''کچھ سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔'' سکندر نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

''تم جاؤ اور ان کو گھر لے آؤ اور کچھ نہ کرو۔'' رحمان نے آہستگی سے کہا۔

سکندر کو خاموش دیکھ کر ارمان مزید بولا

''دیکھو تمہاری اولاد ہے اور اولاد اور والدین کا رشتہ کتنا پیارا اور انمول رشتہ ہوتا ہے۔ خود سوچو کہ اولاد کتنی بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرنی چاہیے اور اولاد کی پرورش ماں سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔''

''اسی لئے تو ماں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔'' سکندر نے ناگواری سے کہا۔

''بچوں کو باپ کی بھی بہت ضرورت ہوتی ہے۔'' ارمان نے ندامت سے کہا۔

''دیکھو سکندر بات بگاڑتے بگڑ جاتی ہے اور بعض اوقات بناتے واپس بہت وقت لگ جاتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ناممکن ہو جاتا ہے۔''

سکندر نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے تمہیں میرا اس طرح سے بولنا اچھا نہیں لگ رہا ہوگا۔''

ارمان نے تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ اچھا سمجھا رہے ہیں۔ لیکن میں بھی تو انسان ہوں۔'' یہ کہہ کر سکندر افسردگی سے نیچے دیکھتا رہا پھر خود ہی بولا۔

''کیا مرد انسان نہیں ہوتا پورا دن کام کرتا رہے آفس میں باتیں سنتا رہے پھر گھر آئے تو بیوی بجائے اس کے کہ دو گھڑی آرام سے سکون کا سانس لینے دے چیخ چیخ شروع کر دیتی ہے۔''

''میں تم سے اتفاق کرتا ہوں انسان ہر وقت ایک جیسے موڈ میں نہیں ہوتا بیویوں کو شوہر کا احساس ہونا چاہیے۔کم از کم جب وہ تھکے کام سے واپس آئیں تو انہیں کچھ دیر کے لئے ریلیکس ہونے دینا چاہیے۔'' رحمان نے سکندر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ وہ ایسا نہیں کرتی جیسے ہی گھر آتا ہوں نئی سے نئی بات تیار کر کے رکھی ہوتی ہے۔ دیکھتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔'' سکندر نے رحمان کی بات کاٹتے ہوئے کہا سکندر خاموش ہو کر بیٹھ گیا ارمان اور رحمان خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔کافی دیر خاموش رہنے کے بعد ارمان نے بات شروع کرتے ہوئے کا۔

''سکندر اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ بھابی برا کرتی ہیں واقعی جب انسان تھکا ہارا گھر آتا ہے تو اسے آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔اچھے الفاظ سے بات چیت عورتوں کو کرنی چاہیے تاکہ آنے والے کو سکون ملے۔'' ذرا سی دیر مسکرانے کے بعد ارمان بولا

''لیکن افسوس کہ زیادہ تر عورتیں اس بات کو نہیں سمجھتی یا سمجھتی ہیں تو دن بھر یہی کچھ سوچتی ہیں جونہی شوہر صاحب نظر آئے پھٹ پڑتی ہیں۔''

''نہیں کم از کم ماؤں کو اتنی تربیت کر کے لڑکیوں کی شادی کرنی چاہیے کہ شوہر باہر سے گھر آئے تو کچھ دیر اس کو سکون کا سانس لینے دیتے ہیں۔کوئی بڑے سے بڑا مسئلہ ہو صبر سے وقت دیکھ کر بات کرتے ہیں۔'' رحمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے شادی تک لڑکیاں اتنی میچور ہو چکی ہوتی ہیں کہ انہیں شوہر کو سمجھنا چاہیے اور شوہر کو ایک دو مرتبہ نرمی اور طریقے سے یہ سمجھانا ضرور چاہیے شروع سے ہی تاکہ خرابی شروع ہی نہ ہو۔'' ارمان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا سکندر مسکرا کر لمبی آہ لے کر بولا'' ارمان بھائی بعض عورتوں کو جتنا مرضی سمجھا لو کبھی اثر نہیں ہوتا اور بہت سے مرد ایسی عورتوں کو کڑوے گھونٹ پی کر برداشت کرتے ہیں تب ہی گھر سلامت ہیں۔''

''یہ درست کہا آپ نے۔''

ارمان نے مثبت میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد رحمان بولا۔

''ہمت صبر سے کام لے کر گھر کو بچا لینا چاہیے اگر ایسا نہ کرو گے تو صورتحال تم سوچ سکتے ہو۔''

''کیا مطلب؟''

سکندر نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''ظاہر ہے اگر تم نہیں لاؤ گے تو دو ہی صورتوں میں سے ایک تو تمہیں برداشت کرنا پڑے گی۔''

سکندر کو خاموش دیکھ کر رحمان مزید بولا

''یا تو تمہیں ارمان کی طرح اکیلے رہنا ہو گا یا پھر''

''یا پھر کیا؟'' سکندر نے چونکتے ہوئے کہا۔

''یہی کہ ان کو چھوڑ کر تم دوسری شادی کرلو ورنہ خود سوچو یوں کب تک چلے گا۔''

سکندر طنزیہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''دوسری شادی''

رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا

''ایک نے بڑا سکھ دیا ہے جواب میں دوسری کے بارے میں سوچوں گا یہ سب عورتیں ایک جیسی ہوتی ہیں کم ظرف اور مطلبی ان کے نخرے اٹھاتے رہو تو اچھے ذرا سا فرق کیا لگ جائے اوقات دکھانے لگتی ہیں۔''

''نہیں سکندر اب ایسی بات نہیں ہے کچھ اس طرح ضرور کرتی ہیں لیکن بہت سی عورتیں بہت اچھی بھی ہوتی ہیں۔ سب کو ایک ہی کیٹگری میں رکھنا درست بات نہیں ہے۔'' رحمان نے نفی کرتے ہوئے کہا۔

''سکندر اگر تم بھابی کو لے آؤ سب سے بہتر یہی ہے تمہارے لئے لیکن کبھی تنہا مت رہنا تم مجھ سے پوچھو کسی کام میں کوئی لطف نہیں رہتا بیزاری چھائی رہتی ہے تم رحمان سے پوچھو کبھی کسی دوست کے ساتھ ہوتا ہوں کبھی کس دوست کے پاس ہوتا ہوں گھر خالی کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ پلیز اپنی بیوی کو کسی بھی سمجھدار عورت کے ساتھ رکھا کرو تا کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔''

''ہاں'' رحمان نے بے تابی سے کہا۔

''سکندر ارمان ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' رحمان جلدی سے بولا

''تمہیں پتہ ہے عورتیں کمزور عقل ہوتی نہیں مردوں کے مقابلے میں یہ جلد دوسری عورتوں کی باتوں میں آجاتی ہیں اور وہ ان کو اپنے مطابق ہی مس گائیڈ کرتی رہتی ہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے میرا اس طرف دھیان نہیں گیا کچھ نہ کچھ کروں گا سوچتا ہوں ابھی دو تین ماہ اور اس کو ادھر ہی رہنے دوں خرچہ بھی نہ دوں اور بات بھی نہ کروں تا کہ اس کو احساس ہو۔''

''تم بچوں کا خرچہ بھیج دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس سے اس کے دل میں تمہاری قدر ضرور بڑھے گی بس یہی ساس سے کہو کہ اس کو سمجھداری کی باتیں سکھائیں ماں سے زیادہ پرخلوص اور اچھا مشورہ کوئی نہیں دے سکتا۔'' ارمان نے تفصیلاً کہا اس کے بعد چائے کے دوران موضوع بدل دیا اور سب ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے سب کے جانے کے بعد ارمان ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن آفس سے فارغ ہو کر ارمان، دانش، اکرم اور سکندر مل کر شہزاد کے گھر سیرت کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے۔ سیرت کانفرنس میں بہت اعلیٰ پائے کے ادیب اور نعت خواں موجود تھے۔ نعت میں آنحضور کی شان بیان کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کی

سنتوں کے فوائد بیان کیے گئے اور ثابت کیا گیا کہ آج بھی سنت پر عمل کر کے ہی فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ کانفرنس کے بعد ڈاکٹر سکندر، دانش اور اکرم تینوں ارمان کے ساتھ اس کے گھر آ گئے۔ ارمان نے تینوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور سمیر سے چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لانے کو کہا۔

ڈاکٹر سکندر کو گہری سوچ میں بیٹھے دیکھ کر اکرم نے پوچھا کہ کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب آپ کو مریض یاد آ رہے ہیں یا گھر؟ ڈاکٹر سکندر چونک گئے اور کہا نہیں۔ دونوں نہیں بلکہ اس وقت تو مجھے وہ بات یاد آ رہی تھی ذرا ٹھہر کر بولے

''سنت پر عمل کرنے سے بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں اور بیماریوں کا علاج انہی میں ہے۔''

اکرم ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر ہم سنت کے مطابق زندگی گزاریں تو بہت سی بیماریوں سے نجات خود بخود مل جائے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم بیمار ہی نہ ہوں۔

بیماری تو نازل ہوتی ہے لیکن اس کی دوا بھی نازل ہوتی ہے۔

''تو یہ بیماری کا ٹاپک چینج کرو خوف آتا ہے۔'' ارمان نے ناگواری سے کہا۔

''چلو آج ہم کسی پرفضا مقام کی طرف چلتے ہیں۔'' ڈاکٹر سکندر نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''اس وقت'' ارمان نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا

''کیوں رات گئے تک سارے تفریحی مقامات پر رش ہوتا ہے اور ہم قریبی مقام پر جاتے ہیں۔''

''ہاں چلو ٹھیک ہے ویسے بھی آج کتنے عرصے بعد اکٹھے ہوئے ہیں باہر تو مزا ہی دوبالا ہو جائے گا۔'' اکرم نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

چاروں دوست اٹھے اور اکٹھے ڈاکٹر سکندر کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ سب کے سب شام کی رونق دیکھتے ہوئے ایک دوسرے سے مذاق کر رہے تھے۔ چاروں دوست باغ میں آ گئے باغ میں ہر طرف ہی رونق تھی وہ چاروں خالی جگہ کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگے۔ اکرم نے کنارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ادھر چلتے ہیں پانی کا نظارہ بڑا دلفریب رہے گا۔'' سب نے ادھر نگاہیں دوڑاتے ہوئے اتفاق کیا اور اس سمت چل پڑے۔ چاروں دوستوں نے بچپن میں پانی سے کھیلنے کو موضوع گفتگو بنا لیا۔

''ہم بچپن میں بارش میں گرمیوں میں ضرور نہایا کرتے تھے کتنا مزا آتا تھا جب سڑکوں پر پانی جمع ہو جاتا تھا اور ہم درمیان میں بھاگا کرتے تھے ہم سب بہن بھائی کیا سارے محلے کے بچے بھی شامل ہوتے تھے میں جب بھی پانی دیکھتا ہوں مجھے بچپن یاد آ جاتا ہے۔'' ڈاکٹر سکندر نے ماضی میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''اور اگر اب تمہارے بچے اسی طرح محلے کی گلی کے پانی میں کھیلنا چاہیں تو تم کھیلنے دو گے۔'' ارمان نے ڈاکٹر سکندر سے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں کبھی نہیں بہت گندا پانی ہوتا ہے نالیوں کا۔'' ڈاکٹر سکندر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کیوں جناب تم بھی تو کھیلتے تھے اس وقت تو گندا نہیں تھا اب تم ڈاکٹر کی نظر سے دیکھتے ہو تو تمہیں تو سب چیزوں میں ہی جراثیم نظر آتے

ہو نگے۔'' اکرم نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے دیکھو پہلے نالیاں گہری ہوا کرتی تھیں آبادی بہت کم تھی ایک ایک محلے میں دو دو گھر ہوتے تھے اب دیکھو کسی جگہ کوئی پلاٹ نہیں بچا اور نالیاں گند سے بھری ہیں۔ پہلے ہر گھر میں گٹر ہوتے تھے اب لوگوں نے باہر نالیوں میں پائپ رکھوائے ہوئے ہیں پھر تم خود سوچو۔'' ڈاکٹر سکندر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا

بہت دیر اسی طرح ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے اس کے بعد سب ریسٹورنٹ جا کر کھانے سے لطف اندوز ہوئے اور خوب گپ شپ کرنے کے بعد سب نے پروگرام بنایا کہ اب ویک اینڈ ارمان کے گھر منائیں گے سب ٹائم اور دن طے کر کے خوشگوار موڈ کے ساتھ اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے ارمان ایک مرتبہ پھر اپنی روٹین میں مصروف ہو گیا۔ وہی روٹین صبح آفس شام گھر پر یا کسی دوست کے ساتھ۔ ہفتہ بھر مصروف رہنے کے بعد آج ارمان فریش ہو کر سب کا انتظار کرنے لگا۔ چاروں دوست ایک مرتبہ پھر یکے بعد دیگرے آ گئے۔ ارمان کو اپنی چھٹی کے دن سب کے ساتھ بہت لطف آ رہا تھا۔ سب کے آنے کے بعد سب نے پہلے تو اپنی مصروفیت کا ذکر کیا۔ اس کے بعد بات سے بات نکلنے لگی۔ ڈاکٹر سکندر نے سب کو مشورہ دیا اس مرتبہ عید کی چھٹیوں میں ہفتے بھر کے لئے سکاٹ لینڈ چلتے ہیں وہاں آپی کے گھر میں روم مل جائے گا کرایہ بھی نہیں دینا پڑے گا۔ مفت میں ہفتہ بھر سیر کرتے ہیں۔ سب دوستوں نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے چلتے ہیں یکسانیت سے تو گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔'' اکرم نے ڈاکٹر سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ارمان نے بھی بخوشی قبول کرتے ہوئے کہا۔ ''نیکی اور پوچھ پوچھ' اچھا ہے۔ ہو گی یہ بہت بہتر رہے گا۔'' ڈاکٹر سکندر نے اکرم اور ارمان کی بات سننے کے بعد دانش کی طرف دیکھا جو گہری سوچ میں بے خبر بیٹھا تھا۔ تینوں اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔ دانش حیرانگی سے سب کی طرف دیکھنے لگا۔ اکرم نے مذاق کرتے ہوئے پوچھا۔

''کہاں کھوئے ہوئے تھے بیوی کا خوف غالب آ رہا تھا جو بالکل ہی بے خبر ہو کر بیٹھ گئے تھے جورو کے غلام۔

دانش مسکرا کر بولا ''سوچ تو ضرور یہ رہا تھا کہ تم کیسے بیٹھے بٹھائے پروگرام ہمیشہ سے بنا لیتے ہو نہ گھر کسی سے کچھ پوچھتے ہو۔''

''ہم صرف پوچھتے ہی نہیں بلکہ ہوا بھی نہیں لگنے دیتے۔'' اکرم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' دانش نے حیرانگی سے پوچھا۔

''اس میں کیا سمجھنے والی بات ہے کوئی بہانہ کر دو جیسے میں ہمیشہ آفس کے کام کا بہانہ بنا کر خوش باش سیر و تفریح کرتا ہوں۔''

دانش نے حیرانگی سے ڈاکٹر سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''اور آپ''

ڈاکٹر سکندر دبی ہنسی کے ساتھ بولا ''میں ہسپتال کی طرف سے کورس کے سلسلے میں جاتا ہوں۔''

''تو کیا بھابی کو شک نہیں ہوتا۔'' دانش نے حیرت سے پوچھا۔

''شک ہونے نہ دو پہلے سے کہنا شروع کر دو کہ اگلے ایک دو ماہ میں ایسا ہونا ہے۔''

ڈاکٹر سکندر کی بات پر تینوں کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔

''دانش تم اسی لئے کم ہی سیر کو جاتے ہو شاید تم بھابھی کو بتاتے ہو کہ ہم سیر کو جارہے ہیں'' اکرم نے نقطہ اٹھاتے ہوئے کہا'' اور اس طرح وہ کہاں جانے دینے والی ہوتی ہے'' ارمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہانہ بنانا پڑتا ہے پھر کام بنتا ہے'' ڈاکٹر سکندر نے کہا۔

دانش مسکراتے ہوئے بولا،'' اسی لئے میں کہوں کہ تم لوگوں کی بیویاں کیسے اتنی آسانی سے اجازت دے دیتی ہیں''۔

''نہ جی نہ ان کو خبر ہو جائے تو تہس نہس کر کے ہمارے پروگرام کا رکھ دیں بڑی چیز ہوتی ہیں ان کو طریقے سے قابو کرنا پڑتا ہے''۔

''نہیں میرا خیال ہے بیویاں کچھ نہیں کہتیں اگر سچ بتا بھی دیا جائے تو بھی انہوں نے کیا کہنا ہوتا ہے'' ارمان نے ذومعنی انداز میں کہا ''جانے تو دے دیں گی لیکن شرائط کڑی رکھتی ہیں کہ مجھے بھی اگلے سال سیر فلاں فلاں جگہ کی کراؤ اور بے تکی سی شرائط ان سب سے بچنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ پتہ ہی نہ چلنے دیا جائے''۔ سکندر نے سکون سے کہا۔

''واہ واہ کیا منطق ہے آپ کی آپ کو تو ڈاکٹر کی بجائے فلاسفر ہونا چاہئے''۔ دانش نے داد دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن ساری جگہوں پر ایسا نہیں ہوتا بعض عورتیں بہت انا پرست ہوتی ہیں بہت ہنگامہ کرتی ہیں بلاوجہ ٹینشن Create کر دیتی ہیں''۔ اکرم نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن رشتوں میں انا تو نہیں چلتی ورنہ وہ کہاں قائم رہ سکتے ہیں میری مثال تمہارے سامنے ہے'' ارمان نے افسردہ ہوتے ہوئے کہا۔

''عورتیں انا پرست اچھی نہیں ہوتیں بلکہ عورتوں کو تو بس فرمانبردار ہونا چاہئے ورنہ گھر نہیں قائم رہ سکتے'' ڈاکٹر سکندر نے سرد آہ لیتے ہوئے کہا۔

ارمان سوچتے ہوئے بولا،

''انا زہر سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے، جو زندگی بھر کا روگ لگا کر نہ جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے، خوشیوں، مسکراہٹوں اور رشتوں کی قاتل اور سب سے بڑھ کر انسان کو غلط راستوں پر لے جانے والی۔ اگر فرمانبرداری اور عاجزی ہو تو اناؤں کا پجاری بن کر زندگی برباد نہیں ہو سکتی ہم زندگی بھر اناؤں کا شکار رہتے ہیں۔ اسی لئے تو ہماری زندگی میں نہ سکون ہوتا ہے نہ کامیابی اور نہ عزت''

سمیر چائے کے ساتھ کباب، سموسے، پکوڑے اور کیک لے آیا سب نے اتنی چیزیں دیکھ کر سمیر کو داد دی۔ دانش نے سمیر کے جانے کے بعد کہا کہ کم از کم اس کی تعریف تو دل کھول کر کرنی چاہئے اس میں کیا کنجوسی کرنی۔

ڈاکٹر سکندر کو خاموش دیکھ کر دانش نے پوچھا،

''کن خیالات میں کھو گئے چائے پیتے ہوئے''

اکرم مزاحیہ انداز میں بولا،

''محترم کسی مریض کے خیالوں میں کھوئے ہوں گے اور کیا''

ڈاکٹر سکندر نے موبائل جیب میں ڈالتے کہا،

''درست اندازہ لگایا ہے، ایک دوست آج کل ڈیپریشن کا مریض ہوگیا ہے اسی کو وقت دیتا ہوں بس اسی کو میسج کر رہا تھا''۔

اکرم بات کاٹتے ہوئے بولا'' آجکل ہر دوسرا بندہ ڈیپرٹیشن کی شکایت کرتا ہے یہ ہے کیا''

ڈاکٹر سکندر کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا،''ڈیپریشن' ذہنی افسردگی، ذہنی تناؤ، بے جا خوف، جذبات کی ابتری وغیرہ شدید مایوسی اور ناامیدی کا نتیجہ ہوتے ہیں''

دانش کچھ سوچتے ہوئے بولا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مایوسی ڈیپریشن کا دوسرا نام ہے''۔

اکرم اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا،''ہاں کہہ سکتے ہو''۔

ڈاکٹر سکندر مزید وضاحت کرتے ہوئے بولا،''دیکھو انسان کی زندگی میں خوشیاں غم آتے رہتے ہیں ایک صحت مند انسان غموں کو اپنے اوپر حاوی نہیں کرتا بلکہ بھلا کر کامیابیوں اور خوشیوں کیلئے جدوجہد کرتا ہے لیکن جب انسان اپنے اوپر مایوسی طاری کر لیتا ہے تو وہ کامیابیوں اور خوشیوں سے منہ موڑ لیتا ہے یہی ڈیپریشن ہے''

ارمان مسکراتے ہوئے بولا،''یہ ایک اچھی خاصی بیماری ہے لیکن ہمارے معاشرے خاص کر ہمارے ملک میں تو اسے بیماری نہیں سمجھا جاتا بلکہ پاگل خیال ہونے کے ڈر سے لوگ خودساختہ علاج کرنا شروع کر دیتے ہیں''۔

دانش یکدم بولا،''خاص طور سے عورتیں اس کا بہت شکار ہوتی ہیں''۔

اکرم ڈاکٹر سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا،

''کیا اس کا تعلق کسی خاص طبقے سے ہے میرا مطلب ہے کہ امیر اس کا زیادہ شکار ہیں یا غریب''۔

ڈاکٹر سکندر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے،

''نہیں اس کا تعلق کسی خاص طبقے سے نہیں ہے صرف ڈیپریشن کی نوعیت مختلف ہے''۔

ارمان آہستہ سے بولا،''اس کی ایک وجہ اعتدال اور قناعت کی کمی ضرور ہوگی''۔

ڈاکٹر سکندر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے،''ہاں یہ بھی ہے اور بڑی وجہ ہے''۔

ارمان سوال کرتے ہوئے کھڑا ہوگیا،''اس سے نجات مشکل ہے''۔

ڈاکٹر سکندر سر ہلاتے ہوئے بولے،''نہیں بالکل بھی نہیں اگر شروع سے ہی کنٹرول کر لیا جائے، مثبت طرز فکر اپنائیں، اچھا اخلاق اپنائیں، دوسروں کے کام آئیں، رب پر بھروسہ۔

ارمان مسکراتے ہوئے بولا،''دوستی ڈیپریشن کا خاتمہ کر سکتی ہے''۔

ڈاکٹر سکندر ارمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے،''ہاں دوستی بہت اہم رول ادا کرتی ہے، انسان کی سرگرمیوں کو مثبت رخ دے دیتی ہے

اور مل کر اچھی سرگرمی اپنائی جائے تو ڈیپریشن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''

اکرم وقت دیکھتے ہوئے بولا ''اب چلنا چاہئے بہت دیر ہوگئی ہے''۔

سب دوستوں کے جانے کے بعد ارمان اپنے کمرے میں گیا فریش ہو کر نیچے آیا، کھانا کھایا اور واپس اپنے کمرے میں آ گیا، بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اس کے ذہن میں یہ آواز گونجنے لگی ''آج کل ہماری ساری ٹھوکروں اور ناکامی کی وجہ ہی قرآن واحادیث سے دوری ہے''۔

ارمان اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ یہ بات بالکل ٹھیک ہی تو کہی ہے۔

''واقعی آج ہماری ٹھوکروں، ناکامیوں اور ذلت ورسوائی کی ساری وجہ ہی تو قرآن واحادیث سے دوری ہی ہے، بحیثیت قوم ہم کتنے پیچھے رہ گئے اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں صرف اور صرف اپنی اعلیٰ اقدار کو پس پشت ڈالنے کی وجہ سے ورنہ تو ہم ماضی میں ترقی کی منازل پر تھے لیکن آج کچھ بھی نہیں اور ناکامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں''۔

ارمان کی نظر فیشن ایبل لڑکیوں کے ایک گروہ پر پڑی اسے اپنی ماں کی بات یاد آ گئی جو وہ سب بہن بھائیوں کو سمجھایا کرتی تھی

''بیٹا ہمیشہ یاد رکھو، باہر کی خوبصورتی اسی وقت صحیح معنوں میں خوبصورتی ہوتی ہے جب اس میں باطنی خوبصورتی شامل ہو، اس کے مضبوط کردار کی خوبصورتی ورنہ صرف شکل وصورت کو چمکانے اور یہ آدھے آدھے لباس پہننے سے انسان خوبصورت نہیں ہوتا بلکہ خوب سیرت اگر انسان ہو تو وہ سب کو اچھا لگے گا اور خود مطمئن رہتا ہے''۔

خاص طور پر ماں بہنوں کو فیشن والے بے حیا کپڑوں کے نقصانات بتاتی تھیں کہ دیکھنے والے کو بعد میں یہ چیزیں بری لگتی ہیں اور کوئی عزت نہیں کرتا بلکہ وہ سمجھایا کرتی تھیں کہ یہ کام کم عقل لڑکیاں کرتی ہیں۔

ارمان واقعی سوچنے لگا کہ ماں کتنا صحیح کہا کرتی تھی یہ فضول ہی تو ہے۔

''یہ ظاہری بناوٹ ہر وقت کرتے رہنا اور فیشن احساس کمتری کا نتیجہ ہی تو ہے۔ شاید جب خوبیاں نہ ہوں تو ان چیزوں سے ہی اپنے آپ کو مطمئن کرنے لگتا ہے، انسان بالکل اسی طرح جس طرح تشنگی اور Trustration کا شکار لڑکیاں شاپنگ بہت کرنا اور اپنے آپ کو بہت اپ ٹو ڈیٹ کرنے کی کوششوں میں لگی رہتی ہیں اور اس طرح سے اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو کور کرتی ہیں ورنہ صحت مند شخصیت ظاہری بناوٹ اچھی بناتی ہے لیکن فیشن اور گھٹیا طریقوں سے نہیں اور نہ ہی بہت زیادہ سے بلکہ اچھے کردار اور اچھی سیرت سے اور واقعی ان دونوں کی حاصل صورت ہی باوقار اور اچھی لگتی ہے''

اسے ماں کی مزید بات یاد آ گئی،

''اچھے کپڑے صاف ستھرے نئے بھی پہنو لیکن بہت زیادہ ان کا نہیں سوچتے رہتے نہ میک اپ سے اور بناؤ سنگھار سے ہر وقت کام لیتے ہیں یہ چیزیں انسان کو ذہنی پستی اور نفس پرستی کا شکار بنا دیتی ہیں اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لیتی ہیں۔''

واقعی ماں باپ کتنی اچھی باتیں سمجھاتے ہیں۔

"سب کے ماں باپ ہی اسی طرح سمجھاتے ہیں لیکن جو میری طرح ناکام ہوتے ہیں انہی کو ماں باپ کی باتیں سمجھ نہیں آتی ہیں۔"

حقیقت یہی ہے کہ میری زندگی میں ساری ناکامیاں اور مصائب ماں باپ کی ناراضگی کی وجہ سے ہی تو ہیں۔ یہ پچھتاوا اور تنہائی کا عذاب ان کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ مائرہ سے شادی کی خرابی بھی صرف اور صرف ان کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مائرہ تو بہت خیال رکھنے والی عزت دار گھرانے کی تھی اولاد اتنی خوبصورت اور کیا چاہیے ہوتا ہے آئیڈیل زندگی کے لئے لیکن صرف اور صرف والدین کی ناراضگی کی وجہ سے اب کچھ بھی تو نہیں ہے یہ تو ہونا ہی تھا کیونکہ والدین کو ناراض کر کے کیئے گئے فیصلے ہمیشہ پچھتاوے کا سبب ہی تو بنتے ہیں۔

ویسے اللہ نے جہاں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے وہیں ماں باپ کی فرمانبرداری کا حکم دیا ہے اور ان کے آگے عجز و نیاز سے جھکے رہنے کا حکم ہے اف تک نہ کرنے کا حکم ہے اور میں نے نافرمانی کر کے اپنے لئے مشکلات پیدا کی ہیں۔ ارمان یہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ اسے بچپن میں پڑھی ہوئی حدیث یاد آ گئی کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "وہ آدمی ذلیل ہو پھر ذلیل ہو پھر ذلیل ہو لوگوں نے پوچھا اے خدا کے رسول ﷺ کون آدمی آپ ﷺ نے فرمایا وہ آدمی جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پایا۔ دونوں کو یا کسی ایک کو اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔"

اور نافرمانی کی سزا ہی بڑی ہے بس سب غلطیاں ہی انسان کرتا رہتا ہے اور بعد میں پچھتاتا رہتا ہے۔ اب ارمان سوچنے لگا کہ واقعی اولاد کی نافرمانی ماں باپ کے لئے کتنی اذیت کا باعث ہوتی ہے۔

یہ سوچ کر ارمان بیڈ پر لیٹ گیا اس کے ذہن میں جیسے آندھیاں اور طوفان چلنے لگے اب ارمان اسی حالت کا شکار ہو گیا کہ والد راضی کیسے ہونگے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

دوسرے دن آفس سے آ کر کھانے کے بعد آرام کے لئے کمرے میں چلا گیا کوئی پانچ بجے کے قریب سمیر نے دروازہ کھٹکھٹایا اور بتایا کہ عرفان صاحب آئے ہوئے ہیں ارمان نے سمیر سے کہا کہ ان کو بٹھاؤ میں آتا ہوں۔ ارمان آیا اور عرفان سے بہت گرمجوشی سے ملا دونوں کی دوستی بچپن سے تھی وہ رشتے دار بھی تھے لیکن دوستی زیادہ تھی وہ ہمیشہ سے ہی اکٹھے رہے تھے۔ دونوں کی رسمی باتوں کے بعد گفتگو بچپن کی شرارتوں کی طرف لوٹ گئی۔ درختوں پر چڑھنا لوگوں کی دیواریں ٹاپ کر ان کے پھل توڑنا وہ بھی عین دوپہر کے وقت جب ان کو پورا یقین ہوتا تھا کہ سب سوئے ہوئے ہونگے۔ عرفان نے انکل تخی کے گھر سے آلوچے اور امبیاں توڑنے کے واقعات یاد دلاتے ہوئے کہا کہ ہر روز نت نئی شرارت ہی تو کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یاد ہے ہم نے نائی کی چیزیں چوری کر لی تھیں اور ہمیں مار پڑی تھی۔ اس پر ارمان کھلکھلا کر ہنس دیا۔ دونوں بچپن کی شرارتوں کو یاد کر کے بہت ہنستے رہے۔ سمیر چائے رکھنے آیا تو بہت خوش ہوا کہ شکر ہے ارمان صاحب بھی ہنسے ہیں ورنہ تو نجانے کب سے اداس ہیں۔ چائے کے دوران بھی عرفان نے محلے داروں کی گھنٹیاں بجا بجا کر بھاگنے کا ذکر کیا۔ دونوں نے کہا کہ شاید ہی کوئی ایسا تھا جو ہماری شرارتوں سے بچا ہوگا۔ ارمان نے کہا عرفان ایک وہ شعر سا ہے نا جو بچپن کے بارے میں ہے۔ عرفان نے پوچھا وہ کون سا

ارمان نے بیان کیا کہ وہ جو ہے بھلے لے لو مجھ سے جوانی دے دو مجھے کاغذ کی کشتی اور بارش کا پانی

عرفان سن کر قہقہہ لگا کر ہنسا نہ یار جو چیز نہ آئے وہ نہیں بیان کرتے اگر یہ شاعر سن لے تو بے ہوش ہو جائے پکی بات ہے۔ارمان بھی ہنس دیا۔عرفان نے باہر جا کر کھانا کھانے کا کہا۔ارمان کا موڈ بہت خوشگوار تھا اس لئے وہ یکدم راضی ہو گیا۔دونوں نے پہلے شاپنگ کی اور پھر ریسٹورنٹ کھانے کے لئے چلے گئے۔کھانے کا آرڈر دے کر دونوں نے باتوں کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔باتوں باتوں میں عرفان نے باپ سے راضی ہونے کا کہا اور مشورہ دیا کہ دوسری شادی کر لو۔

ارمان یکدم خاموش ہو گیا اور خود ہی سکوت توڑتے ہوئے بولا۔ابا جی کو راضی کرنے گیا تھا لیکن کر نہ سکا ہر دفعہ کچھ لوگ ہی ان کے ساتھ بیٹھے ملے لیکن اب میرا ارادہ ان کو راضی کرنے کا ہے ان کی خدمت کرنے کا اور جہاں تک شادی کی بات ہے دیکھو میرے تین بچے ہیں اب وہ بڑے ہو رہے ہیں۔

عرفان بات کاٹتے ہوئے بولا ’’اوہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے تم کون سا بوڑھے ہو گئے ہو۔‘‘

ارمان جھنجلا کر بولا ’’نہیں عرفان اب تو یہ نہیں ممکن ہے تم دیکھو کہ مائرہ ہر لحاظ سے بہترین تھی تب بھی نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔‘‘

عرفان سمجھاتے ہوئے بولا ’’مزدوری تو نہیں کہ جو ایک مرتبہ ہو ویسا ہی ہر مرتبہ ہو۔‘‘

ارمان مایوسی سے نیچے نظریں جھکا کر دیکھنے لگا۔کھانا کھانے کے دوران دونوں ہی خاموش رہے۔کھانے کے بعد باہر جاتے ہوئے ریڑھی پر عرفان کی نظر پڑی تو ماضی میں چنا چاٹ اور ریڑھی سے مختلف چیزوں کے کھانے کو یاد کیا اور پیٹ کی خرابی پر گھر میں شریف بن کر خاموش رہتے لیکن باہر کسر پوری کرتے ارمان بچپن کی باتوں کو یاد کر کے مسکراتا رہتا۔گھر کے قریب عرفان نے ارمان سے ایک مرتبہ پھر والد سے راضی ہونے کا کہا کہ وہ اب بزرگ ہیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی جاؤ معافی مانگ لو اور خدمت کرو۔پلیز ارمان تم اپنے والد کی ناراضگی دور کرواسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بناؤ بلکہ حقیقت میں سوچو کہ تم نے بھی ان کے ساتھ غلط کیا ہے۔ارمان پلیز ذرا سوچو کہ تمہاری امی تمہارے انتظار میں ہی دنیا سے رخصت ہو گئیں اور مائرہ کتنی اچھی بیوی تمہاری صرف اور صرف تمہارے غصے کی وجہ سے ہی بے گھر ہوئی ہے۔ارمان نے عرفان کو گھر ڈراپ کیا اور خود گھر کی راہ لی۔

ہفتہ بھر آفس میں بہت مصروف رہا اور آج جلد گھر لوٹ آیا سو کر اٹھا تو باہر شام کا نظارہ کرنے ٹیرس پر آ گیا یہ منظر بہت خوبصورت لگتا تھا اسے یاد آیا کہ وہ اور مائرہ شام کی چائے باہر پیتے اور لطف اندوز ہوتے تھے۔وہ اور مائرہ کتنی دیر تک بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔کتنی پر بہار زندگی تھی اور مائرہ کتنی زندہ دل اور اچھی تھی شوخ مزاج اور چنچل تھی سال کے آخری غروب آفتاب کو دیکھنے آبادی سے باہر جاتے تھے کتنے خوبصورت لمحات کہاں کھو گئے ہیں۔وہ سب یاد کر کے اداس ہو گیا۔

موبائل کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی جس نے اس کو یادوں سے جھنجوڑ کر رکھ دیا اس نے نمبر دیکھا تو شمروز کا تھا فون اٹھا کر ہیلو کیا لیکن شمروز کا جواب نہ آیا۔ارمان نے خود ہی بتایا کہ وہ آنے والا تھا بس کچھ دیر میں آ جاؤں گا۔شمروز نے حیرت سے پوچھا ’’آپ کو کس نے بتایا ہے۔‘‘ارمان حیرانگی سے بولا ’’کیا ہوا کیا بتایا ہے۔‘‘

شمروز روتے ہوئے بولا ''ابو فوت ہو گئے ہیں۔''

ارمان کو اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا دوبارہ پوچھا '' کیا کہا تم نے۔''

شمروز زور دے کر بولا '' ٹھیک کہہ رہا ہوں ابو دن دو بجے کو فوت ہو گئے تھے۔''

ارمان نے افسردگی سے پوچھا '' تم مجھے اب بتا رہے ہو۔'' شمروز ٹوٹے ہوئے لہجے سے بولا '' کس کو ہوش تھا۔''

ارمان نے تیزی سے فون بند کر دیا اور گاڑی کی چابی لے کر تیزی سے باہر چلا گیا۔ گاڑی نکالتے وقت چوکیدار سے خیال رکھنے کا کہا اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ روانہ ہوا۔ گھر پہنچ کر شہروز کے گلے لگ کر بہت دیر روتا رہا اور علیحدہ ہونے پر پوچھا بھائی یہ کیسے ہوا ہے۔ ابھی امی کو گئے ہوئے ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا اور ابو بھی ہم سے جدا ہو گئے۔ شمروز کے گلے لگ کر بہت رویا سب کزنز آئے ہوئے تھے سب باری باری افسوس کرتے رہے۔ شہروز اور شمروز بھی ارمان کی طرح بت بنے کھڑے تھے کسی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ سب گھر والے بری طرح غم سے نڈھال تھے ارمان ہال میں گیا باپ کا چہرہ دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ بہنوں کے گلے لگ کر بہت رویا۔ جنازے کے بعد ارمان بہت افسردہ تھا ہونٹوں پر پپڑی جمی ہوئی تھی جیسے سالوں سے بغیر کھائے پیے ہو اور غم سے ایسے نڈھال ہو چکا تھا جیسے برسوں کا بیمار قرب مرگ ہوتا ہے ارمان کا چہرہ اتر گیا رات بہت مشکل سے کاٹی اسے کچھ ہوش نہ تھا اس بات کا زیادہ صدمہ تھا کہ باپ کو راضی کیوں نہ کیا۔ کتنا باپ کی خدمت کا سوچا تھا۔

کتنا سوچا تھا کہ باپ کو راضی کر کے خدمت کروں گا انہیں گھمانے لے کر اپنے ساتھ چھٹی کے دن لے جاؤں گا بچے بھی ملوایا کروں گا تا کہ ان کو بڑاپے کا احساس تک نہ ہو اور نہ تنہائی محسوس ہونے دوں گا لیکن یہ کیا ہوا نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

وہ یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شمروز اور شہروز خود غم کی تصویر بنے کھڑے تھے لیکن ارمان کو تسلی دے رہے تھے۔ دوسرے دن سب آفس کے لوگ دعا کے لئے آئے۔ ارمان کچھ نہ بولا اور نہ کچھ کھایا بس افسوس کرنے کے لئے آنے والوں کے پاس بیٹھا رہا۔ بہت مایوس بے خبر سب سے بیٹھا دیکھ کر ارمان کو تو سب کا دل دکھنے لگا بہنوں نے رات کو ارمان کو سمجھایا کہ کھانا کھا لو ایسے تو ٹھیک نہیں ہے آج تیسرا دن ہے تم نے نہ کسی سے کوئی بات کی اور نہ کچھ کھایا ہے۔ شہروز اور شمروز نے بہنوں کے جانے کے بعد کھانا رکھا اور کہا کہ اگر ابھی یہ کھانا تم کھا لو گے تو ابو کی ایک بات تمہارے لئے ہے وہ بتائیں گے۔ ارمان نے آنکھیں اوپر اٹھا کر دونوں کی طرف دیکھا اور شہروز نے دوبارہ یقین دہانی کروائی کہ بات ضرور بتائیں گے لیکن شرط یہی ہے پہلے کھانا کھا لو۔ ارمان نے کھانا افسردگی سے تھوڑا سا جلدی سے کھا کر شہروز کی طرف التجائیہ نظروں سے دیکھا۔ شہروز کو ارمان پر بہت ترس آ گیا اور اس نے بتا دیا کہ '' تمہیں ابو نے معاف کر دیا تھا اور انہوں نے بتایا کہ ماں نے بھی تمہیں معاف کر دیا تھا۔''

ارمان نے آنکھیں پوری کھول کر امید سے شہروز کو دیکھا اور جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو اور اس نے دوبارہ کہنے کو کہا۔ شہروز نے دوبارہ بتایا تو ارمان کے خزاں دیدہ بیمار چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی وہ مطمئن ہو گیا اور خاموش کافی دیر بیٹھا رہا۔ اب اس کے چہرے پر اضطراب کی بجائے سکون نمایاں نظر آ رہا تھا۔ چار دن رہنے کے بعد ارمان اپنے گھر کے لئے جانے لگا۔ شہروز اور شمروز نے بہت روکا کہ اس گھر میں تمہارا حق ہے تم رہو یہاں ارمان نے ایک نظر دونوں کو دیکھا اور افسردگی سے بولا

''نہیں اب میرا حق یہاں کی کسی چیز پر نہیں بنتا جب اپنے وقت پر میں نے حق ادا نہیں کیا تو لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

شہروز اور شمروز کے علاوہ سب نے روکا لیکن ارمان نہ مانا اور آنسو پونچھتے ہوئے سب کو الوداع کہہ کر اپنے گھر کی راہ لی راستے بھر ارمان کی آنکھیں برستی رہیں۔

ارمان کی آنکھ بہت دیر سے کھلی وقت دیکھا تو دو بج رہے تھے۔اٹھ کر کھڑکی سے پردہ اٹھایا تو لوگ جمعہ کی نماز پڑھ کر آ رہے تھے۔ارمان اٹھا غسل کیا اور نیچے آ گیا۔سمیر جمعہ کی نماز ادا کر کے واپس آ رہا تھا۔فہد اور سمیر نے ارمان سے افسوس کیا اور ناشتہ کر کے باہر نکل گیا ارمان خود بخود قبرستان کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ماں کی قبر پر کافی دیر بیٹھا رہا اور دعا کرتا رہا پھر باپ کی قبر پر دعا کی اور سوچنے لگا کہ والدین اولاد کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے اور اولاد کو اگر سنبھالنا ماں باپ کو پڑ جائے تو بوجھ ہی سمجھتی ہے اور اس طرح خیال رکھتی ہے جیسے کوئی بہت بڑا احسان کر رہی ہو اسی لئے تو اولڈ ہاؤس میں چھوڑ آتے ہیں اور بعد میں میری طرح پچھتاتے رہتے ہیں اور میں نے کیا کیا اپنے والدین کے ساتھ ایسے تو کوئی عقلمند اپنے دشمن کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔

اسی لئے تو مجھے سزا ملی ہے تنہائی کا عذاب اور خالی ہاتھ اللہ تعالی اسی طرح سزا دیتے ہیں نیچے اتر کر سر پر ڈنڈا تو نہیں مارتے ہیں۔

ہر انسان اگر اپنی ناکامیوں اور پچھتاوے پر نظر ثانی کرے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں کہاں غلطیاں کی ہیں اور ان کی یہ سزا ہے اور لوگ اس کو آزمائش کہہ کر بری الذمہ ہونے کی کوششیں کرتے ہیں۔آزمائش ہوتی ضرور ہے لیکن اس میں دکھ اور پچھتاوا نہیں ہوتا بلکہ اس پر صبر کے نتیجے میں انعامات ملتے ہیں جبکہ غلطیوں اور نافرمانیوں میں دکھ پریشانی اور پچھتاوا سب ہوتا ہے۔یہ سب میری غلط عادت کی وجہ سے ہے۔میں انا پرستی میں اس قدر آگے نکل گیا کہ سب کچھ تباہ ہو گیا اور پتہ تب چلا۔

ارمان بہت دکھ کے ساتھ اٹھا اور قبرستان سے باہر کی جانب آیا شام کے بڑھتے سائے پر ہر طرف جال بچھائے ہوئے تھے۔کچھ دیر ٹہلتا رہا اور گاڑی میں آ بیٹھا اور باہر کا نظارہ کرنے لگا بس آ کر بس سٹاپ پر رکی۔اترنے والے تیزی سے اتر کر رش میں برابر اضافہ کر رہے تھے اور چڑھنے والے بے تابی سے آگے بڑھ رہے تھے۔اترنے والے اتر کر سامان فٹ پاتھ پر رکھ کر گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔شام رات میں بدل رہی تھی ہر طرف برقی قمقمے روشن ہو گئے۔ارمان ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گیا۔ریسٹورنٹ میں ٹیبل کی تلاش میں نگاہیں ادھر ادھر دوڑا رہا تھا کہ بچے آ کر لپٹ گئے۔ارمان نے بچوں کو پیار کیا اور مائرہ کی طرف دیکھا جو نویرہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ارمان بچوں کے ساتھ ہی دوسرے ٹیبل پر بیٹھ گیا اور ان کے ساتھ پروگرام بنایا کہ اگلے دو دن کی چھٹی میں ان کو خوب گھمانے لے جائے گا۔مینیو بچوں کی پسند کا سلیکٹ کیا گیا اور بچوں نے خوشی خوشی سب کچھ لیا۔ نویرہ کے جانے کے بعد مائرہ ارمان اور بچوں کے ٹیبل کی طرف آ گئی۔ارمان نے پوچھا کہ یہ نویرہ تھی کیا کر رہی ہے آج کل اس پر مائرہ نے بتایا کہ وہ جاب کر رہی ہے شادی نہیں ہوئی۔ارمان نے حیرت سے پوچھا کیوں اس پر مائرہ نے بتایا کہ اس کا ذاتی معاملہ ہے وہ کرے یا نہ کرے۔ارمان کے اصرار پر مائرہ نے بتایا کہ دراصل نویرہ نے اپنا کیریئر بنانے کے لئے شادی کی طرف توجہ نہیں دی اور اب جب کیریئر بن گیا تو رشتے اچھے نہیں ملتے ارمان سرہلاتے ہوئے بولا

''ہاں یہ تو ہے ہر کام وقت پر اچھا لگتا ہے اب ہمارے بچے ہی دیکھ لو ساتویں آٹھویں میں پہنچ گئے ہیں اور ہماری شادی بھی ماسٹر کے چار

سال بعد ہوئی تھی تو نویرہ کو اب رشتے کہاں سے ملیں پہلے جس کام کا وقت ہو وہی کرنا چاہیے بعد میں پچھتانے کا فائدہ نہیں اور اب بھی اگر کوئی پروپوزل ہے تو معیار مسئلہ نہ بنائے اپنی انا کے خول سے باہر نکلے ورنہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔"

مائرہ لمبی آہ لیتے ہوئے بولی

"انسان کی فطرت ہے کہ وہ ٹھوکریں کھانے کے بعد سیکھتا ہے لیکن سمجھدار انسان دوسروں کے تجربات سے بھی سیکھ لیتا ہے اور ٹھوکروں سے بچ جاتا ہے۔"

ارمان نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "پتہ ہے مائرہ ہم لوگ انا کے مضبوط خول کو اپنے اوپر چڑھا لیتے ہیں جس سے باہر نہ ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی کچھ نظر آ سکتا ہے۔"

مائرہ بچوں کی طرف دور سے دیکھتے ہوئے بولی "انسان کی ترقی بھی تو انا کی بدولت ہی ہوتی ہے ترقی کے لئے انا کسی حد تک ضروری بھی تو ہے۔"

ارمان چائے کا آرڈر دیتے ہوئے بولا "تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن جب جائز اور اعتدال کے ساتھ کسی کام میں ہو تو ترقی ہوتی ہے لیکن جب اس کے برعکس ہم خواہشات وہ بھی بے سوچے سمجھے بے لگام خواہشات کو انا بنا لیتے ہیں تو یہ انائیں ہمیں مجبور کر دیتی ہیں کہ ہم کسی کی بات نہ سنیں نہ سمجھیں اور نہ غلط اور صحیح میں فرق کرتے ہیں بلکہ اندھا دھند ان کی تکمیل میں لگ جاتے ہیں یوں سمجھو کہ ہم اناؤں کے پجاری بن کر رہ جاتے ہیں تو تب ہی بربادی شروع ہوتی ہے ناکامی اور زوال شروع ہو جاتا ہے۔"

کچھ دیر خاموشی دونوں طرف چھا گئی مائرہ نے سکوت توڑتے کہا "واقعی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات سزا بن کر ہی تو ہمارے سامنے آتی ہیں بے سکون کر دیتی ہیں انہی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہی تو ہم اپنے والدین کو بھی دکھ دے دیتے ہیں جنہوں نے ہمیں سب سے زیادہ پیار کیا ہوتا ہے۔ پالا پوسا ہماری سب ضروریات پوری کی ہوتی ہیں جنہوں نے ہمارے لئے زندگیاں وقف کی ہوتی ہیں جو ہماری تکالیف پر تڑپنے والے ہوتے ہیں ہم ان کو تڑپا کر ان کی خواہشات، عزت و احترام سب کچھ بالائے طاق رکھ کر اپنی خواہشات پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں اسی لئے تو نہ ہمارا بھلا ہو سکتا ہے اور نہ ہمیں سکون ملتا ہے بلکہ ہماری خواہشات ہماری سزا بن کر سامنے آ کھڑی ہو جاتی ہیں۔"

ارمان لمبی آہ لیتے ہوئے بولا "ہر چیز ہی تو انا میں ڈھل کر نقصان پہنچاتی ہے ضد بھی انا ہے، خواہشات بھی انا ہیں۔ محبت بھی انا ہے اور ساکھ اور دولت کی ہوس بھی انا ہے بلکہ ہوس کسی بھی چیز کی ہو وہ انا ہی ہو جاتی ہے اور یہ انائیں ہی ہمیں بے حس خود غرض بناتی ہیں۔ نفس پرست بناتی ہیں، نافرمان بناتی ہیں، مغرور بناتی ہیں اپنے مقاصد کی تکمیل میں اندھا کر دیتی ہیں۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ارمان نے خود ہی سوال کر ڈالا "بتاؤ کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔"

مائرہ نے نفی میں سر ہلا دیا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ارمان بولا

"اس لئے کہ جب ہم اناؤں کے پجاری بن جاتے ہیں تو پھر ہم انہی کو جنون کی حد تک پورا کرنے میں لگ جاتے ہیں اور غلطی یہ ہوتی ہے۔ کہ اپنے رب کے احکامات کو نظر انداز کر کے آگے بڑھتے جاتے ہیں نافرمانی کرتے ہیں۔ بس اپنے مقصد کو جنون کی حد تک پورا کرنے میں لگ جاتے

ہیں۔دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہیں رب کے احکامات کی پرواہ نہیں رہتی تو نقصان اورزوال تو ہونا شروع ہوجاتا ہے۔پچھتاوا مقدر بن جاتا ہے۔"

چائے لیتے دونوں خاموش رہے بچے آئس کریم لے کرآ گئے۔ بچے باتیں کرتے رہے۔جاتے وقت مائرہ نے ارمان کے باپ کا افسوس کیا دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اوراپنی اپنی راہ لی۔

ارمان راستے بھر نہایت غمگین رہا اور گھر آ کر سیدھا کمرے میں چلا گیا۔جاتے وقت سمیر کو منع کردیا کہ اب کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔رات کی تاریکی میں ہر طرف کی خاموشی اور تنہائی ارمان کو تنگ کرنے لگی وہ پردہ ہٹا کر کھڑکی میں کھڑا ہوگیا۔ایک مرتبہ پھر اپنی آواز کی گونج سماعتوں سے ٹکرانے لگی

"بے لگام خواہشات انا میں ڈھل کر ہمیں مجبور کردیتی ہیں کہ ہم کسی کی بات نہ سنیں نہ سمجھیں اور نہ ہی ہم غلط صحیح میں فرق کرسکتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ ہم اناؤں کے پجاری بن کر رہ جاتے ہیں تب ہی سے تو ہمارا زوال اورنا کامیاں شروع ہوجاتی ہیں۔"

ارمان اپنے ماضی پر غور کرتا رہا بہت دیر تک اسی طرح کھڑا رہا اور دوبارہ اپنی ہی آواز سماعتوں سے ٹکرانے لگی۔

"ہر خواہش ہی بلکہ بے لگام خواہش ہی تو انا میں ڈھل کر نقصان پہنچاتی ہے پچھتاوا بن جاتی ہے دکھ بن کر سزا بن کر سامنے آجاتی ہے۔ محبت بھی تو انا ہے ضد بھی تو انا ہے۔ہوس دولت کی ہو یا کسی اور چیز کی وہ انا ہی تو ہے'خواہشات حد سے بڑھی ہوئی اور ساکھ سب ہی انا اور یہ انائیں تو صرف اور صرف انسان کو خودغرض بناتی ہیں نفس پرست بناتی ہیں نافرمان بناتی ہیں مغرور بناتی ہیں اور اپنے مقاصد کی تکمیل میں اندھادھند کردیتی ہیں اسی لئے تو جب ہم اناؤں کے پجاری بن جاتے ہیں تو پھر ہم انہی کو جنون کی حد تک پورا کرنے میں لگ جاتے اور غلطی پر غلطیاں کرنے لگ جاتے ہیں سب سے بڑھ کر ہم اپنے رب کے احکامات کو نظرانداز کرکے آگے بڑھنے لگتے ہیں نافرمانی کرتے ہیں اور اپنے مقصد کو جنون کی حد تک پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں نہ دوسروں کے حقوق کی پرواہ کرتے ہیں نہ ان کے احساسات کی نہ رب کے احکامات کی پرواہ کرتے ہیں تو زوال اور نقصان ہونا شروع ہوجاتا ہے اور پچھتاوا مقدر بن جاتا ہے۔"

ارمان وضو کرکے گاڑی لے کر نکل گیا اور قبرستان کی راہ لی۔قبرستان کے قریب ہی ڈاکٹر سکندر اور اکرم مل گئے جو اپنے عزیز دوست کے جنازے میں شرکت کے بعد باہر آ رہے تھے۔ارمان سے ملے اور ایک دوسرے کو آنے کی وجہ بتائی ڈاکٹر سکندر اور اکرم بھی ارمان کے ساتھ اس کے والدین کی قبروں پر دعا کے لئے آئے۔ارمان نے قبروں پر پھول بکھیرے اگربتیاں جلائیں اور بیٹھ گیا۔دونوں دوست دعا کے بعد اجازت لے کر چل دیئے۔ارمان نے انہیں جاتے دیکھا اور خود ٹیک لگا کر درخت کے ساتھ بیٹھ گیا۔قبروں کو دیکھ کر رونے لگا اور سوچنے لگا انسان کی حقیقت کیا ہے۔انسان کی حقیقت کیا ہے مٹی کا ڈھیر ہے اور یہ سب دنیاوی پریشانیاں' مایوسیاں اور دکھ اپنے چہروں پر کیوں سجا کر پھرتا ہے جبکہ انجام سب کا یکساں ہے۔قبریں تو گڑھا ہیں مٹی کا گڑھا اندھیروں کا مسکن تو پھر ان کی روشنی کے لئے کوئی انتظام کیوں نہیں۔

اکرم اور ڈاکٹر سکندر اس طرح ارمان کو بیٹھے دیکھ کر واپس آ گئے اور آ کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ارمان کو گہری سوچوں میں کھویا دیکھ کر بولے"ارمان اٹھو ہم کب سے انتظار کرتے رہے باہر لیکن تم نہیں آئے اس لئے ہم واپس آگئے ہیں۔"

ارمان سوچوں کو جھٹکتے ہوئے بولا"دیکھو یہ قبریں برابر ہیں کسی بادشاہ کی نہ اونچی اور نہ فقیر کی نیچی' کوئی خستہ حال ہے تو کوئی پختہ ہے۔"

ڈاکٹر سکندر اور اکرم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر تحمل سے ڈاکٹر سکندر بولا "ہاں ارمان اللہ نے ہمیں یہ زندگی دی ہے تاکہ اس زندگی جو قبر اور اس کے بعد کی ہے اچھا بنالیں رہنا دنیا میں ہمیشہ کسی نے بھی نہیں ہے۔"

ارمان نظر اٹھا کر ڈاکٹر سکندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"جو لوگ اپنی زندگیاں اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے گزارتے ہیں ان کی زندگیاں بھی نورانی ہوتی ہیں وہاں بھی چین اور سکون سے ہوتے ہیں اور جو نافرمانی کر کے گزار دیتے ہیں میری طرح ان کی قبریں بھی حسرت زدہ ہوتی ہیں۔"

اکرم تسلی دیتے ہوئے بولا "ارمان ایسے نہیں کہتے تم اچھے ہو رزق حلال جو سب سے ضروری ہے اس کے لئے جدوجہد کرتے ہو۔ جو ایک کام تم سے غلط ہو گیا اب اس کا ازالہ کر تو رہے ہو ایصال ثواب کرتے ہو ماں باپ کے لئے ان کے رشتے داروں سے اچھا سلوک کرتے ہو۔"

ارمان طنز سے بولا "والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ میری تکالیف میں کمی ضرور لاتا ہے لیکن......"

ڈاکٹر سکندر اور اکرم کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کہیں اس لئے دونوں خاموشی سے اس کو دیکھتے رہے اور ارمان دوبارہ بولا

"تمہیں آج بتاؤں کہ انسان کب رب کی نافرمانی کرتا ہے۔ کب احکامات سے روگردانی کرنے لگتا ہے۔"

دونوں نے ارمان کی طرف حیرانگی سے دیکھا تو ارمان خود ہی بولا "انسان کی انا پرستی اس سے غلط کام کرواتی ہے۔ جب انسان اناؤں کا پجاری بن جاتا ہے تو انسان خرابیوں کی طرف خود بخود چل پڑتا ہے اس وقت وہ غلط اور صحیح کی تمیز کھو دیتا ہے۔ بے لگام خواہشات انا میں ڈھل کر ہمیں مجبور کر دیتی ہیں کہ ہم کسی کی بات نہ سنیں اور یہی ہمیں رسوا کرتی ہیں ہمارے لئے پچھتاوا دکھ بن کر آ جاتی ہیں۔"

اکرم تمہیں معلوم ہے سکندر محبت بھی انا ہے ضد بھی ہوس بھی اور سب انائیں ہی انسان کو مغرور خود غرض نفس پرست اور نافرمان بنا دیتی ہیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہمیں اندھا کر دیتی ہیں۔"

تمہیں پتہ ہے کہ جب ہم اناؤں کے پجاری بن جاتے ہیں تو پھر ہم انہی کو جنون کی حد تک پورا کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ غلطی پر غلطیاں کرتے چلے جاتے ہیں لیکن ہمیں احساس تک نہیں ہوتا سب سے بڑی بات مقصد کا حصول ہی ہمارا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے اس لئے نافرمانیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں اور آخر کار پچھتاوا ہمارا مقدر بن جاتا ہے۔"

اب یہ تنہائی افسردگی اور پچھتاوا ہی میرا مقدر ہے۔ اسے مائرہ کی بات یاد آنے لگی "ہم زندگی بھر اناؤں کی کسی نہ کسی شکل میں گرفتار رہتے ہیں اور اناؤں کا شکار ہونے کی وجہ سے ہی نہ ہماری زندگی میں سکون ہوتا ہے نہ کامیابی اور نہ عزت حقیقت میں انا زہر سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے جو زندگی بھر کا روگ دیتی ہے۔

☆......☆......☆

ختم شد